امامت منصوصہ

مصنفہ

سید المفسرین

ادیبِ اعظم الحاج

مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

ناشر

ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

ناظم آباد، کراچی

مُناجات

بدرگاہ قاضی الحاجات

اے کارساز عالم اے مالک لوح و قلم اے معبود برحق اے قادر مطلق میں تیری رحمتِ بے پایاں اور لطف خاص کا کس زبان سے شکر ادا کروں کہ تو نے اپنے فضل و کرم سے مجھ ذرّہ بے مقدار اور عبد سیہ کار پر اپنی گراں قدر نعمتوں کی وہ موسلادھار بارش کی کہ اگر میرا ہر موئے بدن زبان بیان بن کے اس کا شکر ادا کرنا چاہے تو تیری ایک نعمت کے ہزارویں حصّہ کا بھی نہیں کر سکتا۔

ہر موئے بدن گرچہ زباں ہو عاصیؔ ممکن نہیں بندہ سے ثنائے خالق

سب سے بڑا فضل تو نے میرے اوپر یہ کیا کہ آغاز شباب سے آج تک کہ میں اسّی سال کا ہو گیا ہوں میری زندگی کے بیشتر اوقات کو تقریراً یا تحریراً اپنے دین مبین کی خدمت میں لگائے رکھا۔ اس تمام مدّت میں نشر علوم محمد و آلِ محمد میں میرا قلم بھی چلتا رہا اور زبان بھی۔ اس پیرانہ سالی میں جبکہ انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے اور اضمحلال قوا کی بنا پر اس کی دماغی صلاحتیں ختم ہو جاتی ہیں تو نے میرے قوائے ذہنیہ کو معطل نہ ہونے دیا۔ بظاہر میری خدمت کا دائرہ نقطۂ اوّل سے ملنے والا ہے۔ اسّی برس جیا بہت جیا اور بہ ثبات عقل و ہوش جیا۔ میں اپنی زندگی کے فرائض ختم کر چکا۔ اب تیرے اس حکم کا منتظر ہوں جو کسی کے ٹالے سے نہیں ٹلتا۔ ہاں اگر تیری مشیت کا اقتضا ہو تو اتنی مہلت اور دیدے کہ احتجاج طبرسی کا جو ترجمہ میں نے شروع کر رکھا ہے اسے اختتام تک پہنچا کر چھپوا دوں۔ میری تیری بارگاہ قدس میں سر نیاز خم کر کے ملتجی ہوں کہ میرے گناہ معاف فرما دے اور اپنے نیک بندوں کے صدقہ میں مجھ جیسے سیاہ کار کو بھی بخش دے

شنیدم در روز امید و بیم بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

روز قیامت مجھے اپنے نیک بندوں کے سامنے شرمندہ نہ کرنا اور محبت محمد وآل محمد پر میرا خاتمہ کرنا۔

میں ہوں تیرا بندہ گنہگار
سیّد ظفر حسن نقوی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر ... ... ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ ناظم آباد ۲ کراچی
مطبع ... ... قریشی آرٹ پریس ناظم آباد ۲ کراچی
کتابت ... ... سیّد شبیہ الحسن نقوی امروہوی
سال اشاعت ... ... جنوری 2002ء
ھدیہ : ۱۲۰ روپے

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	تعریف امامت	۲
۲	وجوب نصب امام	۳
۳	شرائط امامت	۲۸
۴	مسئلہ نصب امام اصولی ہے یا فروعی	۴۵
۵	علامات امامت	۴۸
۶	صفات امام منصوص	۴۸
۷	امام کے قوائے ظاہری و باطنی کا مفصل بیان	۴۹
۸	ائمہ علیہم السلام کی روحانی طاقت	۵۲
۹	علم غیب اور ائمہ	۵۴
۱۰	امام کے لیے حصول علم غیب کے طریقے	۵۸
۱۱	چند سوالات کے جوابات	۵۹
۱۲	نبی اور جانشین نبی کا مساوی الصفات ہونا لازم ہے	۶۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۳	امام روشن ضمیر ہوتا ہے	۷۵
۱۴	امام کا مستجاب الدعوات ہونا لازم ہے	۸۲
۱۵	اثبات امامت ائمہ اثنا عشر علیہم السلام	۸۵
۱۶	کیا مذہب شیعہ کا بانی عبداللہ بن سبا ہے	۹۶
۱۷	اثبات امامت و خلافت ائمہ اثنا عشر	۹۹
۱۸	ائمہ اہلبیت کے علاوہ بارہ امام کون ہیں	۱۰۷
۱۹	تمسک باہلبیت واجب ہے	۱۲۰
۲۰	معرفت امام زمانہ	۱۲۵
۲۱	حکم محبت و پیروی ائمہ	۱۲۸
۲۲	فرقہ ناجی کا تعین	۱۳۰
۲۳	فضائل و مناقب امیر المومنین	۱۳۱
۲۴	وہ آیات جو امامت علی پر دال ہیں	۱۴۱
۲۵	صاحب تحفہ کی عجیب بحث	۲۳۵
۲۶	مولانا اردبیلی کا استدلال	۲۴۰

امامتِ منصوصہ

تعریف امامت۔ لفظ امام ماخوذ ہے امّ یا امّ سے جس کے معنی قصد کے ہیں پس امام وہ ہے جس کے اقوال و افعال کے اتباع کا لوگ قصد کریں اور وہ تمام آدمیوں کے لیے واجب الاطاعت ہو۔

شیعوں کا امام۔ وہ ہے جو تمام امور دین و دنیا میں بہ نیابت پیغمبر پیشوائے امّت اور مقتدائے خلق ہو۔

امامت مطلقہ کلیہ۔ امامت کلیہ وہ ہے جس کا تعلق ہوتا ہے ریاستِ دینی اور دنیوی سے مطلقاً جیسا کہ خدا حضرت ابراہیم کے متعلق فرماتا ہے اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ (سورہ البقرہ ۲/۱۲۴) (جب ابراہیم کو ان کے رب نے کچھ کلمات میں مبتلا کیا تو انہوں نے ان کو پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں حضرت نے کہا اور میری اولاد سے بھی امام بنائے گا فرمایا میرے اس عہدہ کو ظالم لوگ نہ پائیں گے۔

مولانا فخر الدین طریحی مجمع البیان میں فرماتے ہیں الامامة هی الریاسة العامة علیٰ جمیع الناس امامت تمام لوگوں پر ریاست عامہ کا نام ہے۔

اس امامت میں نبوت اور رسالت دونوں جمع ہو جائیں گی اور جب نیابت

رسولؐ کے ساتھ مشروط ہو تو نبوت و رسالت سے تعلق نہ ہوگا۔

کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عبد بنایا پھر نبی پھر رسول پھر خلیل پھر امام۔ جب جلالت شان امامت کو حضرت ابراہیم نے ملاحظہ فرمایا تو اس عہدہ امامت کی اپنی اولاد کے لیے بھی خواہش کی۔ خدا نے فرمایا تمہاری اولاد میں جو ظالم ہوں گے اُن کو یہ عہدہ نہیں ملے گا۔

حضرت رسولخداؐ نے فرمایا جس نے بتوں کی پرستش کی وہ امام نہیں بن سکتا میری نیابت کا عہدہ ان لوگوں سے مخصوص ہوگا جو اوّل عمر سے آخر عمر تک خدا پرست اور معصوم رہے ہوں۔

کبھی امامت سے مراد مطلق پیشوائی ہوتی ہے خواہ وہ قیادت اہل حق ہو یا اہل ضلالت قرآن میں ان دونوں امامتوں کا ذکر ہے۔

(۱) وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (سورہ الانبیاء ۳ ۷/۲۱) ہم نے ان کو امام بنایا جو ہمارے امر کی ہدایت کرتے ہیں)

(۲) وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ (سورہ القصص ۲۸/۴۱) ہم نے ان کو امام بنایا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں ظاہر ہے کہ نمبر ۲ کی امامت کا تعلق انبیا اور اوصیائے انبیا سے نہیں ہو سکتا۔

وجوب نصب امام امامت کے متعلق سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ امام کا نصب تعیّن خدا پر واجب ہے یا امّت پر اور آیا یہ وجوب عقلی ہے یا شرعی۔

حضرات اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنا ایک رئیس اپنے میں سے انتخاب کر لیں اور اتباع ان امور میں جو موافق شرع ہیں اپنے اوپر لازم قرار دے لیں اور امور خیر میں اس کے مددگار رہوں۔

فرقۂ امامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ نصب امام خدا پر واجب ہے کیونکہ وہ صاحب حکمت ہے اور مصالح عباد پر اس کی نظر ہے اس عقیدہ پر عقلی اور نقلی دونوں طرح کی دلیلیں موجود ہیں۔

ایسا امر اہم عام لوگوں کی رائے پر چھوڑنا بیشمار خطرے پیدا ہونے کا سبب بن جائیگا۔

پہلی دلیل امامت کا حال بعثت انبیا جیسا ہے پس جو دلیل بعثت انبیا کی ہے وہی نصب امام کی ہے کیونکہ مقصد دونوں کے نصب و تعیین سے ایک ہی ہے۔

دوسری دلیل۔ جب انسان مدنی الطبع ہے اور مل جل کر رہنا ناگزیر تو اصلاح امور متنازعہ اور درستی حالات تمدن و معاشرت کے لیے ایک رئیس کا ہونا ضروری نیز اس لیے بھی کہ وہ لوگوں کو اخروی فلاح و بہبود کی طرف ہدایت کرتا رہے۔ حدود اسلام کا محافظ ہو ہر جھگڑے کا بے لاگ فیصلہ کرے۔ اصطلاح شرع میں ایسے شخص کو نبی یا نبی کا جانشین و امام کہتے ہیں ہمارے نبی کے بعد چونکہ کوئی نبی آنے والا نہیں لہذا خاص طور سے امام کی ضرورت ہے یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے جس سے کوئی ذی عقل انکار نہیں کر سکتا۔

حلقہ غیر سے اس کی تائید۔ علامہ تفتازانی کا یہ بیان مطول میں ہمارا موید ہے

> ایسا شخص خطا سے محفوظ ہونا چاہیئے وہی معاشرت اور تمدن کے قوانین بنائے اسی کو شارع کہتے ہیں۔ اس کے لیے اطاعت میں ممتاز ہونا لازم ہے یعنی وہ سب کے لیے واجب الاطاعت ہو ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ کچھ آیات و معجزات اس کے ساتھ ہوں جن سے ثابت ہو کہ اس کی شریعت خدا کی طرف سے ہے۔ ہمارے پیغمبر کا معجزہ قرآن ہے جو فارق حق و باطل ہے۔

ہم کہتے ہیں جب نبوت کے لیے یہ امر تسلیم کر لیا گیا کہ ایسے شخص کا نصب خدا پر واجب ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ امام کا نصب جو جانشین نبی ہے خدا پر واجب نہ ہو اور اس معاملہ

میں اتنا جھگڑا کیا جائے کہ علامہ شہرستانی کتاب ملل ونحل میں لکھتے ہیں۔

سب سے بڑا اختلاف امت میں مسئلہ امامت میں ہوا ہے اور جتنی خونریزی اس میں ہوئی ہے اور کسی مسئلہ میں نہیں ہوئی۔

اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ جب دینی معاملات کو اہل دنیا کی رائے پر چھوڑ دیا جائے گا تو خونریزی ہونا لازم۔ امام کی ضرورت تو اسی لیے ہے کہ وہ احکام شرع کی محافظت کرے اور منکرات اور منہیات سے لوگوں کو روکے امر خیر کی طرف دعوت دے، ظالم کو ظلم سے روکے مظلوم کی دادرسی کرے۔ گمراہوں کو شاہراہ ہدایت پر لائے مشکلکین کے شکوک دور کرے شبہات زایل کرے اور اپنے قول وفعل میں خطاسے محفوظ ہو ضرور ہے کہ ایسا شخص خدا و رسولؐ کی طرف سے معین ہو اور صاحب معجزہ ہو۔ تاکہ لوگوں پر ثابت ہو کہ یہ خدا کی طرف سے آیا ہوا ہے۔

ایک عقیدہ مسلمانوں کا یہ بھی ہے کہ خدا پر کوئی شے واجب نہیں ہو سکتی۔ اس کی شان بے نیازی کے خلاف ہے کہ کوئی چیز اس پر واجب ہو۔ یہ ایک خوفناک غلطی ہے جب خدا اپنی مخلوق پر حکمت و مہر کی نظر رکھنے والا ہے تو یہ وجوب اس کی شان کے منافی کیوں ہوگا اس نے بہت سی چیزیں اپنے لیے لازم قرار دی ہیں مثلاً تعلیم بیان۔ تعین قوانین شارع کا نصب انبیاء و مرسلین کا بھیجنا۔ صاحب شرع کے ہاتھ پر معجزات ظاہر کرنا۔ ایسی صورت میں اگر نصب امام کو واجب قرار دیا جائے تو کیا خرابی لازم آتی ہے۔ وجود امام رحمت ہے اور رحمت کو اس نے اپنے لیے واجب قرار دیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ (سورہ الانعام ۱۲) کیسی عجیب بات ہے کہ اس امر کو خدا سے نکال کر ایسے لوگوں کے سپرد کر دیا جو گمراہ و جاہل بھی ہیں اور ارذال واجلاف بھی نتیجہ میں دین کے محافظ وہ لوگ بن جاتے ہیں جو اہل نہیں ہوتے۔

امر اصلح کا وجوب خدا پر۔ امر اصلح (سب سے بہتر امر) خدا پر واجب ہے عند العقل

یہ مسلم ہے کہ بندوں کے لیے جو چیز اصلح ہوگی۔ خدا کی مشیت اسی سے متعلق ہوگی۔ مخلوق کے لیے سب سے بہتر و مفید وجود رئیس و حاکم ہے پس وہ اللہ کی طرف سے ہونا چاہیئے کیونکہ دنیا و دین کے تمام اہم امور کا تعلق اس سے لازم۔ جب پیغمبر کا وجود دنیا میں نہو تو اس کے جانشین کا ہونا ضروری اور جب ضروری اور اصلح ہے تو اس کا تعین اور تقرر خدا پر واجب۔ خطا کار بندوں کے منتخب شدہ سے اس کا کیا تعلق۔

مناظرہ ہشام با عمرو بن عبید۔ کافی میں کلینی علیہ الرحمہ نے اور امالی میں صدوق علیہ الرحمہ نے یونس بن یعقوب سے روایت کی ہے کہ ایک روز امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں چند اصحاب حاضر تھے۔ جیسے حمران بن اعین مومن طاق۔ ہشام بن سالم۔ محمد بن طیار امامؑ نے ہشام ابن سالم سے جو ایک مرد جوان تھا فرمایا ذرا بیان کرو عمرو بن عبید فقیہ اہلسنت سے تمہارا کیا مکالمہ ہوا۔

ہشام نے عرض کی یا ابن رسول اللہ ایک دن میں نے سنا کہ عمرو بن عبید مسجد بصرہ میں وعظ کرتا ہے اور بہت سے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ میں مجمع کو چیرتا پھاڑتا اس کے قریب پہنچا اور کہا کہ اے مرد عالم میں ایک مسافر ہوں اجازت ہو تو کچھ پوچھوں۔

عمرو۔ ضرور

میں۔ کیا آپ کے آنکھ ہے۔

عمرو۔ صاحبزادے کیا طفلانہ سوال کر رہے ہو۔ اگرچہ جواب دینا میری شان کے خلاف ہے مگر میں کہتا ہوں "ہے"۔

میں۔ آپ اس سے کیا کام لیتے ہیں

عمرو۔ لاحول ولاقوۃ یہ اس سے زیادہ مہمل سوال ہے

میں۔ ازراہ کرم آپ جواب دیتے رہیں۔

عمرو۔ (مسکرا کر) میں ان سے دیکھتا ہوں۔

میں۔ آپ کے ناک بھی ہے۔

عمرو۔ ہے۔

میں۔ آپ اس سے کیا کام لیتے ہیں۔

عمرو۔ سونگھتا ہوں۔

میں۔ آپ کے کان ہیں؟

عمرو۔ ہیں

میں۔ ان سے آپ کیا کام لیتے ہیں

عمرو۔ سنتا ہوں

میں۔ زبان بھی ہے۔

عمرو۔ ہے۔

میں۔ اس سے کیا کام لیتے ہیں

عمرو۔ بولتا ہوں۔

میں۔ ہاتھ بھی ہے

عمرو۔ ہیں

میں۔ اس سے کیا کام لیتے ہو

عمرو۔ سرد و گرم محسوس کرتا ہوں۔

میں۔ دل بھی ہے۔

عمرو۔ ہے۔

میں۔ یہ کیا کام کرتا ہے

عمرو۔ جب میرے حواس پر کوئی شے مشتبہ ہو جاتی ہے تو دل کی طرف رجوع کرتا ہوں اور دل کی گواہی کے بعد یقین حاصل کرتا ہوں۔

میں۔ اے شخص ذرا غور کر جب خدا نے اعضاو جوارح کو بغیر امام نہیں چھوڑا تو اس خلق کثیر کو بغیر کسی امام کے نصب کیے کیسے چھوڑ دیا۔

یہ سن کر وہ ساکت ہو گیا۔

میں۔ آپ نے کبھی یہ نہ سوچا کہ جس خدا نے چند حواس کے شکوک رفع کرنے کے لیے دل کو بنایا وہ کیونکر اپنے بندوں کے شکوک رفع نہ کرنے کا سامان نہ کرتا۔

یہ سنکر اس نے مجھ سے کہا کیا تو ہی ہے ہشام بن سالم۔ میں نے کہا ہاں۔ وہ اٹھا اور مجھ سے معانقہ کر کے مجھے اپنی برابر بٹھالیا۔

امام نے پوچھا یہ تمہیں کس نے سکھایا تھا ہشام نے کہا یہ استدلال خود بخود میری زبان پر جاری ہوا۔ حضرت نے فرمایا۔ هذا مكتوبٌ فى صحف ابراهيم و موسى (صحف ابراہیم و موسیٰ میں یہی لکھا ہے۔)

تیسری دلیل تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ بعثت رسول واجب ہے چنانچہ تحت آیہ يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمۡ عَلَىٰ فَتۡرَةٖ مِّنَ ٱلرُّسُلِ (سورہ المائدہ ۱۹/۵) میں لکھا ہے کہ مسئلہ چہارم یہ ہے کہ زمانہ فترت میں آنحضرتؐ کے مبعوث کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ شریعتوں میں جو تغیر و تبدل ایک مدت میں ہو گیا ہے اور صدق و کذب اور حق و باطل آپس میں مخلوط ہو گئے ہیں اور مخلوق کو اپنی بے گناہی کا عذر ہاتھ آیا ہے وہ کہتے ہیں يا الهنا عرفنا انه لابد من عبادتك ولكن ما عرفنا كيف نعبدك اے میرے معبود یہ تو ہم نے پہچان لیا کہ تیری عبادت ضروری ہے لیکن تیری عبادت کیسے کریں یہ ہم نے نہیں جانا) اس عذر کو قطع کرنے کے لیے

آنحضرتؐ کو مبعوث کیا گیا۔ فترت کے زمانہ میں بعثت رسل کی طرف احتیاج ہوتی ہے۔ چونکہ خدا ہر شے پر قادر ہے لہٰذا رسول کا بھیجنا اس کی رحمت پر واجب ہوگا۔

ہم کہتے ہیں۔ جب نبوت و امامت دونوں کی علت میں اشتراک ہے تو نظر بحکمت باری تعالیٰ نصب امام بھی واجب ہوگا جب مدتِ دراز میں حق و باطل مخلوط ہو جاتے ہیں اور بندوں کو عذر پیدا ہوتا ہے تو یہی عذر آنحضرتؐ کے بعد بھی ہوگا۔

کلینی علیہ الرحمہ نے امام رضا علیہ السلام سے یہ حدیث نقل کی ہے اِنَّ الحُجتہ لاتقومُ اِلاَّ باِمامٍ (حجت خدا تمام نہیں ہوتی مگر نصب امام سے) اور امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا اِنّ اٰخر مَن یموتُ الامام لئلا یَحتج احدٌ علی اللّٰہ عز وجلّ انہ تُرکَ بغیر حُجتہٍ (سب سے آخر میں امام مرے گا تاکہ کوئی خدا پر یہ حجّت تمام نہ کرسکے کہ مجھے بغیر حجت کے چھوڑ دیا۔

چوتھی دلیل۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ (سورہ التوبہ ۹/۱۱۹) (اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اس سے معلوم ہوا کہ صادقین کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے اور یہ وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو صدق کلی رکھنے والے ہوں یعنی جنہوں نے عمر بھر کبھی جھوٹ بولا ہی نہ ہو ورنہ ایسے لوگ تو دنیا میں بکثرت ہیں جنہوں نے کبھی سچ بولا ہو اور کبھی جھوٹ۔ اس آیت میں جن صادقین سے مراد ہے وہ ائمہ معصومین ہیں۔ سوائے معصوم دوسرے کی معیت مطلقہ کا حکم ہو ہی نہیں سکتا۔

امام رازی کا بیان۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ صادقین کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے اور اس کے چند وجوہ ہیں۔

اوّل۔ لوگوں پر تکلیف شرعی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے لہٰذا صادقین کے ساتھ رہنے

کی تکلیف بھی ہمیشہ باقی رہے گی۔

دوسرے۔ کونو صیغہ امر ہے جو شامل ہے تمام اوقات پر۔

تیسرے آیت میں وقت کا تعین نہیں۔

چوتھے۔ تقویٰ شرعاً مامور بہ ہے لہٰذا صادقین کے لیے تقویٰ ضروری پس ہر جائز الخطا کو چاہیئے کہ ایسے شخص کی اقتدا کرے جس سے صدور خطا ممتنع ہو اور صادق معصوم کے ساتھ رہنا خطا سے باز رکھے گا۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ رازی صادقین کو معصوم مانتے ہیں۔

امام رازی صادقین کی عصمت کو تو مانتے ہیں مگر صادقین سے مراد لیتے ہیں اجماع امت استدلال یہ ہے کہ اگر ایک معصوم کا وجود ہر زمانہ میں تسلیم کر لیا جائے تو تمام امت کا اس تک پہنچنا محال ہے اور جب رسائی ناممکن ہوگی تو معیت کا حصول کا بھی ناممکن ہوگا مگر انہوں نے یہ خیال نہ فرمایا کہ اجماع کس طرح ممکن ہوگا جبکہ کروڑوں مسلمان ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اور اگر اجماع سے مراد صرف ارباب حل وعقد کا اجماع ہے تو یقیناً وہ معدودے چند ہوں گے اور کسی ایک مقام پر اجماع کریں گے۔ ایسی صورت میں تمام امت ان کو کہاں کہاں تلاش کرے گی اور ان کی معیت کیونکر حاصل ہوگی۔

پانچویں دلیل۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (سورہ النساء ۴/۵۹) (اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اولی الامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہوں) یہ حکم تمام مکلفین کے لیے روز قیامت تک ہے پس لازم ہے کہ اولی الامر میں سے ایک ضرور ہر زمانہ میں موجود رہے اور وہ معصوم و منصوص من اللہ ہو کیونکہ گنہگار ولی امر کی صورت میں اطاعت اور مخالفت دونوں بیک وقت جمع ہو جائیں گی اور یہ عند العقل صحیح نہیں۔ اوروں کا کیا ذکر زید اور ولید جیسے لوگ اس ولایت کے

دائرہ میں آجائیں گے اگر اولی الامر سے مراد بادشاہ لیے جائیں کوئی ذی عقل اس کو گوارا نہ کرے گا کہ خدا غیر معصوم یا فاسق و فاجر کی اطاعت کا حکم دے۔

چھٹی دلیل ۔ یہ حدیث متفق علیہ فریقین ہے کہ رسول نے فرمایا مَن ماتَ و لم یعرف امامَ زمانه ماتَ میتة جاھلیة اس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں ایک ایسے امام کا وجود ہو جس کی عدم معرفت کفر کی موت مرنے کا سبب ہو۔

اکثر علمائے اسلام نے امام زمانہ سے مراد قرآن لی ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ قرآن تو ہر زمانہ والوں کے لیے ایک ہی ہے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ کا امام جُداگانہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے مسلمان جو قرآن پڑھے ہوئے ہی نہیں اور جنہوں نے قرآن کھول کر بھی نہیں دیکھا کیا وہ سب کفر کی موت مرے۔ پھر کسی نے قرآن کو یاد کرنا اپنے اُوپر واجب نہیں جانا اور اگر مراد معانی قرآن کا سمجھنا ہے تو بہت سے لوگ معانی نہیں جانتے۔

ساتویں دلیل ۔ امیر المومنین علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں۔

اللھمَّ بَلیٰ لَا تخلو الارضَ عَن قایم اللّٰہِ لحجةٍ اِمَّا ظاھراً مشھوراً او خائفاً مخموراً لئلا یبطل حججه وبیّناته وکم ذاو این اولئكَ الاقلونَ عدداً والا عظمونَ قدراً و یحفظ اللّٰہ بھم حججه وبیناته حتیٰ یودّعوھا الیٰ نظر ائھم ویذرعوھافی قلوب استائھم۔ (اے خدا تو زمین کو قایم سے خالی نہیں رکھتا خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ تاکہ خدا کی حجتیں اور اس کے روشن دلایل باطل نہ ہوں ایسے لوگ تعداد میں کم ہیں اور قدر و منزلت میں عظیم ہیں۔ پروردگارِ عالم ان کے ذریعہ سے اپنی حجتوں کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس امانت الٰہی کو اپنے ہی جیسوں کے سپرد کر دیتے ہیں اور اپنے ہی جیسوں کے دلوں میں یہ تخم بو دیتے ہیں۔

ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں لکھا ہے۔ ان احادیث میں جو تمسک اہلبیت کا ذکر ہے وہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ قرآن کی طرح یہ تمسک بھی قیامت تک چلنے والا ہے۔

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلبیت بنوت اہل ارض کے باعث امن و امان ہیں اس سے ثابت ہوا کہ زمین کسی وقت حجت خدا سے خالی نہ رہے گی اور ابن حجر کی تصریح سے ثابت ہوا کہ اہلبیت معصوم اور عادل ہوں گے۔

آٹھویں دلیل۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (سورہ القصص ۲۸/۶۸) تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے انتخاب کرتا ہے لوگوں کو اس میں اختیار نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام یا خلیفہ کا نصب کرنا خدا کے ہاتھ میں ہے نہ کہ لوگوں کے۔ اس آیت کے بعد ہے سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (سورہ القصص ۲۸/۶۸) جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے امام و خلیفہ بنانے والے اپنے کو شریک باری قرار دیتے ہیں۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں حسب ذیل حکایت لکھی ہے۔

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں میں ایک دن اپنے باپ کی خدمت میں حاضر تھا انہوں نے ابن عباس سے کہا۔

حضرت عمر۔ تمہیں معلوم ہے کہ لوگوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔

ابن عباس۔ مجھے معلوم نہیں۔

حضرت عمر۔ قریش نے اس امر کو مکروہ جانا کہ تمہارے خاندان میں بنوت و خلافت دونوں ایک جگہ جمع ہوں قریش نے وہ کیا جو اُن کے لیے نافع تھا۔ انہوں نے خلیفہ بنانے میں خدا کی توفیق حاصل کی اور حق کو پہنچ گئے۔

ابن عباس ۔ جان کی امان پاؤں تو کچھ کہوں۔

حضرت عمر ۔ کہو۔

ابن عباس ۔ آپ کا یہ کہنا کہ قریش نے کراہت کی تو ایسا ہوا ہی کرتا ہے خدا فرماتا ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ (سورہ محمد ۴۷/۹) (انہوں نے مکروہ جانا اس چیز کو جو اللہ نے نازل کی تھی پس ان کے اعمال حبط ہو گئے) اور یہ جو فرمایا کہ اگر ہم ان پر مسلط ہوتے تو ان کو ضرر پہنچاتے تو اگر خلافت سے ہم ضرر پہنچا سکتے تھے تو قرابت سے بھی پہنچا سکتے تھے لیکن ہم اس قوم سے ہیں کہ جن کے اخلاق حضرت رسول خداؐ کے اخلاق سے نکلے ہیں اور آنحضرتؐ کے اخلاق کے بارے میں خدا فرماتا ہے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (سورہ القلم ۶۸/۴) اور یہ بھی فرماتا ہے وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ الشعراء ۲۶/۲۱۵) اور یہ کہنا کہ قریش نے انتخاب کر لیا تو اس کے متعلق خدا فرماتا ہے رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (سورہ القصص ۲۸/۶۸) اگر قریش اس پر غور کرتے تو ان پر خدا کی رحمت ہوتی۔

حضرت عمر ۔ اے ابن عباس تم لوگوں کے دل سے یہ خیال نہیں جاتا اور قریش کی بدخواہی تم بنی ہاشم سے نہیں جاتی حسد تمہارے دلوں میں جگہ پکڑ گیا ہے۔

ابن عباس ۔ آپ بنی ہاشم کے قلوب کو کدورت کی طرف نسبت نہ دیں کیونکہ انہی میں قلب رسول تھا جس کو اللہ نے پاک بنایا تھا وہ اہلبیت سے ہیں جن کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔ رہا بغض کا معاملہ تو کیونکر نہ بغض رکھے گا وہ جس کا حق غصب کر لیا گیا ہو اور وہ اس کو دست غیر میں دیکھے۔

حضرت عمر ، مجھے معلوم ہے کہ تم کیا کیا کہا کرتے ہو۔ تم کہتے ہو کہ خلافت کو ہم سے ازراہ

ظلم و حسد لیا گیا ہے۔

ابن ع اس۔ آپ نے حسد کو کہا تو یہ ایک پرانا آزار ہے۔ ابلیس نے حسد کر کے آدم کو جنت سے نکلوایا اور ہم انہی بنی آدم کے فرزند ہیں اور مجبور ہیں۔ رہا ظلم تو لوگ جانتے ہیں کہ حق کس کا ہے کیا رسول کی وجہ سے عرب نے عجم پر اور قریش نے تمام عرب پر فخر نہیں کیا۔ حضرت عمر نے یہ سن کر کہا اچھا اُٹھو اور اپنے گھر جاؤ۔ جب ابن عباس چلے تو حضرت عمر نے کہا اے روگردانی کرنے والے جو کچھ تجھ سے صادر ہوا میں تیرے حق کی رعایت کی بنا پر تجھے چھوڑے دیتا ہوں۔ ابن عباس نے کہا ہمارا حق تو آپ پر بھی ہے اور تمام مسلمانوں پر بھی حضرت رسولخداؐ کی وجہ سے جس نے رعایت کی اس نے اپنی خیر خواہی کی اور جس نے ضایع کیا اس نے اپنے کو ضائع کیا۔

نویں دلیل۔ کافی میں یوسف بن یعقوب سے مروی ہے کہ میں امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شامی حاضر خدمت ہو کر کہنے لگا۔ میں اہل علم اور صاحب کلام اور فقہ و فرائض ہوں آپ سے مناظرہ کرنے کو آیا ہوں۔ حضرت نے اپنے اصحاب کو بلایا وہ مناظرہ کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ہشام بن الحکم کی باری آئی آپ نے کہا۔

ہشام اے شخص یہ تو بتا کہ تیرا خدا اپنی مخلوق پر زیادہ شفیق ہے یا مخلوق خود اپنے اُو پر۔

شامی۔ خدا زیادہ مہربان ہے۔

ہشام۔ اگر ایسا ہے تو بتا خدا نے بندوں پر کیا مہربانی کی۔

شامی۔ اس نے ان کے فائدہ کے لیے دلیل اور حجت قائم کی تا کہ گمراہ نہوں اور اختلاف نہ کریں۔ حجت خدا ان کی تالیف کرتا ہے اور ان کی کجی کو درست کرتا ہے اور ان کو فرائض سے آگاہ کرتا ہے۔

ہشام ۔ تیری نظر میں وہ حجت کون ہے ؟

شامی ۔ رسول اللہؐ

ہشام ۔ ان کے بعد کون ہے ؟

شامی ۔ کتاب اور سنّت ۔

ہشام ۔ کیا اختلاف دُور کرنے میں کتاب وسنّت سے مدد ملتی ہے ؟

شامی ۔ ضرور ۔

ہشام ۔ پھر تیرے اور میرے درمیان اختلاف کیوں ہے اور تو شام سے یہاں مناظرہ کرنے آیا کیوں یہ سُن کر وہ شامی چپ ہوگیا ۔

امام ۔ خاموش کیوں ہوگئے ۔

شامی ۔ کیا کروں بجز خموشی چارہ کار نہیں ۔ اگر کہتا ہوں کہ اختلاف نہیں تو جھوٹ ہے اور اگر کہتا ہوں کہ کتاب وسنّت دافع اختلاف ہے تو بھی غلط ہے ۔ (ہشام سے مخاطب ہوکر) تم بتاؤ حجت خدا کون ہے ۔

ہشام ۔ یہی بزرگ ہیں جو تیرے سامنے بیٹھے ہیں ۔ جو ہم کو آسمانی اخبار بتاتے ہیں ۔

شامی ۔ میں کیسے سمجھوں کہ یہی ہیں ۔

ہشام ۔ جو تیرا دل چاہے پوچھ لے ۔

امام ۔ کیا میں تیرے سفر کا مفصل حال سناؤں ۔ اس کے بعد آپ نے سب حال سُنا دیا ۔ شامی نے کہا میں اسلام لے آیا ۔ فرمایا یوں کہو ایمان لے آیا کیونکہ ایمان کے بعد اسلام ہے ۔ اسلام پر ہے بنائے توارث وتناکح اور ایمان پر ہے بنائے ثواب اور نجات یوم الحساب ۔ شامی نے کہا یہ درست ہے اس کے بعد وہ حضرت کی امامت کا معتقد ہوگیا ۔

دسویں دلیل ۔ آنحضرتؐ تمام خلق پر مبعوث ہوئے اور آپ کی شریعت کامل شریعت تھی قیامت تک کے لیے پس کیسے ممکن تھا کہ آنحضرتؐ اس کو بغیر محافظ کے چھوڑ کر دنیا سے چلے جاتے۔

گیارہویں دلیل تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ خدا تمام انبیا کا جانشین خود بناتا ہے اور حضرت رسولخداؐ کا بھی یہ طریقہ تھا کہ جب کسی غزوہ میں جاتے تو اپنا قائم مقام کسی کو معین کر کے مدینہ میں چھوڑ دیتے اور اسلام کے ہر شہر میں اپنا ایک نائب معین کرتے مسلمانوں کو یہ اختیار نہ دیتے کہ تم اپنا امیر خود مقرر کر لو پس کیسے ممکن تھا کہ جب دنیا چھوڑتے تو اپنا مقام بدوں جانشین کے خالی نہ چھوڑتے۔

ارشاد القلوب میں ہے کہ ایک نصرانی عالم مدینہ میں آیا اور لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے رسول کا جانشین جو شخص ہو مجھے اس کے پاس لے چلو لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پاس لے آئے۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس اس بات کا کہ تم اپنے پیغمبر کے جانشین ہو۔ انہوں نے کہا مجھے امت مسلمہ نے ان کا قایم مقام تجویز کیا ہے اس نے کہا جب ایسا ہے تو تم امت کے خلیفہ ہو نہ کہ رسول کے۔ میں نے کتب سابقہ میں پڑھا ہے کہ خلافت خدا کی طرف سے ہوتی ہے جس کی تصدیق قرآن بھی کرتا ہے۔ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (سورہ ص ۲۶/۳۸) اگر نبی نے تمہارے لیے وصیت کی ہوتی تو امت سے انتخاب کرانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ سنت انبیا یہ ہے کہ کسی پیغمبر کو خدا نے مبعوث نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لیے وصی قرار دیا جس کی طرف لوگ مسائل علمیہ میں رجوع کریں اور وہ کسی دوسرے کا علم میں محتاج نہ ہو۔ چونکہ سنت خدا میں تبدیلی نہیں ہوتی لہٰذا اب بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔

بارہویں دلیل نصب امام لطف ہے اور لطف خدا پر واجب ہے۔ خدا

کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ تکلیف عباد خدا پر واجب اور یہ بدوں طاقت و قدرت بندوں سے ممکن نہیں۔ مثلاً جو جہاد کے قابل نہ ہو اسے جہاد کی تکلیف دینا جائز نہیں۔ اسی طرح جو کھڑا نہ ہو سکے اسے کھڑے ہونے کی تکلیف دینا ظلم پس جب تک بندوں کو امر و نہی کا علم نہ ہو وہ اطاعت کریں گے کیسے۔ اگر ان کے لیے تحصیل علم کا ذریعہ نہ ہو تو پھر تکلیف کا تعلق بھی ان سے نہ ہونا چاہیے۔

اگرچہ رسول نے تمام احکام بیان کر دیئے مگر امت کے لیے پھر بھی سمجھانے کی ضرورت باقی رہی اگر سب سمجھ جاتے تو ان میں اختلاف نہ ہوتا۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ نبی کی عدم موجودگی میں ان کا نائب موجود ہو جو احکام الہیہ کا عالم ہو اور اس کی تائید معجزات سے ہو ورنہ اس کی عدم موجودگی میں بندوں سے تکلیف کا ساقط ہونا لازم آئے گا یا پھر تکلیف بغیر قدرت ہوگی اور یہ دونوں باطل ہیں۔

دفع ایراد۔ نبی کی عدم موجودگی میں ہر مکلف کو چاہیے کہ تحصیل علم میں جد و جہد کرے اور مکلف یا مجتہد کے نزدیک جو صورت راجح ہو اس پر عمل کرے۔

جواب۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت رسول خدا یہ نہ فرماتے کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سوائے ایک کے یہ سب ناری ہوں گے۔

اعتراض۔ نبی کے بعد احتیاج امام ہو تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔

(۱) ایسے وقت میں کہ نبی نہ ہو اور امام غائب ہو نفس الامری احکام کا حاصل کرنا ممکن ہوگا۔

(۲) ممکن نہ ہوگا۔

پہلی صورت میں تو امام کی احتیاج ہی نہ ہوگی۔

دوسری صورت میں تکلیف بالمحال لازم آئے گی کیونکہ امام غائب سے تحصیل علم کرنا محال

جواب۔ خدا جب اپنے تمام احکام بندوں تک نبی کے ذریعہ سے پہنچاتا ہے اور لوگوں کو عمل کی تکلیف دیتا ہے تو لازم ہے کہ نبی کے بعد بھی کسی ہادی کو معین کرے تاکہ لوگوں کو حصول ممکن ہو اور احکام الٰہیہ سے انہیں دقیقت ہو ورنہ لازم آئے گا کہ ایک امر جو ایک زمانہ میں لازم ہو دوسرے زمانہ میں وہی غیر ضروری ہو جائے۔ دوسرے ہادی کی عدم موجودگی میں وہی تکلیف بالمحال لازم آئے گی جس کا ذکر معترض نے کیا ہے۔

اب رہا امام غائب تک نہ پہنچنا تو اس غیبت کا الزام بندوں پر عاید ہوتا ہے نہ خدا پر نہ امام پر۔ خدا نے جو حافظ دین معین کیا تھا جب لوگوں نے اس کی تذلیل کی تو خود انہوں نے تحصیل علم کا دروازہ اپنے اوپر بند کیا اسی لیے وہ ضرور مستحق عذاب ہوں گے رسول کے بعد خدا نے اپنی گیارہ حجتوں کو ظاہر کیا جب لوگوں نے ان کی ہدایتوں کو نہ مانا اور ان کو قید و بند کی اذیتیں دیں اور ان کو قتل کیا تو خدا نے اپنی آخری حجت کو غائب کر دیا تاکہ غیبت کے ذریعہ سے ان کے ایمان کا امتحان لے ورنہ یہی ہوتا رہتا کہ خدا اپنی حجتوں کو بھیجتا رہتا اور لوگ قتل کرتے رہتے۔

اعتراض۔ شاہ عبدالحق دہلوی تحفۂ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں۔

اگر نصب امام خدا کی طرف سے مان لیں تو اس سے بہت سے مفاسد پیدا ہوں گے کیونکہ اہل عالم کی رائیں مختلف ہوتی ہیں اور ان کے نفوس الگ الگ۔ ایک شخص کا یا بہت لوگوں کا پہلے سے تعین کرنا ضرور مفاسد پیدا کرے گا۔ ہر زمانہ کے مذاق اور ضرورت کے لحاظ سے تعین ہونا چاہیئے۔ لوگوں کی مخالفت کی صورت میں امام کو بخوف جان یا تقیہ کرنا پڑے گا یا پھر گوشہ نشین ہونا لازمی ہوگا اور ان کا وجود معرض ہلاکت میں ہوگا جیسا کہ اعتقاد امامت رکھنے والے گروہ کے اماموں کے لیے گوشہ نشینی اور ہلاکت کی صورت پیش آئی۔ پس نصب امام کو لطف کہنا اور خدا کے ذمہ واجب قرار دینا خلاف عقل۔

جواب۔ کیسی عجیب بات ہے کہ نصب امام اگر خدا کی طرف سے ہوگا تو باعث فتنہ و فساد ہوگا اور بندوں کی طرف سے ہوگا تو باعث امن و سکون کون سی عقل اس کو باور کرے گی۔ کیا قیامت کی بات ہے کہ خدا بھیجے تو اصلاح خلق کے لیے اور بندے اسے باعث فتنہ و فساد قرار دیں۔ اگر یہی امر پسندیدہ خرد ہے تو انبیا کے لیے بھی اسی کا قایل ہونا چاہیئے فتنے تو جب پیدا ہوتے ہیں جب لوگ منصوص من اللہ ولی امر کو چھوڑ کر ایسے سلاطین کو اپنے اوپر مسلط کرتے ہیں، جو ظالم و جابر ہوتے ہیں اور جن کا محبوب مشغلہ خدا کی نافرمانی ہوتا ہے چونکہ لوگوں کا آیندہ حالات کا علم نہیں ہوتا لہٰذا وہ ایسے حاکم کا انتخاب کر لیتے ہیں جو باعث ہزار فتنہ و فساد ہوتے ہیں۔ معاذ اللہ خدا تو ایسا نہیں جس کا انتخاب غلط ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کے معین کیے ہوئے عہدہ دار کبھی معزول نہیں ہوئے اور بندوں کے بنائے ہوئے ہزار بار معزول ہوئے۔

فتنہ و فساد کی ذمہ داری تو احمق لوگوں پر ہے نہ کہ خدا کے معین کردہ ہادی پر۔ تفاوت نفوس اور اختلاف آرا کی صورت تو ہمارے رسول کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔ اس اعتراض سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ معترض کے عقیدہ میں خدا احوال مخلوق کا علم ہی نہیں رکھتا اور مصالح عباد سے واقف ہی نہیں۔ اگر خدا سے زیادہ بندے اپنے مصالح سے واقف ہیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے متعلق یہ کیوں کہا کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وقی اللہ شرھا فمن عادالیہ فاقتلوہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ انتخاب غلط تھا اسی لیے فتنہ و فساد کا اندیشہ تھا۔

اب رہا یہ امر کہ لوگوں کی مخالفت سے امام کو خطرۂ جان پیدا ہو جاتا ہے اور اس کو گوشہ نشین ہونے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس سے اس کی حقانیت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اگر آنحضرتؐ شعب ابوطالب اور غار میں پوشیدہ رہے تو اس قباحت کیا لازم آئی۔ شیعوں کے عقیدہ میں امام کی حالت بعینہٖ رسول کی سی ہے جس طرح انبیا کا تعین

بندوں سے تعلق نہیں رکھتا اسی طرح امام کے تعین کا تعلق بھی بندوں سے نہیں۔

عقل میں یہ بات آتی نہیں کہ نصب امام اگر خدا کی طرف سے ہو تو باعث صد خرابی اور بندوں کی خواہش سے ہو تو باعث فلاح و بہبود حالانکہ خدا فرماتا ہے کہ اگر امر حق لوگو خواہش کے مطابق ہوتا تو فساد برپا ہو جاتا۔ سمجھ اس فلسفہ سے قاصر ہے۔ امام کا۔ اگر عقول ناقصہ اور خواہشات متناقضہ پر چھوڑ دیا جائے گا تو اس میں نزاعی صورت کیو نہ پیدا ہو گی۔ ایک گروہ اپنی عقل کے مطابق ایک شخص کو منتخب کرے گا اور دوسرا گروہ دوسرے کو۔ تیسرا تیسرے کو تو کیا یہ مستلزم فساد نہ ہو گا۔ چونکہ ایسے انتخابات میں اغراض فاسدہ کو دخل ہوتا ہے لہٰذا ایسے لوگ انتخاب میں آجاتے ہیں جو صاحب صفات ذ۔ ہوتے ہیں اور اُن کی وجہ سے بڑے جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک طرف اہل باطل شور و غوغا کرتے ہیں دوسری طرف اہل حق فریاد کرتے ہیں۔ جب یزید معاویہ اور حجاج متوکل جیسے لوگ خلیفہ بنیں گے تو کون سا فتنہ ہے جو باقی رہ جائے گا۔ حالانکہ اللہ فساد کو دوست نہیں رکھتا۔

اب رہا قوم سے امام کا خائف و ترساں رہنا تو یہ خوف انبیاء کے ساتھ بھی رہا ہے اگر یہ قرآن سے ثابت ہے تو امام کے متعلق کیوں اعتراض ہے۔ یہ حضرات قوم کی جہالت اور متعصبانہ روش سے ڈرتے ہیں امر حق کے اظہار میں ذرا خوف نہیں کرتے۔

شاہ صاحب نے تحفہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب معین شدہ امام سے لوگ مخالفت کریں گے اور اس کی بات نہ مانیں گے تو لامحالہ اس کا تعطل لازم آئے گا۔

لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ خدا نے بہت سے انبیاء کو مبعوث کیا اور وہ مدتوں ظالموں کے ظلم سہتے رہے بلکہ قتل بھی ہوئے اور اُن کی بعثت نے اُن کی اُمتوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا بلکہ ان کے دوزخی بن جانے کا سبب ہوا پس عقیدہ اہلسنت کے نزدیک

خدا سے معاذ اللہ غلطی ہوئی چاہیے تھا کہ ایسے انبیا کو نہ بھیجتا تاکہ ان کا معطل ہونا لازم نہ آتا اور بے جرم و قصور ہلاکت میں نہ پڑتے۔ اگر یہی بات ہوتی تو خدا اور رسول اپنے اولیا کو کیوں معین کرتے اور اگر کیا ہے تو ان کا تعطل کیوں فرض کیا جائے۔

کیا ثبوت ہے اس بات کا کہ بندوں نے جو امام بنائے ان کے عہد میں فتنہ و فساد نہ ہوا اور ان کا تعطل لازم نہ آیا۔ ہمارے رسول خود کفار و مشرکین سے برسوں خائف رہے ہیں اور مخفی بیعت لیتے رہے اور افشائے راز سے صحابہ کو منع فرماتے رہے۔ بہت سے صحابہ کو زدوکوب بھی کیا گیا یہی خوف تو تھا جس کی وجہ سے ہجرت حبشہ ہوئی یہی خوف تھا جس کی وجہ سے ہجرت مدینہ ہوئی۔

ہمارے ائمہ جو منصوب من اللہ تھے کیا دلیل ہے اس بات پر کہ ان کی وجہ سے مفاسد پھیلے اور اگر ہوئے تو وہ سرکشان امت کی طرف سے تھے نہ کہ ائمہ کی طرف سے نہ کہ اللہ کی طرف سے اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک آقا کے دو غلام ہیں ایک کو اس نے حکم دیا کہ مٹی لائے اور دوسرے سے کہا کہ کوزہ بنائے۔ ایک غلام مٹی لے آیا مگر دوسرے نے کوزہ نہ بنایا تو اس میں مٹی نہ لانے والے کا کیا قصور کیا یہ کہا جائے گا کہ مٹی لانا عبث ہوا یہ مٹی لانا اس وقت صحیح سمجھا جاتا جب کوزہ بن جاتا۔

مختصر یہ ہے کہ بعثت انبیا اور تکلیف عباد عین تفضل خدا ہے اور سبب اصلاح احوال خلق خواہ لوگ اس سے منتفع ہوں یا نہوں پھر وہ منتفع اپنے سوء اختیار سے نہوں یا کسی اور وجہ سے پس یہی حال امامت کا ہے قوت اور قہر و غلبہ سے کسی کو امام بنا لینا وجوب نصب امام کو خدا سے ساقط نہیں کرتا۔ اگر خدا تعین امام نہ کرے تو پھر امر واجب کے ترک میں خدا اور بندوں کے درمیان کوئی فرق نہوگا۔

شاہ صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ وجود امام بشرط نصرت و تصرف لطف ہے ورنہ در صورت

امام کو قوت حاصل نہ ہونے کے مفاسد کثیرہ لازم آئیں گے۔ لیکن شاہ صاحب نے ان مفاسد کا اثبات نہیں کیا۔ لطف ایک فعل ہے جو بسبب اطاعت بندگاں حصول تقرب کا سبب ہوتا ہے اور یہ تقرب کا سبب لطف ایزدی قرار پاتا ہے بغیر اس کے کہ بندے اپنے فعل میں مجبور ہوں پس نصرت اور تصرف اس کے لیے ضروری نہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں اگر انبیا ایسے صاحب قوت ہوتے کہ ان پر ظلم نہ کیا جا سکتا یا ایسے بادشاہ ہوتے کہ لوگوں کے سر ان کے قدموں پر جھکتے تو ان کی وقعت نگاہ خلق میں کم ہو جاتی اور لوگ بجائے سچے دل سے ایمان لانے کے خوف سے ایمان لاتے اور لالچ سے ان کی طرف مائل ہوتے۔ خدا نے چاہا کہ لوگ اس کی تصدیق سچے دل سے کریں۔ بہت سے انبیاء ایسے ہوئے ہیں کہ مظفر و منصور نہیں رہے تو ان کی بعثت شاہ صاحب کے نزدیک لطف ایزدی سے خالی اور مشتمل بر مفاسد ہوگی۔

امام رازی کا اعتراض۔ اگر نصب امام لطف ہے تو نصب کرنا قاضیوں اور ائمہ کے نائبوں کا تقرر بھی خدا کی ہی طرف سے ہو اور یہ بھی معصوم ہوں اور یہ لطف بھی خدا پر واجب ہونا چاہیے حالانکہ شیعہ اس کے قائل نہیں۔

جواب۔ لطف کا لفظ جس معنی میں ائمہ اہلبیت صحابہ ائمہ اور متکلمین امامیہ نے استعمال کیا ہے وہ ایک اصطلاح خاص ہے جس کا اطلاق معصوم ہستیوں پر ہوتا ہے۔ البتہ لطف عام میں ہر وہ ذات داخل ہے جس سے دوسرے متنفع ہوں۔

کلام جناب امیر علیہ السلام۔ حضرت کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ باری تعالے کے متعلق چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔ آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا جب خدا اپنی مخلوق کو عدم سے وجود میں لایا تو اس کی مشیت کا اقتضا یہ ہوا کہ اس کے بندے صاحب آداب رفیعہ اور اخلاق شریفہ ہوں اور اس کے علم میں تھا کہ یہ بات اس وقت تک نہیں

ہو سکتی جب تک وہ مفید بات سے واقف نہوں اور مضر سے آگاہ اور یہ بات نہیں حاصل ہوگی مگر امر و نہی سے اور دونوں موثر نہ ہوں گے مگر وعد و وعید سے اور یہ نہوگا مگر ترغیب و ترہیب سے اور یہ کام نہیں سپرد ہوگا مگر اس کی معین کردہ ہستیوں کے پس اگر یہ سب لطف نہیں تو اور کیا ہے۔

عصمت لطف ہے اور لطف خدا پر واجب پس معترض کے خیال کے مطابق عصمت لطف خدا ہے اور لطف عام ہے تو ہر ایک کو چاہیے کہ خدا معصوم بنا دے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اور نبوت کے بارے میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بعثت انبیا ہر قوم اور ہر زمانہ میں خدا پر لازم ہے لہٰذا اس نے ایسا کیوں نہیں کیا۔

امام رازی کا یہ بیان ہم لکھ آئے ہیں کہ بعثت رسول کی طرف احتیاج خلق ہے۔ آنحضرتؐ کا زمانہ فترت میں مبعوث ہونا اس وجہ سے ہے کہ شریعتوں میں تحریف ہو گئی تھی اور حق و باطل مخلوط ہو گئے تھے اور مخلوق کو یہ عذر پیدا ہو رہا تھا کہ بغیر ہادی ہم ہدایت کیسے پاتے۔

رازی کے اس بیان سے واضح ہوا کہ بعثت انبیا واجب ہے۔ یہ بیان فاضل دہلوی کی اس تحریر کے خلاف ہے۔

اگر تکلیف واجب ہوتی تو ہر شہر اور گاؤں میں رسول بھیجے جاتے اور زمان فترت واقع نہ ہوتا۔ عقل بالاجمال ہدایت کے لیے کافی ہے۔

لیکن ایسا نہیں۔ یعنی تکلیف کے لیے عقل بالاجمال کافی نہیں اور رسول کی بعثت ضروری ہے حالانکہ بہت سے شہروں میں رسول نہیں پہنچے۔ خدا پر واجب یہ ہے کہ حسب مصلحت اپنی حجتوں کو زمین پر بھیجے بندوں کا فرض ہے کہ اس تک پہنچیں۔ حجتِ خدا کا یہ فرض نہیں کہ وہ قریہ قریہ اور شہر شہر یہ کہتا پھرے کہ میں نبی ہوں مجھ سے ہدایت حاصل کرو یہ تو

ایک نبی کے لیے تکلیف مالایطاق ہے۔

فاضل دہلوی یہ بھی فرماتے ہیں۔

بعد وفات نبی ایسا امام ہونا چاہیے جو غالب ہو خائف نہو۔ آیات و معجزات سے اس کی تائید ہو تاکہ وہ بے دھڑک تبلیغ احکام کرے اور مکلفین کو احکام شرع سے غافل نہ رہنے دے نہ کہ ایسا شخص جو احکام شرعیہ کے اجرا پر قدرت ہی نہ رکھتا ہو۔ اور کفار و ظالمین کے خوف سے تقیہ میں گزر کرے۔"

جواب۔ امر امامت میں لوگوں نے عقل صحیح سے کم سوچا ہے اور تعصب سے زیادہ م لیا ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ لطف و تکلیف اور بندوں کے عذر کا قطع کرنا خدا پر واجب ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر قسم کا لطف ہر شخص کے لحاظ سے واجب ہوگا اور نہ ایسا ہے کہ ہر شے کی تکلیف بنی آدم میں سے ہر ایک کے لیے لازم ہو ورنہ اگر لطف اتنا عام ہو تو ملائکہ کی طرح تمام انسانوں کا معصوم ہونا لازم آئے گا اور اگر ہر حکم کی تکلیف ہر کے لحاظ سے لازم ہوتی تو اہل فترت اور پہاڑوں کی چوٹیوں اور بلاد بعیدہ میں رہنے والے احکام سمعیہ میں بھی معذور نہ ہوتے۔ پس لطف ممکن ہر ایک کے لیے مشروط بالشرائط ہے اگر وہ شرائط نہ پائے جائیں تو لطف لطف ہی نہ رہے گا۔ شیعوں کی غرض باری تعالیٰ پر وجوب لطف کی یہ ہے کہ جب شرائط جمع ہوں اور موانع کا ارتفاع ہو۔

اقسام لطف۔ لطف کی دو قسمیں ہیں۔ لطف خاص اور لطف عام۔ خاص کی نسبت لطف عام تقلیل الموانع و الشرائط ہوتا ہے اور اس کے مصالح زیادہ واضح ہوتے ہیں۔ امامت ایک لطف عام ہے اور اس میں موانع کا انتفا ہے۔

محقق طوسی علیہ الرحمہ تجرید میں فرماتے ہیں امام لطف ہے اس کا نصب کرنا خدا

واجب ہے۔ امام وجودِ لطف ہے بدونِ مفاسد۔ اس کا تصرّف بھی لطف ہے خواہ امام بظاہر صاحب تصرّف ہو یا نہو۔

حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ زمین حجتِ خدا سے خالی نہ رہے گی خواہ وہ ظاہر ہو یا مستور خائف ہو یا مطمئن تاکہ حجج اللہ باطل نہوں اس کا ظاہری تصرف خدا کا دوسرا لطف ہے اور اس کا تعطل اور عدم تصرّف یہ بندوں کے سوء اختیار سے ہوگا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ وجوب لطف ارتفاع موانع کے بعد ہوگا۔

بعنوان دیگر یوں سمجھئے کہ مبدء فیاض نے مختلف قسم کی مخلوق پیدا کی اور ہر نوع کی لیاقت کے لحاظ سے اپنے فیوض کو جاری کیا ہے پس نوع ملائکہ قوائے شہوانی نہ رکھنے کی وجہ سے صلاحیت عصمت رکھتی ہے۔ رہی نوع انسانی جو امتزاجِ عناصر وارکان اور قوائے جسمانی کے معارضات سے مختلف الحقیقت ہیں تو خدا نے ان کی اہلیت اور قابلیت کے لحاظ سے ان کو اپنے لطف وکرم سے سرفراز فرمایا ہے جو لائق عصمت تھا اسے معصوم بنایا اور جو اس قابل نہ تھا اسے اس لطف محروم رکھا۔ لطف عصمت کے بذل کے لیے منجملہ اور شرائط کے ایک شرط اجتبا اصطفا ہے اور یہ نوع انسانی کی ہر فرد کو میسر نہیں اور اس بذل کے موانع میں سے ایک مانع عدم قابلیت ہے صفت عصمت پانے میں پس جس طرح منصب نبوت پانے کے لیے اصطفا واجتبا درکار ہے اسی طرح عصمت امامت کے لیے بھی ہے۔

دوسری شرط بذل لطف یہ ہے کہ حدّ الجاء واضطرار تک نہ پہنچے اور منافی اختبار وامتحان نہو اور خدا کا لطف قہری اور جبری ہوتا تو سب معصوم ہی ہوتے لیکن مطیع و

عاصی کے لیے امتحان ضروری ہے۔

تیسرے یہ بھی شرط ہے کہ مخل انتظام عالم نہ ہو۔

چوتھے یہ کہ مشتمل بر مفاسد ایک کی نسبت دوسرے سے نہو۔

پانچویں حق تعالیٰ جانتا ہے کہ لطف مقرب کسی جماعت کے حق میں نافع ہے یا مضر۔

پس جہاں لطف بظاہر حال متحقق نہیں ہوتا وہاں کوئی شرط مذکورہ بالاشرائط میں سے ضرور مفقود ہوگی۔ لہٰذا لطف سے ہماری مراد یہ ہے کہ ان موانع سے خارج ہو اور یہ ضروری نہیں کہ جو بادی النظر میں لطف ہو وہ درحقیقت بھی لطف ہو اور اس کا فعل کرم الٰہی پر واجب ہو۔ پس امام رازی نے قاضیوں اور امام کے نائبوں کے لیے جس کو لطف سمجھا ہے وہ خدا کے نزدیک بعض شرائط کے فقدان سے لطف نہیں اکثر ظاہری نظر میں ایک امر مستحسن معلوم ہوتا ہے لیکن نفس الامر میں اس کے خلاف ہوتا ہے۔

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ ان کی اصلاح فقر ہی میں ہے اگر میں ان کو غنی کر دوں تو یہ ان کے لیے مضر ہوگا۔ بعض ایسے ہیں کہ ان کے لیے صحت اچھی ہے اگر ان کو مریض کر دوں تو باعث فساد ہوگا اور جن کو مرض مفید ہے ان کے حق میں صحت مفید نہو گی۔ بعض میرے بندے طہارت اور قیام لیل میں جد و جہد کرتے ہیں میں ان پر نیند کو مسلط کر دیتا ہوں یہاں تک کہ وہ صبح تک سوتا ہے۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو عبادت ان میں غرور پیدا کر دیتی اس معاملہ میں خدا پر تحکم نہیں کیا جاسکتا مالداری میں اطاعت سے غفلت کا اندیشہ ہے۔ پس خدا کے نزدیک بندوں کے لیے جو اصلح ہوتا ہے وہی کرتا ہے

وہ اپنے بندوں کی تمام حالتوں پر نظر کرکے کوئی لطف کرتا ہے جس کا بنظر ظاہر لطف قرار پانا ضروری نہیں۔

اگر خدا نصب امام نہ کرے تو ترک عدل کی طرح لائق ذم قرار پائے گا اگر امام مہم رازی اوہام و وساوس کو دخل دیا جائے تو کوئی معاملہ بھی اندیشۂ مفاسد سے خالی نہ ہوگا۔

امام بہ نیابت رسول دین و دنیا میں صاحب اختیار اور اولیٰ بالتصرف ہوتا ہے نہ کہ رفع نزاع خلق بدوں ایک رئیس کے ممکن نہیں جیسا کہ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

جب خدا نے اپنے بندوں کو چند باتوں کی تکلیف دی اور حکم دیا کہ اس سے آگے نہ بڑھیں ورنہ باعثِ فساد ہوگا پس اس صورت میں ضروری ہوا کہ ان کے لیے ایک امین مقرر کرے جو ان کو ظلم کرنے سے روکے اور محارم پر عمل کرنے سے باز رکھے لہٰذا خدا نے امام کو معین کیا کہ ان کے معاملات میں انصاف کرے اور غنایم و صدقات کو حسب استحقاق صرف کرے۔ جمعہ اور جماعت کو قایم کرے۔ پس اگر امام امت کے درمیان نہ ہوگا تو آثارِ ملت مندرس ہو جائیں گے احکام دین میں تغیر و تبدل کو راہ ملجائے گی اور اہل بدعت کمی و بیشی کرنے لگیں گے اور مسلمانوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہوں گے چونکہ انسانی طبایع میں اختلاف بہت ہے لہٰذا ہر شخص اپنے خیال سے جو چاہے گا کرے گا۔

صحیح مسلم میں ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جبریل نازل ہوئے اور کہا خدا فرماتا ہے میں نے ہرگز زمین کو نہیں چھوڑا مگر یہ کہ اس میں عالم و امام ہو جو لوگوں کو میری معرفت لائے اور ہدایت کرے البتہ ہر قوم کے لیے ہدایت کرنے والا ہے تاکہ لوگوں پر حجت تمام ہو۔"

اس کو امام کے تقرر میں کوئی دخل نہیں عام لوگوں کا کیا ذکر نبی کا انتخاب بھی غلط ہو جاتا ہے جیسے کہ موسیٰ نے کوہ طور پر لے جانے کے لیے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا مگر وہ صحیح ثابت نہ ہوا طور پر جا کر وہ کہنے لگے لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (سورہ البقرہ ۲/۵۵) (ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ اللہ کو کھلم کھلا نہ دکھا دیں گے پس جب ایک نبی کا انتخاب صحیح نہ ہوا تو غیر معصوم لوگوں کے انتخاب کا تو ذکر ہی کیا۔

ضرورت امام پر اور اس کے منصوص من اللہ ہونے پر روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم شرائط امامت بیان کرتے ہیں۔

شرائط امامت

شرط اوّل ۔ امام علم میں تمام امت سے افضل ہونا چاہیئے کیونکہ مفضول کی ترجیح فاضل پر خلاف عقل ہے۔

محدث دہلوی شاہ صاحب اس عقلی فیصلے سے متفق نہیں وہ کہتے ہیں یہ لازم نہیں کہ جو عند اللہ افضل ہو وہ تمام اہل عصر سے افضل ہو۔ طالوت کو خدا نے بنص خود خلیفہ بنایا حالانکہ حضرت شموئیل اور حضرت داؤد موجود تھے اور بلاشبہ وہ طالوت سے افضل تھے اگر رئیس کے نصب کا تعلق اہل حل وعقد سے ہوگا تو وہ ایسے شخص کو انتخاب کریں گے جو ریاست وسرداری میں افضل ہو نہ کہ دیگر امور میں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ولی کامل اور عالم متبحر اور سدید نجیب الطرفین امور سرداری کے انجام دینے سے قاصر رہتا ہے۔

جواب ۔ یہ عجیب بات ہے کہ علمائے سواد اعظم مسئلہ امامت میں متضاد خیال رکھتے ہیں چنانچہ شارح مواقف اور اس کے مصنف دونوں شاہ صاحب کے ہمخیال نہیں

وہ کہتے ہیں امامت ریاست عامہ ہے امور دین و دنیا میں جو اشخاص میں سے کسی ایک شخص سے متعلق ہو۔ وہ خلافت رسول ہے اقامت دین اور حفاظت حوزۂ ملت میں اس حیثیت سے کہ اس کا اتباع واجب ہے کافۂ امت پر۔

سوچنا چاہیے کہ ریاست دینی اور دینوی من جمیع الوجوہ اسی کے لیے زیبا ہوگی جو حاوی کمالات ہو پس ایسی صورت میں کسی مفضول کی تفضیل لغو اور فضول ہوگی کیونکہ امام کے لیے لازم ہے کہ وہ مطلقاً افضل ہو نہ یہ کہ ایک وجہ سے فاضل ہو اور دوسری وجہ سے مفضول ایسی فضیلت امامت کے لیے معتبر نہیں خصوصاً علم میں اگر کوئی ریاست و سرداری کے معاملہ میں تو چاق و چوبند ہو لیکن علم میں اوروں سے پست ہو تو اس کی امامت نص قرآنی کے خلاف ہوگی خدا فرماتا ہے اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (سورہ یونس ۱۰/۳۵) (جو شخص حق کی طرف ہدایت کرتا ہے وہ لوگوں کے پیروی کرنے کا زیادہ سزاوار ہے یا وہ شخص جو خود ہدایت نہیں پا سکتا تاوقتیکہ اس کو ہدایت نہ کی جائے پس تمہیں کیا ہو گیا کہ بے سمجھے کیسا حکم کرتے ہو۔

دوسری آیت میں فرماتا ہے۔ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورہ الزمر ۳۹/۹) علم والے اور بے علم والے کیا برابر ہیں۔ بیضاوی نے تحت آیہ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ (سورہ البقرہ ۲/۳۳) لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے اس کی کہ آدم ملائکہ سے افضل ہیں اور ان سے زیادہ علم والے ہیں موافق اس آیت کے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورہ الزمر ۳۹/۹)

علامہ مجلسی حق الیقین میں فرماتے ہیں کہ خدا نے آدم کو اسما کی تعلیم دی اور اسی سے ملائکہ پر حجت تمام کی کہ آدم چونکہ ملائکہ سے زیادہ علم والے تھے لہٰذا ان کو افضل قرار دیا گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے اعلم ہونا سبب استحقاق خلافت ہے۔ بعثت نبی اور نصب امام کی غرض اوّل تبلیغ و تبیّن و حفظ احکام دین ہے پس اگر امام احکام شرع سے نابلد ہوگا تو ضرورت کے وقت لوگ کس کی طرف رجوع کریں گے اور وہ کیونکر سزاوار ریاست عامہ دینیہ کا ہوگا۔

رہا شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ یہ ضروری نہیں کہ جو عند اللہ افضل ہو وہ تمام اہل عصر سے بھی افضل ہو اور مثال میں طالوت کو پیش کیا ہے تو جواب یہ ہے کہ قرآن سے تو طالوت کا خلیفہ یا امام ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ بنی اسرائیل نے تو اپنے نبی سے یہ کہا تھا ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (سورہ البقرہ ۲/۲۴۶) اور نبی نے بھی یہی بتایا وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا (سورہ البقرہ ۲/۲۴۷) پس طالوت ملک یا امیر لشکر تھا خلیفہ نہیں تھا پس امیر لشکر کو اگرچہ بوحی الٰہی تجویز ہوا ہو خلیفہ نہیں کہہ سکتے۔ کجا خلیفہ کجا امام۔ کہاں دین و دنیا کی ریاست اور کہاں ایک لشکر کی حکومت۔

نیز یہ کہ حدیث اہلسنت الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ ثم ملک عضوض اس کا ثبوت ہے کہ خلافت اور بادشاہت دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ شاہ صاحب نے تحفہ میں خود اقرار کیا ہے کہ امامت کا لفظ کبھی بادشاہی اور ریاست پر بھی بولا جاتا ہے کیونکہ بادشاہ چاہے کتنا ہی بدسیرت کیوں نہ ہو لیکن چونکہ وہ بعض امور دین میں جیسے جہاد، تقسیم غنایم اور اقامت جمعہ اور عید میں پیشوائی رکھتا ہے لہٰذا اطلاق لفظ امام درست ہوگا اور جب تمام امور دین میں پیشوائی ہو تو یہ خلافت حقہ ہے جو منحصر ہے پانچ شخصوں میں (چار خلفا اور امام حسن) اور روئے زمین پر تصرف باوصف استحقاق اور غلبہ اور شوکت کو بھی اہلسنت نے شرط سمجھا ہے۔

پس جب یہ صورت ہے تو پھر طالوت بنص قرآنی بادشاہ ہوگا نہ کہ خلیفہ خصوصاً جبکہ

تمام امور دُنیا و دین میں اس کی پیشوائی حاصل نہ تھی بلکہ امورِ شریعت شموئیل یا کسی اور نبی سے متعلق تھے طالوت کی حیثیت صرف امیر لشکر کی تھی نہ محافظ شریعت کی۔ یہ صورت ایسی ہی تھی جیسے پیغمبر آخر الزماں امارت لشکر کا منصب خالد بن ولید اور عمرو عاص جیسے لوگوں کو دیدیتے تھے۔

بنی اسرائیل کے زمانہ میں نبوت ایک خاندان میں رہتی تھی اور امارت و سلطنت دوسرے خاندان میں اسی لیے بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے یہ خواہش کی کہ ایک بادشاہ ان پر معین ہو۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ خدا کے بادشاہ بنانے سے استخلاف بھی فی المعنی ہو جاتا ہے اور طالوت بادشاہ اور خلیفہ دونو تھا۔ کسی کا مالک زمین ہو جانا اور سلطنت کا پالینا خلافت حقہ نہیں کیونکہ بہت سے ظالم و جابر اور فرعون بادشاہ ہوئے ہیں خدا جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے نکال لیتا ہے۔ خلیفہ کبھی معزول نہیں ہوتا بادشاہ اور خلیفہ میں یہی فرق ہے۔

طالوت کے لیے لفظ اصطفا سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے کیونکہ یہ اصطفائے مملکت ہے نہ اصطفائے خلافت کیونکہ امر دین کی ہدایت کا تعلق طالوت سے نہ تھا۔

بنی اسرائیل کی اس رسم سے نبوت اور سلطنت ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتیں مولوی شبلی صاحب نے بھی نبوت آنحضرتؐ کو حکومت سے جدا کیا ہے اور آنحضرتؐ کے مرنے کے بعد کہنے والوں نے کہا کہ نبوت و خلافت یعنی حکومت بخیال ان کے ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتیں لیکن یہ خیال غلط ہے بنی اسرائیل میں نبوت اور حکومت ایک گھر میں بلکہ ایک ذات میں بار بار جمع ہوئیں۔ یوسف علیہ السلام نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ داؤد علیہ السلام نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی پھر ان ہی کے بیٹے جناب سلیمان نبی بھی ہوئے اور بادشاہ بھی۔ ممکن ہے کہ بنی اسرائیل نے بطور خود اسی طرح یہ تفرقہ کی رسم اپنے یہاں جاری کر لی ہو جس طرح آنحضرت ختمی مرتبت کے بعد آپ کے صحابہ نے یہ طریقہ جاری کیا اور اس طرح حضور کی یہ پیشگوئی پوری

ہوئی کہ جو کچھ امم سابقہ میں ہو چکا ہے وہ میری امت میں حذو النعل بالنعل ضرور ہوگا۔

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ داؤد کا نبی ہو کر طالوت کی ماتحتی میں ہونا اس کی دلیل ہے کہ طالوت داؤد سے افضل تھا کیونکہ یہ تسلیم نہیں کہ داؤد طالوت کی رعایا میں سے تھے۔ اگر رعایا ہونا تسلیم کر لیا جائے تو پھر نبوت کی ریاست عامہ باقی نہیں رہتی پھر خلافت جو اس کی فرع ہے اس کے لیے کیونکر باقی رہے گی حالانکہ یہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ امامت ریاست عامہ ہے۔

جناب داؤد موافق وحی جالوت کی جنگ پر مامور ہوئے تھے نہ کہ بحکم طالوت زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ شموئیل نبی کے تحت میں داؤد اور طالوت کام کر رہے تھے۔ قمی علیہ الرحمہ نے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا کہ خدا نے وحی کی پیغمبر بنی اسرائیل کی طرف کہ جالوت کو وہ شخص قتل کرے گا جس کے قد پر موسیٰ کی زرہ ٹھیک ہوگی اور وہ شخص اولاد لاوی بن یعقوب سے ہوگا جس کا نام داؤد ہوگا۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ داؤد اپنے باپ کے ساتویں لڑکے تھے اور کم سن تھے۔ بکریاں چراتے تھے۔ خدا نے پیغمبر کو وحی کی کہ داؤد ہی جالوت کو قتل کرے گا۔ پس ان کی تلاش کی تو راستہ میں ان کو دیکھا کہ ایک توبڑے میں تین پتھر لیے ہوئے ہیں۔ نبی نے کہا کہ وحی سے معلوم ہوا کہ تم جالوت کو قتل کرو گے پس داؤد گئے اور گوپھن میں رکھ کر ایک پتھر جالوت کے کھینچ مارا جس کی ضرب سے وہ مر گیا۔ طالوت نے اپنی لڑکی کی شادی داؤد سے کر دی۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ داؤد طالوت کے ماتحت نہ تھے۔

رہا شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ بہت سے ولی کامل اور عالم تبحر امور سلطنت سے ماہر نہیں ہوتے تو ہمارے عقیدہ میں خلیفہ برحق وہ ہے جو من جمیع الوجوہ کامل ہو اور حافظ دین اور حامیٔ شرع متین اور مثل رسول امین ہو وہ مستحق ریاست دین و دنیا ہو۔ اور کسی فضیلت میں امت سے کم نہ ہو اگر ولی کامل سے شاہ صاحب کی مراد یہ ہے کہ وہ مراتب طاعت و عبادت میں کامل

ہو اور امورِ ریاست و سیاست میں ناقص ہو تو ایسا شخص حاوی شرائط امامت نہ ہوگا۔

اگر ولی سے مراد یہ ہے کہ وہ مراتب دین اور مدارج دنیا دونوں میں کامل ہو تو اس کی فضیلت غیر پر کسی طرح جائز نہ ہوگی اگر مراد افضلیت و ریاست و سیاست دنیوی ہے یہ ہے کہ موافق شرع ہو تو یہ عین دین ہے۔ ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ ولی کامل ان کمالات سے عاری ہوگا۔ اور اگر مراد ریاست جابرانہ ہے تو یہ معتبر نہیں امام اگرچہ وہ سب طریقے جانتا ہے مگر ان کو واجب الترک سمجھتا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ معاویہ مجھ سے زیادہ چالاک نہیں وہ عذر سے کراہت نہیں کرتا میں سب سے زیادہ چالاک ہوتا لیکن میں جانتا ہوں کہ ہر عذر اور فجرہ کفر ہے اور روز قیامت ہر غدار کا ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔

عہد امیر المومنین میں جو فتنہ و فساد ہوئے وہ امیر المومنین کی طرف سے نہیں تھے بلکہ وہ اہل باطل سے تھے جنہوں نے امر حق کی ہر موقع پر مخالفت کی۔

شرط دوم امامت ۔ عصمت ہے۔ امام اعلم و افضل اور جامع علم و عمل ہونے کے علاوہ۔ محفوظ و مصئون خطا و عمل سے ہو۔ علمائے امامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ پیغمبر کی طرح امام بھی محفوظ عن الخطا ہوتا ہے اول عمر سے آخر عمر تک نہ گناہ صغیرہ اس سے صادر ہوتا ہے نہ کبیرہ۔ آیات و احادیث اس پر دال ہیں۔

دلیل اوّل۔ جو امام احکام الٰہی میں خیانت کرے گا وہ قابل امامت نہیں ہوگا حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

(سورہ البقرہ ۲/۴۴) (کیا تم اور لوگوں کو نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھلائے دیتے

ہو درانحالیکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تم عقل نہیں رکھتے)

دلیل دوم۔ خدا نے اپنے خلیل سے فرمایا اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (سورہ البقرہ ۲/۱۲۴) امام فخر رازی نے کہا ہے کہ یہ آیت دلیل ہے عصمت خلیل پر کیونکہ امام وہ ہے جس کی اقتدا کی جائے پس اگر اس سے گناہ صادر ہو تو ہم پر اس کی اقتدا جائز نہ ہوگی اور امامت کا اقتضا یہ ہے کہ امام صاحب اطاعت مطلقہ ہو۔

دلیل سوم۔ حضرت ابراہیم نے جب اپنی ذریت کے لیے خواہش امامت کی تو خدا نے فرمایا لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ (سورہ البقرہ ۲/۱۲۴) اس سے معلوم ہوا کہ اپنی عمر میں کسی وقت بھی ظلم کرنے والا عہدہ امامت کو نہ پا سکے گا۔

اگر کوئی شخص پہلے کافر ہو اور پھر اسلام لے آئے تو بھی عہدہ امامت اس کو نہ ملے گا کیونکہ وہ ساقط الاعتبار ہے جس کی عقل ایک بار شیطانی فریب میں آسکتی ہے وہ دوبارہ بھی آسکتی ہے۔ دوسرے اسلام لانے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ شرک کا اثر اس کے اندر پایا جاسکتا ہے گو چیونٹی کی چال کی طرح خفیف ہی ہو۔

دلیل چہارم۔ نصب امام کا اصلی فائدہ حفاظت ناموس شریعت ہے پس جو خود مرتکب گناہ ہو وہ شریعت کی حفاظت کیونکر کرسکتا ہے۔

دلیل پنجم اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (سورہ النساء ۴/۵۹) فرقہ امامیہ کے نزدیک اولی الامر سے مراد ائمہ معصومین علیہ السلام ہیں اور آیت ان کی عصمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق ان کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے اور یہ ثابت نہیں سوائے ائمہ اہلبیت اور کسی کے لیے کہ وہ مثل رسول محفوظ عن الخطا ہوں۔

تفسیر صافی اور عیاشی میں حضرت صادق آل محمد سے مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ آیت نازل ہوئی ہے شان میں حضرت علیؑ اور حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے۔

اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ آیت حضرت علی وغیرہ کی شان میں ہے تو خدا نے ان کے نام ذکر کیوں نہیں کیے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب یہ اعتراض بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا قرآن میں نماز کا ذکر ہے لیکن آیات کی تصریح نہیں اس کی تصریح حضرت رسول خداؐ نے فرمائی ہے۔ زکوٰۃ کا ذکر ہے لیکن نصاب نہیں بتایا یہ بھی حضرت رسول خداؐ نے بتایا حج کا ذکر ہے اس کے مناسک نہیں سمجھائے۔ اسی طرح آیہ اولی الامر نازل ہوئی تو حضرت نے فرمایا یہ علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور غدیر خم کے موقع پر اس کی مزید توضیح مَن کنتُ مولاہ فعلی" مولاہ سے فرمادی۔

امام مہم رازی کا بیان۔ رازی نے اس آیت کو صحت اجماع کی دلیل قرار دیا ہے اور اولی الامر سے ارباب حل وعقد مراد لیے ہیں۔ صورت استدلال یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے اطاعت اولی الامر کا بر سبیل جزم وقطع۔ پس ناگزیر ہے کہ اولی الامر سے ایسا شخص مراد ہو جو معصوم عن الخطا ہو ورنہ اقدام علی الخطا پر بھی اطاعت اس کی واجب ہو جائے گی اور یہ امر قبیح ہے کہ خدا امر خطا میں متابعت کا حکم دے پس ثابت ہوا کہ اولی الامر واجب الاطاعہ ہیں اور جو واجب الاتباع ہو اس کا معصوم ہونا لازم لہٰذا ضروری ہے کہ اس آیت میں اولی الامر سے مُراد معصومین ہیں۔ اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ مُراد معصوم سے مجموع امت ہے یا بعض امت۔ بعض امت مراد ہونا تو جائز نہیں کیونکہ وجوب اطاعت متحقق نہیں ہوتا مگر بعد معرفت مطاع اور اس تک پہنچنے اور فائدہ حاصل کرنے کا امکان ہو۔ اور جب یہ صورت ہے تو لامحالہ ارباب حل وعقد ہی مُراد ہوں گے۔"

یہ عجیب تفسیر ہے عصمت تسلیم کیے بغیر جب چارۂ کار نظر نہ آیا تو یہ سمجھتے ہوئے کہ اس اعتراف کے بعد امامت خلفا کا بطلان لازم آتا ہے تو معصوم سے مُراد اجماع لے لی۔ اس

کی رکاکت صاحبان عقل وفہم کے نزدیک ظاہر ہے۔ جو تفسیر رازی صاحب نے اجماع کی بیان کی اس پر علمائے اہلسنت کا اجماع ہی نہیں کیونکہ اولی الامر سے مراد کسی نے خلفائے راشدین لی ہے کسی نے امرائے سرایا۔ کسی نے علماء۔ چونکہ مخالفت اجماع باطل ہے لہٰذا امام رازی کی تفسیر غلط عصمت تسلیم کر لینے کے بعد ارباب حل وعقد میں عصمت کا اثبات کیونکر کیا جائے گا جبکہ نہ خلفا معصوم ہیں نہ امرا اور نہ علما۔ غیر معصوم کا مجمع تو غیر معصوم ہی رہے گا۔ کیسے ممکن ہے کہ دس جاہل اگر الگ الگ رہیں تو جاہل اور اگر کسی جگہ سر جوڑ کر بیٹھ جائیں تو ان کا مجمع اہل علم کا مجمع بن جائے گا یا دس اندھے جمع ہو کر سیانے بن جائیں گے اگر یہ معصوم ہوتے تو ان میں سے ہر ایک کا قول حجت ہوتا اور درصورت غیر معصوم ہونے کے ان کے کسی فیصلہ میں عصمت پیدا نہیں ہو سکتی۔ بارہا ان کا اجماع غلط رائے پر پایا گیا ہے۔ جمل وصفین کے معرکوں میں ارباب حل وعقد دونو طرف تھے اور دونو گروہوں میں ایک گروہ ضرور غلطی پر ماننا پڑے گا۔

جب یہ صورت عند العقل باطل ہے تو لامحالہ اولی الامر سے مراد بعض امت ہوگی اور وہ نہیں ہو سکتے مگر آئمہ معصومین اب رہا یہ کہنا کہ اطاعت موقوف ہے معرفت پر، رسائی پر اور امکان استفادہ پر تو یہ وقت کیا ارباب حل وعقد کی معرفت وغیرہ میں پیش نہیں آسکتی۔ اگر ارباب حل وعقد سے مراد کسی خاص زمانہ کے لوگ ہوں گے تو مابعد زمانہ والوں کو ان کی معرفت کیسے ہوگی اور ان سے فائدہ حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہوگا اور اگر ہر زمانہ کے ارباب حل وعقد مراد ہوں گے تو امت کے ہر فرد کو ان تک پہنچنے کی کیا صورت ہوگی جبکہ وہ مختلف شہروں میں ہوں اور اگر ایک شہر میں بھی ہوں تو بلاد بعیدہ کے لوگوں کی رسائی ان تک کیسے ہوگی۔ پھر وہ کسی حکم کو جمع ہو کر بتائیں گے تو ہر وقت یہ صورت کیسے ممکن ہوگی اور اگر ہر فرد ان میں سے علیحدہ حکم دینے کا مجاز ہوگا تو یہ یقین کیونکر حاصل

ہوگا کہ یہ فیصلہ ایک جماعت کا ہے درانحالیکہ ان میں سے ہر ایک غیر معصوم ہے۔ جو وقت امام کی معرفت اور استفادہ کے متعلق بیان کی جاتی ہے وہی رسول کے متعلق بھی ہو سکتی ہے۔

اعتراض۔ شیعوں کے نزدیک ہر زمانہ میں صرف ایک امام ہوتا ہے اور اولی الامر صیغۂ جمع ہے۔ پس جمع کا حمل مفرد پر خلاف ظاہر ہے۔ جواب یہ ہے کہ ایسا قرآن میں بہت سی جگہ ہے۔ جب اس آیت میں اطیعوا سے خطاب ہر زمانہ کے لوگوں سے ہے اور جب ہر زمانہ کا ولی امر جُداگانہ ہوتا ہے تو جمع کا اطلاق درست ہوگا۔

اعتراض۔ اس آیت کا ایک حصّہ یہ ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (سورہ النساء ۴/۵۹) اگر اولی الامر سے مراد امام ہوتا تو یہاں بھی رسول کے بعد اولی الامر ہوتا۔

جواب یہ ہے کہ اوّل ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ اولی الامر کا لفظ نہ تھا۔ تفسیر صافی اور کافی میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت یوں فرمائی فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَاِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰی اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ اور فرمایا۔ یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ علی بن ابراہیم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہی روایت کی ہے۔ علمائے اہلسنّت نے بھی قرآن میں کمی کا اعتراف کیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے جب ایک اطیعوا کے تحت میں رسول اور اولی الامر دونوں کی اطاعت کا ذکر کر دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کی اطاعت ایک ہے پس اس کے بعد اگر ذکر نہ کیا تو سمجھ لینا چاہیے کہ جن کے لیے رسول کی طرح اطاعت مطلقہ ثابت ہے تنازع کے فیصلہ میں بھی وہ رسول کے ساتھ شریک ہوں گے چونکہ تکرار غیر ضروری تھا لہٰذا ترک کیا گیا۔ پھر بھی غافلوں کی تنبیہ کے لیے دوسری جگہ یوں ذکر فرما دیا وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰی اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (سورہ النساء ۴/۸۳)

اگر کہا جائے کہ اولی الامر کا ذکر عدم تنازع و اختلاف کی صورت میں کیا گیا ہے اور تنازع و اختلاف کی صورت میں ترک ذکر قرینہ اس کا ہے کہ مراد اولی الامر سے اہل حل وعقد ہیں جو مصداق اجماع ہیں۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اطاعت خدا و رسول اور ارباب حل وعقد کریں جبکہ اتفاق حاصل ہو اور اگر نزاع درمیان آئے تو رجوع خدا و رسول کی طرف کریں کہ بدون اس کے چارہ نہیں۔

جواباً ہم کہتے ہیں کہ جس طرح اطاعت خدا و رسول اجماع و اختلاف سے کوئی تعلق نہیں رکھتی اسی طرح اطاعت اولی الامر کو بھی ان باتوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر اطاعت اولی الامر اجتماع و اجماع سے مقید ہو جائے اور اطاعت رسول مطلق ہو تو تو ایک ہی اطاعت کا مقید اور مطلق ہونا لازم آئے گا کیونکہ آیہ اطیعوا اللہ میں اطاعت رسول اور اولی الامر کو ایک ہی اطیعوا کے تحت میں ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرے اگر امت اور اولی الامر کے نزاع کو تسلیم کر کے اس کے فیصلہ کے لیے اللہ اور رسول کی طرف رجوع کی جائے تو بہ حیثیت ایک فریق بننے کے اولی الامر واجب الاتباع قرار نہ پائیں گے اور درصورت اولی الامر کے خلاف فیصلہ ہونے کے اولی الامر کا خاطی ہونا لازم آئے گا اور اس صورت میں اطاعت رسول کی طرح ان کی اطاعت مطلق نہ رہے گی۔

دلیل ششم۔ آئمہ اہلبیت کی عصمت پر چھٹی دلیل آیہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (سورہ التوبہ ۹/۱۱۹) ہے یہ معیت مطلقہ ہے یعنی قول و فعل میں صادقین کے ساتھ رہو نہ صرف بدن و جسد سے ان کے ساتھ رہنا۔ کیونکہ یہ محال بھی ہے اور بے فائدہ بھی۔ چونکہ یہ خطاب عام امت سے اور ہر زمانہ والوں سے ہے لہٰذا صادقین کا وجود بھی ہر زمانہ میں ضروری ہے جن کے ساتھ تمامی امت ہو۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں مراد صدق جزئی نہیں ورنہ ہر وہ شخص جو کوئی بات سچ

ہوئے اس کی متابعت واجب ہوگی اور یہ بالاتفاق باطل ہے بلکہ تمام اقوال وافعال میں صادق ہونا مراد ہے اور ایسا شخص نہیں ہوگا مگر معصوم۔ پس ثابت ہوا کہ ہر زمانہ میں معصوم کا ہونا ضروری ہے اور لوگوں پر اس کی اطاعت واجب اور اس پر اتفاق ہے کہ حضرت رسول خداؐ اور دوازدہ امام کے اور کوئی معصوم ہے ہی نہیں۔

سیوطی نے دُرِ منثور میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس اور امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ مُراد صادقین سے علی بن ابی طالبؑ ہیں اور بطریق شیعہ اور سنی بہت سی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صادقین سے مُراد محمد وآلِ محمد ہیں۔

دلیل ہفتم آیہ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (سورہ ہود ۱۱۳) یعنی رجوع نہ کرو ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ہے ورنہ پہنچے گی تم کو نارِ جہنم، چونکہ ظالموں کی طرف رجوع کرنا ممنوع ہے لہٰذا امر و نہی میں ان کی اطاعت بھی ممنوع ہوگی اور خلیفۂ رسول وہ ہے جس کی اطاعت مطلقاً کافہ امت پر ہو۔

اما مہم رازی کا یہ کہنا درست نہیں کہ ظالموں کی طرف رجوع کرنے کی نہی وقت ظلم ہے نہ کہ ہر وقت۔ کیونکہ آیت میں ممانعت بلا قید وقت ہے۔ ظلم کرنا خواہ وہ کسی وقت بھی ہو شانِ امام کے خلاف ہے کیونکہ وہ صاحب اطاعت مطلقہ ہے۔

دلیل ہشتم وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (سورہ البقرہ) تفسیر بیضاوی میں ہے کہ ملائکہ کا کہنا یہ تھا کہ کیا تو عاصیوں کو اپنا خلیفہ بنائے گا درانحالیکہ ہم تیری معصوم مخلوق موجود ہیں اور اس عہدہ کی لائق۔ اور ان کا مقصد استفسار تھا وجہ ترجیح کا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ملائکہ کی نظر میں بھی خلافت کے لیے عصمت ضروری تھی اور یہی ان کے تعجب کی وجہ تھی۔ خداوند عالم نے افضلیت آدم ان پر آدم کی اعلمیت سے ثابت

کی جو عصمت کو شرطِ خلافت نہیں جانتے وہ اس پر غور فرمائیں۔

دلیل نہم۔ آیت تطہیر ہے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (سورہ الاحزاب ۳۳/۳۳) مفسرین نے بالاتفاق اس آیت کا نزول اہلبیت کی شان میں لکھا ہے۔ حضرت رسولِ خدا نے خانہ ام سلمہ میں ایک چادر کے اندر علی و فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کو داخل کر کے فرمایا اللّٰھم ھٰولاء اھلبیتی وخاصتی اذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا۔ ام سلمہ نے داخلہ چاہا تو فرمایا انک الی خیر انت من ازواج رسول اللہ اس آیت سے اہلبیت رسول کی طہارت عاقل بصیر پر پوشیدہ نہیں۔ اذہاب رجس دلیل ہے گناہوں سے بری ہونے کی۔

صاحب تحفہ کا اعتراض۔ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امام معصوم ہوتا ہے لیکن نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کا یہ قول موجود ہے لابد للناس من امیر برا او فاجرا (لوگوں کے لیے امیر ہونا ضروری ہے خواہ نیک ہو یا بد)

جواب۔ معترض نے یہ قول ابن ابی الحدید کے اتباع میں نقل تو کر دیا مگر اس کے محل و مقام کا ذکر نہ کیا۔

حضرت کا یہ قول خوارج کے اس عقیدہ کی رد میں ہے کہ سوائے خدا کے کوئی حاکم ہی نہیں۔ اس کا امامت مطلقہ سے کوئی تعلق ہی نہیں معترض نے کھینچ تان کر کے کہیں کی بات کہیں لا ڈالی ہے۔ ابن ابی الحدید نے اس کلام شرح میں لکھا ہے ھذا نصٌّ صریحٌ منہ بانّ الامامۃ واجبۃ (حضرت کی طرف سے نص صریح ہے اس بات پر کہ امامت واجب ہے ابن ابی الحدید اور معترض دہلوی نے لفظ امیر کو جو کلام جناب امیر علیہ السلام میں واقع ہے وہ امام مفترض الطاعۃ سمجھا ہے جس کا نصب کرنا خدا پر

بعقیدہ امامیہ ازراہ لطف و عنایت بحال بندگاں واجب ہے اور حضرات اہلسنت اس کا نصب و تعین مخلوق کے ذمہ قرار دیتے ہیں۔

غور کرنا چاہیے اگر بر و فاجر امام ہو سکتا تو نہ عصمت شرط ہوتی نہ عدالت اور نہ ایمان اور اس کے متعلق کوئی یہ نہ کہتا کہ اہل اسلام و ایمان سے ہو۔ اور اگر یہی صورت ہوتی تو فاضل دہلوی اپنے کلام میں دوسری جگہ یہ نہ لکھتے نہیں برابر ہے امام ہدیٰ اور امام ردیٰ اور ولی نبی اور عدو نبی حضرت رسولخداؐ نے فرمایا۔ میں اپنی امت کے معاملہ میں نہ مومن سے ڈرتا ہوں اور نہ مشرک سے۔ مومن کو روکے گا اللہ اس کے ایمان کی وجہ سے اور مشرک کو روکے گا اس کے شرک کی وجہ سے بلکہ میں ڈرتا ہوں دل میں نفاق رکھنے والے سے وہ بات اچھی کہتا ہے مگر عمل برا کرتا ہے۔

اب غور کرنا چاہیے کہ ایسے ائمہ کا جن کا قول و فعل جداگانہ ہو نصب کرنا آیا خدا یا خلق پر واجب ہو سکتا ہے۔ کوئی ذی عقل یہ نہ کہے گا کہ خدا ایسے کو معین کر کے خلق اللہ کو ہلاکت میں ڈالے۔

بہر حال جناب امیر علیہ السلام نے جو بر و فاجر کی امامت کا تذکرہ فرمایا ہے وہ خارجیوں کے مقابل ہے۔ اس کے عنوان میں یہ عبارت نہج البلاغہ میں مرقوم ہے من کلامه علیه السلام فی معنی الخوارج لمّاسمعَ قولهم لاحکم الاّ للّٰه۔ اس پر حضرت نے فرمایا کلمة حق یراد بها باطل یعنی یہ کہنا لاحکم الاالله درست ہے بے شک حکم خدا ہی کے لیے ہے لیکن خوارج نے اس کے معنی نہیں سمجھے اور معنی باطل پر اس کو حمل کر کے کہا ہے کہ کسی رئیس کی متابعت ہمیں درکار نہیں اور کسی کی حکومت ہم پر نہیں ہو سکتی پس آنحضرتؐ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ انسان چونکہ مدنی بالطبع ہے اور اس کے معاملات بغیر بنی نوع کی مشارکت کے تمام نہیں ہو سکتے اور اجتماع میں فتنہ و فساد ہونا ضروری اور پھر

لوگوں کی ہلاکت اور اموال کا نقصان لازم۔ پس یہ ضروری ہوگا کہ لوگ کسی نہ کسی رئیس کے تحت حکم ہو کر خواہ نیک ہو یا بد اپنی زندگی گزاریں۔ اس سے انکار امر بدیہی سے انکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود زبانی انکار کے انہوں نے عبداللہ بن وہب کو اپنا امیر بنالیا اور ان کے معاملات بغیر امیر بنائے چل نہ سکے چنانچہ ابن ابی الحدید لکھتا ہے انھم کانو افی بدو امرھم یقولون ویذھبون الی انہ لا حاجتہ الی الامامتہ ثم رجعوا عن ذلک القول لما امروا عبداللہ بن وھب الراسی ۔ پس لوگوں کو دھوکہ دینا ہے جناب امیر علیہ السلام کے مذکورہ بالا قول کو پیش کر کے وہ امامت جو ریاست عامہ ہے اس کا اس امیری سے کیا تعلق۔ آئے دن لوگ ملکوں کو فتح کر کے وہاں کے باشندوں پر حکومت کیا کرتے ہیں اور ان حکمرانوں میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی مسلمان بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی اور اچھی یا بری جیسی بھی حکومت ہو اسے برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔

بحار الانوار میں بسند ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت نے فرمایا ان الدنیا لاتکونُ الا وفیھا امامانِ بر و فاجر فالبر الذی قال اللہ تعالے وجعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا واما الفاجر فھو الذی قال اللہ عزوجل وجعلناھم ائمۃ یدعون الی النار (دنیا میں دو قسم کے امام ہوتے ہیں اول نیک جن کے متعلق خدا فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (سورہ الانبیاء ۷۳/۲۱) دوسرے فاجر جن کے متعلق خدا فرماتا ہے وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ (سورہ القصص ۴۱/۲۸)

شرط سوم امامت ہاشمیت ہے۔ حضرات اہلسنت نے افضلیت معصومیت اور ہاشمیت کو تسلیم نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ خلفائے ثلثہ میں ایک تیمی ہیں دوسرے عدوی اور تیسرے اموی نیز عصمت کو نہ ان میں مد نظر رکھا گیا اور نہ اعلمیت کو ان کے لیے ضروری

سمجھا گیا۔

خواجہ نصیر الدین طوسی نے شرائط امامت آٹھ بیان فرمائی ہیں۔

اول معصوم ہو گناہانِ صغیرہ و کبیرہ سے دوسرے عالم ہو امور دینی اور دنیوی کا تیسرے شجاعت چوتھے تمام خصائل حمیدہ اور صفات پسندیدہ میں تمام لوگوں سے افضل و برتر ہو۔ پانچویں تمام عیوب جسمانی سے پاک ہو چھٹے عبادت و اطاعت و زہد و تقویٰ وغیرہ میں اس کی منزلت تقرب سب سے زیادہ ہو۔ ساتویں صاحب معجزہ ہو آٹھویں امامت اس کی عام ہو۔

حضرات اہلسنت نے بھی امام میں آٹھ شرطیں تجویز کی ہیں۔

اول اجتہاد اصول و فروع دین میں دوسرے فنونِ جنگ سے وقفیت۔ تیسرے شجاعت چوتھے عدالت پانچویں کمال عقل چھٹے حریت۔ ساتویں مرد ہونا۔ آٹھویں بالغ ہونا۔ اجتہاد کے متعلق پہلے بیان ہو چکا۔ کہ مجتہدوں نے اپنے اغراض نفسانی سے کیسی کیسی بدعتیں کیں جن کے چھپانے کے لیے خطائے اجتہادی کا مسئلہ ایجاد کیا گیا۔ رہا بلوغ تو یہ امام کے لیے ضروری نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ بچپن ہی میں مبعوث ہوئے ہیں۔

تتمہ۔ ہم بیان کر چکے کہ امام کے لیے عصمت ضروری ہے اس کے لیے لازم ہے کہ نص ہو خدا اور رسول اور امام سابق کی طرف سے۔ یا اس کے دعویٰ امامت کا ثبوت معجزہ کے اظہار سے ہو۔ شیعوں کے نزدیک اثبات امامت منحصر ہے ان ہی دو باتوں میں کیونکہ معصوم ہونے کو کوئی نہیں پہچان سکتا۔

حضرات اہلسنت نے امام کو مخلوق پر واجب قرار دیا ہے اور عصمت و نص کی شرطوں کو اڑا دیا ہے چنانچہ شاہ صاحب دہلوی عقیدہ چہارم میں لکھتے ہیں کہ امام کے لیے خدا کی طرف سے منصوص ہونا لازم نہیں کیونکہ اس کا معین کرنا مکلفین پر واجب ہے کہ وقت ضرورت

موافق مصلحت اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا رئیس بنالیں چونکہ یہ تعین ان کی صوابدید سے ہوگا لہٰذا وہ اس کی اطاعت میں کوتاہی نہ کریں گے اور یہ ملحوظ رکھیں گے کہ نواختہ را بباید انداخت۔

کیسی عجیب بات ہے کہ صوابدید خلق کو صوابدید خالق پر ترجیح دی جارہی ہے۔ اور اس پر غور نہیں کیا جاتا کہ بندوں کے اس انتخاب میں کیسی کیسی غلطیاں ہوئی ہیں۔ ارذال و اجلاف فظ و غلیظ القلب و فاسق و فاجر تک امام بنادیئے گئے اور نوبت بانجا رسید کہ شارح وقایہ نے لکھا ہے ولا یحد الامام حداً حد الشرب لانہ نائب من اللہ اگر امام شراب پی لے تو اس پر حد شرع جاری نہ ہوگی کیونکہ وہ اللہ کا نائب ہے۔

رہا یہ کہنا نواختہ را بباید انداخت تو اسی کا نتیجہ تھا کہ رسول کی خلافت بنی امیہ تک جا پہنچی اور معاویہ اور یزید جیسے لوگ بھی عہدہ امامت پر فائز ہوگئے۔ اگر اپنے نوازے ہوئے کو نوازنا لازم تھا تو حضرت عثمان کو ذلت و خواری سے کیوں قتل کیا اور تین دن ان کی لاش کو بے دفن کیوں چھوڑا۔ طلحہ اور زبیر نے امیر المومنینؑ کی بیعت کرکے کیوں توڑی اور جمل کی جنگ میں ہزارہا مسلمانوں کے قتل کا باعث کیوں بنے۔

یہ کہنا کہ نصب امام لوگوں پر واجب ہے اجماعی مسئلہ نہیں بلکہ اختلافی ہے صاحب مواقف کہتے ہیں کہ تثبت بالنص من الرسول و الامام السابق بالاجماع

اگر خلافت منصوص من اللہ نہیں ہوتی تو کیا جناب ہارون اور جناب شمعون کو امت موسیٰ نے معین کیا تھا اگر تعین جانشین رسول امت پر واجب تھا تو حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو کیوں نامزد کیا۔ تعجب ہے کہ خدا کے نصب کرنے میں تو مفاسد کا اندیشہ ہو لیکن حضرت ابوبکر نصب کردیں تو اندیشہ بالکلیہ برطرف ہوجائے گا۔ خدا کا فعل تو مبنی بر مصالح نہ ہو اور بندہ کا فعل ہو کیسی عجیب بات ہے۔

ارباب حل وعقد کا اجماع کہا تو جاتا ہے لیکن کبھی دس بیس کا اجماع بھی کبھی ظہور میں نہیں آیا بلکہ صرف ایک یا دو پر بھی اجماع کا اطلاق کر لیا جاتا ہے چنانچہ صاحب مواقف لکھتے ہیں۔

وَاذا ثبت حصول الامامةِ بالاختیار و البیعةِ فاعلم اِنَّ ذٰلِكَ الحصول لا یفتقر اِلی الاجماع اذلم یَقم علیه دلیل مِن العقل والسمع بل الواحدُ او الاثنانِ مِنَ اهل الحلّ والعقد کافٍ فی ثبوت الامامةِ ووجوب اتباع الامام علیٰ اهل الاسلام (جب ثابت ہوگیا امامت کا حاصل ہونا اختیار اور بیعت سے پس یہ حصول نہیں محتاج ہے اجماع کا کیونکہ کوئی عقلی اور سمعی دلیل اس پر نہیں بلکہ ایک یا دو ارباب حل وعقد سے کافی ہیں ثبوت امامت اور وجوب اتباع امام پر مسلمانوں کے لیے)

غور کرنے کی قابل بات ہے کہ اگر خدا و رسول کسی کو معین کریں تو اس کا وجود باعث فتنہ وفساد ہو اور اگر امت کا ایک دو آدمی معین کر دے تو علم بردار امن اور باعث تسلیہ خلق ہو حالانکہ اسلام میں سب سے پہلا انتخاب جو عمل میں آیا اس کے متعلق خود حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کانت بیعتہ ابی بکرٍ فتنۃً وقی اللہ شرھا فمن عادالی مثلہ فاقتلوہ (ابو بکر کی بیعت ناگہانی تھی اللہ نے اس کے شر سے بچا لیا پس اس کے بعد اگر کوئی اس طریقہ کا اعادہ کرے تو اس کو قتل کر دو) اس سے معلوم ہوا کہ نصب وتعین کا یہ طریقہ حضرت عمر کی نظر میں بھی مخدوش تھا اسی لیے انہوں نے اپنے جانشین کے لیے اس طریقہ کو ترک کر دیا اور ایک نیا راستہ اختیار کیا۔

مسئلہ نصب امام اصولی ہے یا فروعی

حضرات اہلسنت نے اس کو فروع دین میں قرار دیا ہے

شرح مواقف میں ہے کہ مسئلہ امامت فروع دین سے ہے ہمارے لیے اس میں بحث کرنا

ضروری نہیں صرف تقلید کافی ہے۔ نص خدا و رسول کو اس میں دخل نہیں۔ لیکن قاضی بیضاوی نے کتاب منہاج میں لکھا ہے کہ یہ مسئلہ اعظم مسائل اصول دین سے ہے اور اس کے مخالف کو کافر اور بدعتی سمجھا ہے کتاب فصول میں ایک حنفی عالم نے کہا ہے کہ جو امامت ابوبکر کا قائل نہیں وہ کافر ہے بلکہ ایک گروہ اس شخص کے قتل کا حکم دیتا ہے جو امامت ابوبکر کا قایل نہیں یا جو علی کی خلافت بلافصل کا قائل ہو وہ بھی گردن زدنی ہوگا۔ اگر مسئلہ امامت فروعی ہے تو فروع کا تارک نہ کافر ہوتا ہے نہ گردن زدنی لیکن امامت کا منکر یقیناً کافر ہے جمع بین الصحیحین میں یہ حدیث پیغمبر مرقوم ہے مَن ماتَ و لَم یعرف امامَ زمانہ ماتَ میتۃً جاھلیۃً جو اس کا ثبوت ہے کہ مسئلہ امامت اصول دین میں ہے جس کی معرفت نہ رکھنا سبب کفر ہے۔

امامت داخل اُصول ہے عقلاً اور نقلاً

عقلاً اس طرح کہ علوم دینیہ دو قسم کے ہیں اوّل وہ جن سے مقصود نفس علم ہے۔ دوسرے وہ جس سے مقصود عمل ہے۔ اوّل حکمت نظریہ اور اصول دینیہ ہے۔ جیسے معرفت خدا و رسول اور ان پر ایمان لانا۔ دوسرے حکمت عملیہ ہے جیسے شناخت طریقۂ نماز و روزہ وغیرہ۔ قسم اوّل سے غرض تصدیق و اذعان ہے اگرچہ بالواسطہ یا وسایط عمل اس پر متفرع ہو۔ دوسری قسم اس پر عمل کرنا ہے اس میں تحصیل علم مقصود بالذات نہیں بلکہ عمل کی طرف جانے کا وسیلہ ہے۔ پہلی قسم میں تقصیر کرنے والا ایمان و اسلام سے باہر ہے دوسرے میں مقصر یا اس سے جاہل اگر معذور نہیں ہے تو گنہگار ہوگا ایمان سے خارج نہ ہوگا۔ جب یہ فرق معلوم ہوگیا تو جاننا چاہیے کہ حضرات اہلسنت جب نصب امام کو مخلوق پر واجب جانتے ہیں تو یہ تکلیف ان کے عقیدہ میں عملی ہے اور عمل فروع میں ہے نہ اُصول میں۔ لیکن یہ خیال درست نہیں کیونکہ جب نصب انبیا خدا پر واجب ہے تو ان کے اوصیا کا نصب بھی اسی پر عقلاً واجب ہونا چاہیے پس تکلیف شرعی فرعی

اس سے متعلق نہ ہوگی بلکہ مقصود معرفت اور یقین بامامت ہوگا اور اس کی عدم معرفت سبب موت جاہلیت قرار پائے گی۔

اب رہی نقلی دلیل تو حدیث مَن مَاتَ ولم یعرف امامَ زمانه مَاتَ میتةً جاهلیته موجود ہے اگر امامت فروع دین سے ہوتی تو اس کی معرفت میں تقصیر کرنے والا گنہگار ہوتا اسے ایمان سے خارج نہیں کہہ سکتے تھے۔

کہا جا سکتا ہے کہ انکار فروع بھی مستلزم موت جاہلیت ہے پس موت جاہلیت سے یہ کیونکر لازم آیا کہ امامت اصول دین میں سے ہے۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ فروعی احکام سے انکار در حقیقت مَاجاء به النبی سے انکار ہے اور اس سے انکار مستلزم انکار نبوت اور عدم تصدیق بالنبی ہے اور یہ جاہلیت وکفر ہے۔ لہٰذا ان امور میں کفر بواسطہ عدم تصدیق ہے اور تصدیق نبوت اصول ایمان سے ہے اور ماجاء به النبی فروع ایمان سے۔ اسی طرح عدم معرفت امام جو در حقیقت عدم تصدیق ہے لہٰذا مخل ایمان ہے اور اس کی معرفت عین ایمان لہٰذا امامت اصول سے ہوئی نہ فروع سے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ معرفت ضروریہ فرعیہ دو قسم پر ہے اول شناخت اس حیثیت سے کہ وہ احکام سے ایک حکم ہے مثلاً نماز پنجگانہ واجب قطعی ہے اور اس کے وجوب کا منکر امر ضروری ہے اور کافر ہے دوسرا شناخت اس لیے کہ اس پر عمل کرے اور دونوں صورتوں میں علم متعلق عمل ہے اور عمل ضابطہ اصول سے خارج ہے۔ پہلی قسم قطعیت کی بناء پر اصول دینیہ میں محسوب ہو سکتی ہے لیکن یہ لفظ اصول کے دوسرے معنی ہوں گے اور منصوب من اللہ امام کی معرفت علم عملی کے قبیل سے نہیں ہے لہٰذا عدم معرفت امام موجب موت کفر ہوگی لیکن نہ از راہ انکار ضروری عملی بلکہ اصول علمی کی ایک اصل کے انکار کی بناء پر پس ثابت ہوا کہ مسئلہ امامت اصول دین سے ہے نہ فروع دین سے۔

علامات امامت

کلینی علیہ الرحمہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام کی دس علامتیں ہیں۔

اوّل پاک و پاکیزہ پیدا ہوتا ہے دوسرے ناف بریدہ تیسرے ختنہ شدہ چوتھے شکم مادر سے باہر آکر سب سے پہلے زمین پر ہاتھ رکھتا ہے پانچویں صدائے شہادتین بلند کرتا ہے چھٹے سجدہ کرتا ہے ساتویں محتلم نہیں ہوتا آٹھویں خباثت کا اس سے تعلق نہیں ہوتا۔ نویں عیوب ظاہری سے مبرا ہوتا ہے دسویں۔ وقتِ ولادت معجزہ کا اظہار ہوتا ہے۔ بعض نے آخر کی تین علامتوں کی بجائے یہ لکھی ہیں اس کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا خمیازہ یعنی انگڑائی نہیں لیتا۔ پشت سر کی طرف سے بھی دیکھتا ہے۔ محتلم ہونے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح عموماً لوگوں کو خواب میں احتلام ہوتا ہے یہ صورت امام کے لیے نہیں۔ بعض علمانے ان علامتوں میں کئی باتوں کا اور بھی اضافہ کیا ہے جیسے سایہ نہ ہونا بول و براز کو زمیں کا بلع کر لینا۔ پسینہ سے خوشبو آنا۔

صفات امام منصوص

امام چند صفات سے پہچانا جاتا ہے۔

اوّل یہ کہ اس سے پہلے کا منصوص من اللہ نبی یا امام اس کی امامت پر نص کرے جیسے حضرت رسول خدا نے امیر المومنین کی خلافت پر نص کیا دوسرے جو کچھ اس سے پوچھیں شافی جواب دے تیسرے آئندہ حالات کی لوگوں کو خبر دے۔ چوتھے تمام لغت اور زبانیں جانتا ہو اور ہر ایک

زبان میں جواب دے پانچوں تمام حیوانات کی بولی سمجھتا ہو۔ اظہار معجزہ کے وقت مُردہ کو زندہ کردے اور نابینا کو بینا۔ جیسے جناب امیر نے مُردہ کو زندہ کیا اور امام محمد باقر اور جعفر صادق علیہم السلام نے ابوبصیر کو بینا کیا۔ اسی قسم کے اور معجزات اس سے ظہور میں آئیں۔ وہ قادر تھے طے ارض پر اور انبیا کی تمام کتابوں اور صحیفوں کے عالم تھے۔

امام کے قوائے ظاہری و باطنی کا مفصّل بیان

قوّت سمع و بصر جس طرح خدا نے ابراہیمؑ کو ملکوت سموات وارض دیکھنے کی قوت دی تھی اسی طرح حضرت رسول خدا اور ہمارے ائمہ کو بھی دی تھی بلکہ دوسروں کو بھی دکھا سکتے تھے۔

(۱) بصائر الدرجات۔ تفسیر البرہان۔ مدینۃ المعاجز میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے جابر بن یزید کو ملکوت سموات وارض دکھا دیئے۔ جابر حضرت کے خاص شیعوں میں سے تھے۔

(۲) بصائر الدرجات میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا امام محمد باقر علیہ السلام نے انبیاء اور اوصیا میں پانچ روحیں ہیں ان میں ایک روح القدس ہے اسی کے ذریعہ سے ہم دیکھتے ہیں ہر اس شے کو بالائے عرش اور زیر زمین ہے۔

(۳) کتاب خصال میں ہے فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے جو ہم پر سلام بھیجتا ہے وہ پہنچتا ہے ہم تک۔

(۴) مدینۃ المعاجز باب معجزات امام محمد باقر علیہ السلام میں ہے کہ آپ نے میسر سے فرمایا اگر یہ دیواریں ہماری آنکھوں کو مانع ہوتیں جس طرح تمہاری آنکھوں کو مانع ہیں تو ہم میں

اور تم میں فرق کیا ہوتا۔

(۵) کتاب خرائج میں ابوبصیر سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ ہماری آنکھیں اور کان تمہاری سی نہیں ہیں۔ کوئی چیز تمہارے اعمال سے ہمارے اوپر پوشیدہ نہیں

(۶) کتاب خرائج اور مدینۃ المعاجز میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے عبداللہ بن یحییٰ کاہلی کو درندوں کے شر سے بچنے کی دُعا تعلیم کی وہ مع اپنے بھائی کے روانہ ہوا راہ میں شیر کو دیکھ کر دُعا پڑھی وہ سر جھکا کر چلا گیا جب وہ پھر حضرت کی خدمت میں آیا تو یہ حال بیان کیا آپ نے فرمایا کیا تیرا یہ خیال ہے کہ میں وہاں موجود نہ تھا۔ ہمارے لیے ہر دوست کے ساتھ چشم بینا۔ گوش شنوا اور زبان گویا ہے۔

(۷) بحار الانوار جلد ۷ اور مدینۃ المعاجز میں ہے کہ عبداللہ بن بحر نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے کہا۔ کیا امام مشرق و مغرب کو دیکھتا ہے؟ فرمایا اگر نہ دیکھے تو کیونکر حجت ہوگا ان لوگوں پر جن کو وہ نہیں دیکھتا اور جن کو وہ حکم نہیں کرتا۔

(۸) حضرت امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد کتاب بصائر الدرجات میں نقل ہوا ہے کہ آپ نے رمیدے فرمایا کوئی مومن شرق میں ہو یا غرب میں ہم ائمہ سے غائب نہیں ہوتا۔

توضیح۔ جو لوگ امام منصوص کی روحانی قوتوں سے واقف نہیں وہ مذکورہ بالا احادیث کو موضوعہ احادیث میں قرار دیتے ہیں لیکن ان کا یہ فیصلہ عدم تدبر کی بنا پر ہے۔ انبیا اور اوصیائے انبیا کا تعلق چونکہ عالم امری سے ہوتا ہے لہٰذا عام انسانوں کے حالات و کیفیات سے وہ الگ ہوتے ہیں وہ بشری پیکر میں ضرور ہوتے ہیں لیکن ان کی خلقت مادہ کثیفہ ارضیہ سے نہیں ہوتی اور ان کے حواس و قوی کو تمام بنی نوع کے مقابل ایک امتیازی شان ہوتی ہے۔ یہ امتیازات اعجازی شان میں وقتاً فوقتاً اس لیے ظاہر ہوتے ہیں کہ دلیل ہوں ان کے برگزیدہ باری ہونے میں۔ ذیل میں چند ثبوت اس کے پیش کیے جاتے

ہیں کہ ان کے حواس کامل ترین حواس ہوتے ہیں۔

اوّل ۔ جناب ابراہیم ایک دن میں اتنا بڑھتے تھے جتنا اور بچے ایک ماہ میں بڑھتے ہیں اور بچپن ہی میں رشد کی کیفیت ان کے اندر پیدا ہوگئی۔

دوسرے ۔ نارِ نمرود ان کے بدن پر کوئی اثر نہ کر سکی اور اس کے شعلے باغ و بہار بن گئے۔

تیسرے ۔ خدا نے حضرت ابراہیم کو ملکوت سموات وارض دکھا دیئے اور از زمین تا آسمان کوئی حجاب ان کی نظر کو نہ روک سکا۔ یہ تھی ان کی قوت باصرہ جن کا قیاس عام لوگوں کی نگاہوں پر نہیں کیا جا سکتا۔ اس زمانہ میں جبکہ سائنس کی ترقی اپنے شباب پر ہے اور بیشمار آلات نظر کو مدد پہنچانے کے لیے ایجاد ہو چکے ہیں۔ ابھی تک انسانی نظر اجرام سماوی میں سے کسی کرہ کے نظام کو دیکھنے پر قادر نہیں۔

چوتھے ۔ حضرت ابراہیم کی آواز میں یہ زور تھا کہ جب آپ نے حج کے لیے لوگوں کو بلایا تو سطح ارض پر کوئی جگہ ایسی نہ تھی کہ حضرت کی آواز وہاں تک نہ پہنچی ہو یہاں تک کہ ان نطفوں نے بھی سن لی جو صلب پدر یا رحم مادر میں تھے۔

پانچویں ۔ حضرت موسیٰ کے اس صندوق کو جس میں ان کو رکھ کر دریائے نیل میں ڈالا گیا تھا دریا کے پانی نے ڈبویا نہیں۔

چھٹے ۔ جب محل فرعون میں پہنچے تو کسی دایہ کا دودھ نہ پیا اور جب ان کی والدہ آگئیں تو ان کو پہچان لیا اور دودھ پی لیا۔

ساتویں ۔ جناب سلیمان جب وادی نمل سے گزرے تو آپ نے چیونٹی کی آواز سن لی۔

آٹھویں ۔ آپ طیور کی زبان سمجھتے تھے اور ہدہد کی زبان میں جواب دیتے تھے۔

نویں ۔ جناب عیسیٰ نے آغوش مادر میں کلام کیا۔

دسویں۔ حضرت محمد مصطفےٰ جس طرح آگے دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے دیکھتے تھے۔

جب اس قسم کے بیشمار واقعات قرآن و حدیث میں انبیاء و اوصیائے انبیاء کے متعلق موجود ہیں تو ہمارے آئمہ کے متعلق جو منصوص من اللہ امام تھے کیوں شک کیا جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کی روحانی اور موہبتی قوتوں کو لوگوں نے سمجھا ہی نہیں اور جس طرح کفار و مشرکین آنحضرت صلعم کو معمولی انسان سمجھتے رہے مسلمان ہمارے ائمہ کو بھی اپنا ہی جیسا ایک مسلمان سمجھا کیے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کے روحانی کمالات کو پرکھنے کا معیار ان کے پاس نہیں مادیت کی دلدل میں پھنسے ہوئے لوگ جنہوں نے روحانی دنیا کو جھانک کر بھی نہیں دیکھا وہ کیا جانیں کہ یہ مدارج و منازل کیا ہیں۔ اسی لیے تو حضرت رسول خدا نے فرمایا اے علی تم کو نہیں پہچانا مگر میں نے اور خدا نے اور مجھے نہیں پہچانا مگر تم نے اور خدا نے اور خدا کو نہیں پہچانا مگر میں نے اور تم نے۔

ائمہ علیہم السلام کی روحانی طاقت

تفسیر صافی میں تحت آیہ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰی (سورہ الرعد ۱۳/۳۱) لکھا ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا ہم وارث ہیں اس قرآن کے جس سے پہاڑ چل کھڑے ہوتے ہیں اور شہروں کی مسافت قطع کی جاتی ہے اور مُردے زندہ کیے جاتے ہیں۔

چونکہ ائمہ معصومین علیہم السلام کتاب خدا کے وارث ہیں لہٰذا جو کمالات اس کے اندر ہیں وہ ان حضرات کے اندر پائے جانے لازم و نہ وراثت کتاب کے یہ معنی نہیں کہ اس کو

جمع کر لیا جائے یا اس کو حفظ کر لیا جائے۔

یہ بھی یاد رکھیے جو وارث کتاب اللہ ہوتے ہیں وہ خدا کے منتخب بندے ہوتے ہیں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ (سورہ فاطر ۳۵/۳۲) یہ منتخب بندے سابق بالخیرات کے سوا دوسرے نہیں ہو سکتے۔

اسی تفسیر میں تحت آیہ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ (سورہ النمل ۲۷/۴۰) لکھا ہے کہ یہ کہنے والا آصف برخیا تھا کافی اور بصائر میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اسم اعظم تہتر حرف ہیں آصف کے پاس ان میں کا صرف ایک حرف تھا جس کے اثر سے زمین تخت بلقیس تک سمٹ گئی اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے تخت کو لے لیا اور یہ کام چشم زدن میں ہو گیا۔ و عندنا من اسم الاعظم اثنان و سبعون حرفاً (اور ہم اہلبیت کے پاس اس کے بہتر ہیں۔

بحار الانوار جلد ہفتم میں۔ بصائر اور منتخب بصائر سے نقل کیا ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے مفضل سے فرمایا کہ نبی کے لیے پانچ روحیں ہوتی ہیں ان میں ایک روح قدس ہے وہی حامل بار نبوت ہوتی ہے اور وہی روح امام میں ہوتی ہے جس سے وہ ان چیزوں کو دیکھتا ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک ہیں مفضل کہتے ہیں میں نے کہا کیا امام لے سکتا ہے اس چیز کو جو لغداد میں ہے؟ فرمایا بلکہ لے سکتا ہے اس چیز کو جو زیر عرش ہے۔

مدینۃ المعاجز اور جلد ہفتم بحار میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے کہا اگر میں چاہوں تو چشم زدن میں تمام روئے زمین اور تمام آسمانوں کی سیر کر کے واپس آجاؤں جو اسم اعظم کے ذریعے سے جو خدا نے مجھ کو عطا فرمایا ہے۔

اس قسم کی بیشمار حدیثیں کتب احادیث میں درج ہیں۔ ہمارے ائمہ کی اس قوت پر لوگوں کو تعجب نہونا چاہیے۔ دنیا والے کیا آج سائنس کی غیر معمولی ترقی نہیں دیکھ رہے یہ سب کرشمہ ہے انسان کی معمولی روح میں روشنی کا جس کی وجہ سے بے شمار علوم وفنون ایجاد ہوگئے اور انہوں نے انسان کو اس قابل بنادیا کہ وہ چند منٹ کے اندر ہزارہا میل کا سفر کرسکتا ہے اور اب وہ راکٹوں کے ذریعہ سے سیاروں کی سیر کرنے پر آمادہ ہے اور عنقریب وہ ایک ایسی سواری بنانے والا ہے جو فی گھنٹہ دو لاکھ میل اس کو لے جائے گی۔ یہ سیر ایسی حالت میں ہے جبکہ اس کے دل ودماغ پر صرف روح بشری کارفرما ہے۔ کیا دنیا کا کوئی شخص ان ترقی کرنے والوں کی فضیلت کا انکار کرسکتا ہے پھر کیا وجہ کہ ایسے لوگوں کے بیانات کو غلط سمجھا جائے جن کے اندر روح القدس بھی ہے اور جن کے پاس خالق کائنات کا اسم اعظم بھی ہے۔ جن کے سینوں میں کتاب اللہ کا علم بھی ہے جو منصوص من اللہ امام بھی ہیں جو شہر علم کے دروازے بھی ہیں۔

علم غیب اور ائمہ

علم غیب کے متعلق حسب ذیل آیات ہیں۔

(۱) عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ (سورہ الانعام ۶/۵۹) (غیب کی کنجیاں تو اس کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۲) لَوْكُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ (سورہ الاعراف ۷/۱۸۸) (اے رسول کہدو اگر میں غیب جانتا ہوتا تو البتہ زیادہ کرتا خیر کو)

(۳) قُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ (سورہ یونس ۱۰/۲۰) (غیب تو بس خدا ہی کے لیے ہے۔

(۴) قُل لَّا یَعلَمُ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ الغَیبَ اِلَّا اللّٰهُ (سورہ النمل ۶۵)
اللہ کے سوا غیب کو آسمانوں اور زمین کا رہنے والا کوئی نہیں جانتا۔

کہنے والا کہتا ہے کہ مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ غیب کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں یہاں تک کہ رسول کو بھی نہیں پس شیعوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ انکے ائمہ کو غیب کا علم تھا

جواب۔ احادیث کثیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ چیزوں کا علم مستقل خدا ہی کا ہے

اِن اللہ عِندہ علم السّاعته ویُنزِلُ الغیثَ ویعلم مَافی الارحام ومَاتدری نفسُ ماذاتکسبُ غداً (اوّل قیامت کا علم دوسرے بادل کا برسنا۔ تیسرے ارحام میں لڑکا ہے یا لڑکی چوتھے کوئی کل کیا حاصل کرے گا۔ پانچویں کوئی نہیں جانتا کہ کس سرزمین پر مرے گا۔ ان امور کے متعلق رسول اور ائمہ کو جو کچھ علم حاصل ہوتا ہے وہ خدا کی تعلیم سے ہوتا ہے خواہ وحی سے ہو یا الہام سے ان میں بہت سے امور حتمیہ ہیں بہت سے بدائیہ جن میں مشیت الٰہی کو دخل ہے ایسے امور میں سے جن کو یہ حضرات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو بقوت قدسیہ قریبہ معلوم کر لیتے ہیں جیسا کہ احادیث کثیرہ میں ہے اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ علم غیب رکھتے ہیں۔

توضیح۔ اس کی یہ ہے کہ مذکورہ بالا پانچ باتوں کی دو صورتیں ہیں۔

اوّل۔ ان پانچوں میں صدہا امور ایسے ہیں جو حتماً قیامت تک ہونے والے ہیں ان میں سے بعض کی خبر خدا نے ملائکہ اور انبیا کو دیدی ہے اور حضرت رسولخداؐ اور ہمارے آئمہ کو بھی ان سے آگاہ کر دیا ہے۔

دوم۔ ان پانچوں امور میں سے صدہا امور وہ ہیں جو بدائیہ ہیں جن میں خدا کے لیے ارادہ و مشیت اور محو و اثبات ہے اور ان کا علم کلیۃً بیکدفعہ کسی کو نہیں دیا ہے اور تفصیلاً اور تحقیقاً ان کا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں۔ وہ ان میں سے بعض کو حسب مصلحت

شب قدر میں اور روز جمعہ وغیرہ میں امام زمانہ کو عطا فرما دیتا ہے۔ انہی سے ائمہ کا علم بڑھتا ہے۔ جیسا کہ معصوم نے فرمایا ہے ہمارا علم زیادہ نہ ہو تو ختم ہو جائے اور یہ بھی فرمایا ہے اگر آیہ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ (سورہ الرعد ۱۳/۲۹) نہ ہوتی تو ہم قیامت تک حال بیان کردیتے۔

یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ خداوند عالم ہر شے کا علم بالذات اور بالتفصیل رکھتا ہے اور حضرات ائمہ کا علم خدا کا دیا ہوا ہے جزاً نہ کہ کلاً۔ اجمالاً نہ کہ تفصیلاً۔ احتمالاً نہ کہ یقیناً۔۔۔ امورِ بدائیہ میں سے جن چیزوں کے معلوم کرنے کا یہ حضرات ارادہ کرتے ہیں خدا ان کا علم دیدیتا ہے۔ اسی طرح امور حتمیہ سے بھی حسب مصلحت آگاہ کر دیتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے۔ اِنَّ الامامَ اِذا شاء ان یُعلم عَلِمَ۔ امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں الامام لایغزبہ شئٌ یریدہ امام جس شے کو چاہتا ہے وہ اس سے مخفی نہیں رہتی۔

بحار الانوار جلد ہفتم میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا لانحتجب عن الله اذا شئنا ہم جب چاہتے ہیں تو حجاب میں خدا سے نہیں رہتے۔

احادیث کثیرہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات بہ فیضانِ الہیٰ علم ماکان ومایکون رکھتے ہیں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

اوّل۔ مدینۃ المعاجز۔ بحار جلد یازدہم میں دلایل الامامہ طبری سے نقل کیا ہے جب امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام ہشام بن عبدالملک کی طلب پر دمشق تشریف لے گئے تو ہشام نے کہا آپ کے جد علی اس بات کے مدعی تھے کہ وہ غیب علم رکھتے ہیں۔ حالانکہ خدا نے اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کیا پس انہوں نے ایسا دعویٰ۔۔ ں۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ خداوند عالم نے اس کتاب میں جو اپنے نبی پر نازل

کی علم ماکان ومایکون کو جمع کر دیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (سورہ النحل ۱۶/۸۹) اور سورہ یٰسین میں ہے كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (سورہ یٰسین ۳۶/۱۲) اور سورہ الانعام میں ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (سورہ الانعام ۶/۳۸) اور سورہ نمل میں ہے مَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (سورہ النمل ۲۷/۷۵) اور وحی کی خدا نے اپنے نبی کی طرف کہ علی پر مخفی رکھیں اپنے علم غیب اور اسرار پوشیدہ کو پھر حکم دیا نبی نے علی کو جمع قرآن کا اور اپنے مرنے پر متولی غسل وکفن وحنوط کا اور اپنے اصحاب سے یہ بھی فرمایا کہ میری شرمگاہ پر نظر کرنا میرے اصحاب اور اہل پر حرام ہے سوائے میرے بھائی علی کے کہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اس کے لیے وہ ہے جو میرے لیے ہے اور مجھ پر وہ بار ہے جو ان پر ہے اور وہ میرے دین کا قاضی ہے اور میرے وعدہ کا پورا کرنے والا ہے۔ پھر اپنے اصحاب سے فرمایا علی تاویل قرآن پر اسی طرح قتال کرے گا جس طرح میں نے تنزیل پر کیا ہے اور سوائے علی کے اور کسی کے پاس تاویل قرآن نہ تھی اسی لیے حضرت رسولؐ نے فرمایا اپنے اصحاب سے کہ تم میں سب سے زیادہ حکم کرنے والا علی ہے اور کہا حضرت عمرؓ نے اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ بہتام حضرت کی یہ تقریر خموشی سے سنتا رہا۔ جو آیات امام محمد باقر علیہ السلام نے پیش کیں ان سے حضرت کی غرض یہ تھی کہ جب قرآن میں ہر شے کا بیان ہے اور علیؑ پورے قرآن کا علم رکھنے والے تھے تو لامحالہ ان کو غیب کا علم تھا۔

دوم ۔ مدینۃ المعاجز۔ تفسیر صافی۔ کافی۔ معانی الاخبار۔ تفسیر عیاشی۔ مصابیح الانوار میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ہم کلمہ تقوی اور خزینہ داران علم آسمان وزمیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں شمار ستاروں کا ملائکہ کا۔ ہم جانتے ہیں وزن پہاڑوں کا اور مقدار پانی کی۔

سوم۔ آیہ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (سورہ الجن ۲۶ و ۲۷/۷۲) کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول عند اللہ مرتضیٰ ہیں اور ہم ان کے وارث ہیں جن کو خدا نے مطلع کیا اپنے غیب سے جتنا چاہا۔ پس ہم کو ماکان ومایکون کی تاقیامت خبر ہے (مدینۃ المعاجز)

چہارم۔ فرمایا امیر المومنین علیہ السلام نے اے سلمان میں مرتضیٰ ہوں اس رسول کا جو خدا کا مرتضیٰ ہے اور جس پر اس نے اپنے غیب کو ظاہر کیا ہے۔

پنجم۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے آیہ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ سورہ التکویر ۲۴/۸۱) کی تفسیر میں فرمایا۔ خدا نے اپنے نبی کے لیے امورِ غیب میں بخل سے کام نہیں لیا۔

امام کے لیے حصول علم غیب کے طریقے

اوّل۔ بغیر کسی توسط کے عالم ذر میں خدا سے حاصل کرنا جیسا کہ بعد ولادت۔ امیر المومنینؑ نے کتب سابقہ انبیا تلاوت کیں اور قرآن پڑھ کر سنایا۔

دوسرے۔ شکم مادر سے نکلتے ہی ہاتھ زمین پر رکھتا ہے اور سر آسمان کی طرف بلند کرتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان وزمین کا کل علم لے لیتا ہے۔

تیسرے۔ وقت رحلت امام سابق امام لاحق کو تعلیم دیتا ہے۔ کتاب خرائج میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا اے علی میری زبان اپنے منہ میں لے کر چوسو اور نگل جاؤ بے شک خدا نے تم کو فہم دیا جیسا مجھے دیا اور بصارت دی جیسے مجھے اور سوائے نبوت کے میری طرح ہر شے کا علم دیا اسی طرح ہر امام اپنے بعد کے امام کو تفویض کرتا ہے۔

چوتھے۔ قرآن کے ذریعے۔

پانچویں۔ ان حضرات کے پاس علم جفر ہے۔ غایۃ المرام میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا یہ وہ کتاب ہے جس میں علم موت و بلا اور تا روز قیامت علم ما کان و ما یکون ہے جس کے ساتھ خدا نے ہم کو مخصوص کیا ہے۔

چھٹے۔ مصحف جناب سیدہ ہے۔ حضرت رسول خدا کے بعد جبریل امین برائے تسلی جناب سیدہ کے پاس آئے اور آنے والے واقعات سے آگاہ کیا۔ جناب امیر علیہ السلام ان کو لکھ لیا۔

افسوس ہے کہ لوگ کاہنوں، نجومیوں، جوتشیوں۔ موسمیات کے ماہروں درویشوں اور جوگیوں کی پیشنگویوں کو تو مان لیتے ہیں حالانکہ ان کی بنا زیادہ تر قیاس و قیافہ پر ہوتی ہے لیکن نہیں مانتے تو ان ائمہ کی غیب دانی کو جو شریک نور رسول تھے۔ جو معصوم۔ جو صاحب قوت قدسیہ تھے۔ جو صاحب الہام و فراست تھے۔

چند سوالات کے جوابات

سوال: اگر شیعہ امام کو متصرف فی العالم مانتے ہوئے اس کی بے پناہ قوت کے معتقد ہیں تو انہوں نے اپنے دشمنوں کو مغلوب کیوں نہیں کیا۔ طرح طرح کے ظلم اٹھاتے رہے اپنے حقوق کو دوسروں کے قبضہ میں دیکھ کر خاموش کیوں ہو رہے؟

جواب: ان کے منصوص اللہ امام ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی طاقت بیجا استعمال نہیں کرتے تھے زندگی کی ہر موڑ پر دینی مصلحت مد نظر تھی۔ افعال الہیہ تمام منازل حیات میں شمع راہ بنے رہے۔ خدا سے بڑھ کر طاقت والا کون ہے مگر اس نے

مشرکوں اور کافروں کے مقابل ہر موقع پر اپنی قوت کو نہیں دکھایا۔ فرعون اور نمرود سالہا سال دعوی خدائی کرتے رہے مگر خدا نے حلم سے کام لیا چاہتا تو خدائی کا دعوی کرتے ہی ان کی گردن مروڑ دیتا رسول بھی اولی بالتصرف تھے کائنات کی تمام قوتوں پر ان کا قبضہ تھا مگر سالہا سال مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سہتے رہے لیکن اپنی خداداد طاقت کا مظاہرہ نہ کیا۔

؎ نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن کہ جاہا سپر باید انداختن

اگر ہر ہر موقع پر یہ حضرات اپنی معجز نما قوتوں کو کام میں لاتے رہتے تو بہت سے قوت پرست لوگ ان کی خدائی کے قائل ہو جاتے علاوہ بریں ان کو اپنی عبدیت کے کمالات دکھانے کا موقع نہ ملتا نتیجہ میں وہ بہت سے حسنات سے محروم ہو جاتے مصائب و ابتلاءات کو اولیائے خدا بطیب خاطر اس لیے برداشت کرتے ہیں کہ ان کے مراتب قرب میں اضافہ ہو اور اجر و ثواب میں زیادتی۔ نیز یہ کہ ان کا صبر و تحمل دوسروں کے لیے سبق آموز ہو۔ بسا اوقات دشمنوں کو قوت سے زیر کرنے میں اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا دشمن کے مظالم کو برداشت کرنے اور صبر و ضبط دکھانے میں ہوتا ہے۔ بعد وفات رسول علیؑ اپنے حقوق کے تحفظ میں تلوار چلا کر کامیابی حاصل کر سکتے تھے مگر اسلامی مقاصد کو جو عبرتناک نقصان پہنچ جاتا اس کی تلافی پھر ہو نہ سکتی تھی۔ لہٰذا اپنی ذاتی منفعت پر اسلامی مفاد کو مقدم سمجھ کر اپنے حقوق سے دست کشی اختیار کر لی۔

امام حسین علیہ السلام بھی خدائی زور کو کام میں لا کر یزیدی فوج کو شکست دے کر کامیابی حاصل کر سکتے تھے مگر یہ فتح ایسی ہی ہوتی جیسی عموماً سلاطین روزگار کو ہوا کرتی ہے۔ عام لوگوں کو نہ تو اس سے کوئی سبق ملتا اور نہ اسلامی تعلیمات کی بقا کا کوئی دوامی انتظام ہوتا۔ شہادت امام نے دنیائے انسانیت کے لیے جو بے شمار سبق روز قیامت تک چھوڑے ان سب کا خاتمہ ہو جاتا۔ یزید کو شکست دینے سے یزید کا خاتمہ ہو

ہوسکتا تھا مگر یزیدیت فنا ہوتی، حسینؑ کی شہادت کا مقصد ان اصول جہانبانی اور ضوابط بے دینی کو ناکام بنانا تھا اور یہ مقصد بدوں قبول شہادت حاصل نہ ہوتا۔

اب رہے ہمارے باقی ائمہ تو ان کا فریضہ ان اصول کا تحفظ تھا جن کی عملی صورتیں ان سے پہلے ان کے آباؤ اجداد دکھا چکے تھے۔ ان حضرات کی زندگی کا مقصد تلوار سے جنگ کر کے مادی فتح حاصل کرنا نہ تھا بلکہ جہاد بالنفس تھا۔ دنیائے اسلام کی عملی قوت مفلوج ہو چکی تھی لہٰذا اس بگڑے عمل کو درست کرنے کی ضرورت تھی اور اس میں کامیابی تلوار کے زور سے ممکن نہ تھی۔ طاقت کا مقابلہ طاقت سے کر کے حسن عمل کا نقش قلوب پر جمایا نہیں جا سکتا تھا اس کے لیے ایک ایسے خاموش مقابلہ کی ضرورت تھی جو اسلام کے اخلاق حسنہ اور اعمال صحیحہ کا علم بردار ہو۔

آنحضرت صلعم کے بعد اسلام کو دو ہری آفتوں کا سامنا ہو گیا اول قوت عمل کو دینوی طمع نے چر لیا۔ دوسرے مسلمانوں کی جہالت اور اقوام عالم سے خلط ملط ہونے سے ان کے عقائد کچھ سے کچھ ہو گئے لہٰذا اس خوفناک دور میں سب سے بڑی دینی خدمت یہی تھی کہ بداعمالوں کے سامنے مثالیہ کے طور پر صحیح عمل کو پیش کیا جائے اور ان کے عقاید فاسدہ کو درست کیا جائے لہٰذا ہمارے تمام ائمہ نے یہ دونوں اہم مقصد ہمیشہ اپنے سامنے رکھے۔ اور اس میں کامیابی حاصل کی اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو اسلام کی اصلی صورت صفحۂ روزگار پر ڈھونڈی نہ ملتی۔

بے شک ان حضرات کو تمام کائنات پر حق تصرف حاصل تھا جو چاہتے کر سکتے تھے مگر مصالح وقت پر نظر رکھ کر اسی طرح اپنی اس قوت سے کام نہ لیا جس طرح انبیاء و مرسلین نے نہ لیا ان کی نظر خدائی انتقام پر رہی۔ موسیٰ علیہ السلام نے برسوں اپنی قوم پر فرعون کے ظلم دیکھے مگر صبر سے کام لیتے رہے آخر قدرت نے خود ہی انتقام لیا۔ جناب یحییٰ اور زکریا پر کیسے شدید ظلم ہوئے

مگر انہوں نے نبوت کی قوت سے کام لیا۔ قدرت نے ان کا بھی انتقام لے لیا۔

اسی طرح آنحضرت جب تک مدینہ نہ پہنچے کفار و مشرکین کے مظالم سہتے رہے اور زورِ نبوت سے کام نہ لیا۔ جب اسباب مقابلہ فراہم ہو گئے تو جارحانہ نہیں بلکہ مدافعانہ اقدام کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اب خدائی زور ان کے ساتھ تھا چونکہ دنیا عالم اسباب ہے۔ لہٰذا ان حضرات کو بھی ان پر نظر رکھنا پڑتی ہے۔ یوں ہی کسی کے مقابل طاقت نہیں آزماتے۔

سوال: اگر ائمہ اہلبیت کو کائنات پر حق تصرف حاصل ہے تو انہوں نے اپنی اس غیر معمولی قوت کو استعمال کیوں نہیں کیا اور جب کبھی نہیں کیا تو کیسے پتہ چلے کہ یہ قوت ان کے اندر تھی۔

جواب: کون کہتا ہے کہ اس قوت کا مظاہرہ ان سے نہیں ہوا۔ باب خیبر کا اکھاڑنا کیا اس قوت کا مظاہرہ نہ تھا۔ روز عاشور تین دن کی بھوک پیاس میں امام حسینؑ کا معرکۂ آلا جنگ کرنا کیا اس قوت کا مظاہرہ نہ تھا۔ امام زین العابدین علیہ السّلام کا کنوئیں میں ہاتھ ڈال کر اپنے صاحبزادے امام محمد باقر علیہ السّلام کو صحیح سلامت نکال لینا۔ امام رضا علیہ السّلام کا راہِ خراساں میں سوکھے درخت کو ہرا کر دینا۔ برکۃ السباع میں درندوں کا امام محمد تقی علیہ السّلام کو ضرر نہ پہنچانا اور ان کے قدموں پر اپنے سر جھکانا۔ امام حسن عسکری علیہ السّلام کا شیر قالین کو زندہ کر دینا وغیرہ وغیرہ ایسے حقائق ہیں جن پر اسلامی تاریخ گواہ ہے اگر ان حضرات سے معجزات اور خارق عادات امور کا ظہور ہوتا رہا تو ماننا پڑے گا کہ ان حضرات کو عہدہ امامت خدا کی طرف سے ملا تھا۔

ہمارے ائمہ کے اندر جو روح قدس کارفرما تھی وہ روح نبوتی کا پرتو تھی اس لیے ان کے قوائے ظاہری و باطنی کا قیاس عام لوگوں کی قوتوں پر نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہے اُن حضرات پر جو ہمارے ائمہ کو تو صاحب معجزات تسلیم نہیں کرتے مگر اپنے فرقوں کے ارباب تصوف کی

کرامتوں کے قایل ہیں حالانکہ نہ وہ انبیا ہوتے ہیں نہ اوصیائے انبیا۔ نہ معصوم نہ محفوظ عن الخطا چنانچہ انوار نعمانیہ میں ہے کہ غزالی نے اپنی کتاب منقذ میں تصریح کی ہے کہ جب وہ چاہتے ہیں انبیا اور ملائکہ سے ملاقات کر لیتے ہیں۔ اور محی الدین عربی نے اپنی فتوحات میں لکھا ہے کہ وہ چند بار آسمان پر گئے اور جب عرش پر پہنچے تو وہاں حضرت ابوبکر کو دیکھا اور ہر ہر آسمان پر ہر ہر نبی کو دیکھا۔ حیوٰۃ الحیوان دمیری میں شیخ عبدالقادر جیلانی کی یہ کرامت نقل کی گئی ہے۔ عبدالقادر اپنے گھر سے ان متمردین کو دیکھتے ہیں جو دور دراز سرزمین پر لیتے ہیں تو وہ ان کی ہیبت سے بھاگتے ہیں اور جب خدا قایم کرتا ہے کسی قطب کو تو تمام جن وانس پر اس کو قبضہ دیتا ہے۔

اس قسم کی ایک دو نہیں سینکڑوں روایات کتب اہلسنت میں جب موجود ہیں تو پھر اعتراض کا محل کیا ہے۔

سوال: اگر ائمہ اہلبیت میں الوہی طاقت تھی تو انہوں نے اپنے دشمنوں کو زیر کیوں نہ کیا۔ ان کے بے پناہ مظالم کا شکار کیوں ہوئے۔

جواب: کیا جواب ہوگا اس معترض کے پاس اور اگر کوئی یہ کہے کہ نمرود اور فرعون کے دعوی خدائی کرتے ہی خدا نے ان کی گردن کیوں نہ مروڑ دی اور اس گستاخی کا موقع ان کو کیوں دیا۔ اور باجود زور نبوت رکھنے کے حضرت رسول خدا نے برسوں کفار قریش کے ظلم کیوں برداشت کئے۔ اگر یہ حضرات ہر موقع پر خدائی زور سے کام لیتے تو ان کی بندگی کا اظہار نہ ہوتا اور تسلیم ورضا کی منزلوں میں ان کے قدم کا نشان ڈھونڈا نہ ملتا۔ اور دین میں جبر واکراہ کو دخل ہو جاتا۔

سوال: اگر ائمہ غیب داں تھے اور ان کو اپنی موت کا حال معلوم تھا تو ان چیزوں کو کیوں کھایا جن میں ملا کر ان کو زہر دیا گیا تھا۔ کیا جان بوجھ کر ان کو کھانا خودکشی کے مترادف

نہ تھا۔

جواب: اگر وہ ان چیزوں سے درگزر کرتے تو قضاوقدر الٰہی سے مخالفت لازم آتی۔ جب قدرت نے ان کو بتا دیا تھا کہ تمہاری موت اس صورت سے واقع ہوگی تو پھر اس کے خلاف کوشش کرنا معاذ اللہ علم الٰہی کو غلط ثابت کرنا تھا اور اس کی توقع ایک برگزیدہ باری سے کی ہی نہیں جا سکتی۔

نبی اور جانشین نبی کا مساوی الصفات ہونا لازم ہے

عقل اور تجربہ دونوں شاہد ہیں کہ نائب اور منیب کے درمیان ایک قوی سررشتہ مساوات فی الصفات کا ہوتا ہے ورنہ بے ربط ذاتوں میں یہ تعلق مضحکہ خیز ہوگا۔ ایک عالم کا قایم مقام ایک عالم۔ طبیب کا قائم مقام ایک طبیب اور شاعر کا قایم مقام ایک شاعر ہی ہو سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ عالم و فقیہ کا جانشین ایک ڈاکٹر اور شاعر کا قایم مقام ایک فلسفی ہو جائے نیابت کا تعلق اس خدمت سے ہوتا ہے جو منیب سے متعلق ہوتی ہے۔ اگر نائب اس خدمت کو انجام دینے کی اہلیت نہیں رکھتا تو نیابت کو اس سے متعلق کرنا بے سود۔

نبوت ایک عہدہ الٰہی ہے جس کو انجام دینے کے لیے خدا نے اپنے مخصوص بندوں میں کچھ مخصوص صفات قرار دی ہیں چونکہ ان کی جانچ بندوں کے بوتے کا کام نہیں لہٰذا خدا نے انبیا اور اوصیائے انبیا کا نصب و تعین اپنے بندوں سے متعلق کیا ہی نہیں بلکہ اپنے ہی ید قدرت میں رکھا ہے۔

اب ہم آیات و احادیث سے اس کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ نبی و علی میں مساوات کی کیا صورت ہے۔

ثبوت اوّل: آیہ مباہلہ ہے۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (سورہ ال عمران ۶۱/۳)

(اے رسول اس کے بعد بھی کہ تمہارے پاس علم آچکا ہے اگر کوئی تم سے (عیسیٰ کے بارہ میں) جھگڑا کرے تو کہہ دو تم اپنے لڑکوں کو بلاؤ ہم اپنے لڑکوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ ہم اپنے نفسوں کو بلائیں پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر لعنت قرار دیں۔

تفسیر درمنثور میں حاکم سے روایت کی ہے اور ابن مردویہ نے اور ابو نعیم نے اس کی تصحیح کی ہے کہ جناب جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز نصاراے نجران کے سردار سید و عاقب آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور ابنیت حضرت عیسیٰ پر مباحثہ کرنے لگے ہر چند حضرت نے سمجھایا مگر وہ نہ سمجھے آخر مباہلہ قرار پایا۔ دوسرے روز مباہلہ کے لیے اس طرح برآمد ہوئے کہ امام حسینؑ کو آغوش میں لیے ہوئے امام حسنؑ کی انگلی پکڑے ہوئے حضرت فاطمہؑ ان کے پیچھے تھیں اور حضرت علیؑ ان کے پیچھے۔ اس تفسیر پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے اور اس پر بھی کہ ابناءنا کے مصداق حسنین علیہما السلام ہیں نساءنا سے مراد فاطمہؑ زہرا اور انفسنا سے مراد حضرت علیؑ ہیں پس جب نفس رسول ہونا ثابت ہو گیا تو پھر سوائے نبوت سائر کمالات میں آنحضرتؐ سے مساوی ہونا بھی لازم ہے اور جب ایسا ہے تو حضرت علیؑ کا تمام انبیاء سے افضل ہونا بھی ثابت ہوا۔

فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں حسب ذیل حکایت لکھی ہے۔ ایک شخص محمود بن حسن حصی شیعہ معلم تھے ان کا عقیدہ تھا کہ سوائے محمد مصطفےٰ کے علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں تمام انبیاء سے۔ اس نے لوگوں سے یہ دلیل بیان کی آیہ مباہلہ میں انفسنا سے مراد نفس محمدی نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی شخص اپنے نفس کو نہیں بلایا کرتا بلکہ اپنے غیر کو بلایا کرتا ہے اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ مباہلہ میں انفسنا کا مصداق علی کے سوا دوسرا نہ تھا لہٰذا آیت سے ثابت ہوا کہ نفس علی نفسِ محمد ہے اور عین نفس محمد چونکہ نہیں کہہ سکتے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ مثلِ نفسِ محمد ہے اور سوائے نبوت تمام صفات میں مساوات ہے ختم الانبیا کی فضیلت بالاجماع اس لیے ثابت ہے کہ آپ نبی تھے اور علی نبی نہ تھے اور یہ بھی بالاجماع ثابت ہے کہ آنحضرتؐ افضل ہیں تمام انبیاء سے لہٰذا علیؑ بہ حیثیت نفس نبی کے تمام انبیاء سے افضل قرار پاتے ہیں۔ اس کی موید ہے یہ حدیث۔

من اراد ان ینظر الی ادم فی علمہ والی نوح فی طاعتہ والی ابراھیم فی خلتہ والی موسی فی ھیبتہ والی عیسی فی زھدہ فلینظر الی علی بن ابی طالب

(جو چاہتا ہے علم میں آدم کو دیکھے نوح کو طاعت میں ابراہیم کو خلت میں۔ موسیٰ کو ہیبت میں اور عیسیٰ کو زہد میں تو اس کو چاہیے کہ علی بن ابی طالب کے چہرہ پر نظر کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیا کے وہ تمام صفات جو اُن کو ممتاز بنائے ہوئے تھے وہ سب من حیث المجموع ذات علی میں پائے جاتے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ علی تمام انبیاء سے افضل تھے۔

شیعی عالم کا یہ استدلال بیان کرنے کے بعد امام رازی لکھتے ہیں کہ متقدمین و متاخرین

شیعہ اس آیہ مباہلہ سے استدلال کرتے چلے آئے ہیں اس پر کہ علیؑ صحابہ سے افضل ہیں اس لیے کہ وہ نفس نبی ہیں اور نبی صحابہ سے افضل ہیں لہٰذا علی بھی افضل ہیں۔ اس کا جواب رازی صاحب یہ دیتے ہیں کہ اجماع مسلمین ہے اس پر کہ آنحضرتؐ افضل ہیں علی سے اور اس پر جو نبی ہے وہ افضل ہے غیر نبی سے لہٰذا علیؑ چونکہ نبی نہیں لہٰذا وہ باجماع امت انبیاء سے افضل نہیں ہو سکتے۔

امام رازی نے قرآن و حدیث کو چھوڑ کر انبیا کی فضیلت حضرت علی پر بالاجماع شیعوں کے مقابل ثابت کی ہے درانحالیکہ شیعہ اس اجماع کو باطل قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک قول معصوم حجت ہے اور بحمداللہ معصومین کا اس عقیدہ پر اجماع ہے اور قرآن و حدیث دونوں کی تائید بھی حاصل ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ امام رازی صاحب نے اجماع کی آڑ لے کر علیؑ پر انبیا کی افضلیت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی لیکن صحابہ کے لیے اتنا بھی نہ کر سکے۔

ثبوت دوم ۔ صواعق محرقہ باب احادیث فضائل علیؑ میں ہے کہ اخراج کیا ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہ فتح مکہ کے بعد جب حضورؐ طائف تشریف لائے تو اس کے محاصرہ کا حکم دیا سترہ یا انیس روز یہ محاصرہ جاری رہا پھر ان کے درمیان حضرت نے خطبہ دیا اور فرمایا۔ اوصیکم بعترتی خیراً فانّ موعدکم الحوض والذی نفسی بیدہ لتقیمن الصلوٰۃ ولتوتن الزکوٰۃ اولا بعثنّ الیکم رجلامنّی اونفسی یضربُ اعناقکم ثم اخذ بید علیؑ رضی اللہ عنہُ ثمّ قال ھو ھذا۔

میں وصیت کرتا ہوں تم سے اپنی عترت کے بارے میں تمہاری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ نماز قایم کرو زکوٰۃ ادا کرو ورنہ میں تمہاری طرف ایسے شخص کو بھیجوں گا جو مجھ

سے ہوگا یا میرے نفس کی مانند وہ تمہاری گردنیں مار دے گا اور علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا وہ یہ ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علی علیہ السّلام نفسِ رسولؐ اور مثل رسول ہیں۔

ثبوت سوم: نسائی صفحہ ۱۴۔ طبع مصر۔ زید بن یثیغ نے ابی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا۔

لینتهین بنو ربیعه او لا بعثن علیهم رجلاً لنفسی ینفذ فیهم امری ویقتل المقاتلة ویسر الذریة فما راعنی و کف عمر فی حجزتی من خلفی من یعنی قلت ایاك یعنی و صاحبك قال فمن یعنی قلت خاصف النعل قال و علیؑ یخصف النعل

بنو ربیعہ کو چاہیے کہ اپنی حرکات سے باز رہیں ورنہ میں ایسے شخص کو اُن پر مسلط کرونگا جو مثل میرے نفس کی ہے تاکہ وہ ان میں میرے حکم کو جاری کرے اور ان کو قتل کرے اور اُن کی ذرّیت کو قید کرے۔ راوی کہتا ہے یہ سنکر عمر نے پیچھے سے میرے نیفہ کو پکڑ کر پوچھا اس سے حضرت کی مُراد کون ہے۔ میں نے کہا تم اور تمہارا صاحب۔ جو جوتا ٹانک رہا ہے اور علیؑ جوتا ٹانک رہے تھے۔

اس روایت میں جو علیؑ کے ساتھ دوسرا نام شامل کیا گیا ہے اس کی تصدیق دوسری روایات سے نہیں ہوتی چنانچہ

غایۃ المرام میں مسند احمد حنبل سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن احمد حنبل نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور اس نے عبدالرزاق سے اور اس نے طاؤس سے اور اس نے عبداللہ بن حنطب سے کہ فرمایا حضرت رسولخداؐ نے وفد ثقیف سے لتسلمنّ او لا بعثنّ الیکم رجلاً منّی او قال مثل نفسی فلیضربنّ

اعناقکم ولَیبینّ ذراریکم ولَیاخذنّ اموالکم قال عُمر واللّٰہ ما اشتہیتُ الامارۃ اِلا یومئذٍ فجعلتُ انصب صدری لھا رجاءً ان یقولَ ھذا۔ فالتفت الی علیٍ فاخذ بیدہٖ ثم قال ھذا ھو مرتین

(تم اسلام لاؤ گے یا میں بھیجوں تمہاری طرف ایسے مرد کو جو مجھ سے ہو یا مثل میرے نفس کی ہو تاکہ تمہاری گردنیں مار دے اور تمہاری ذریت کو قید کرے اور تمہارے اموال کو لے لے۔ عمرؓ کہتے ہیں مجھے امیری کی خواہش ایسی کسی دن نہیں ہوئی جیسی اس دن۔ پس میں اس اُمید میں اپنے سینے کو بلند کرنے لگا کہ حضرتؐ فرمائیں یہ وہ ہے، لیکن حضرتؐ نے علیؑ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا وہ یہ ہے (دو مرتبہ)

اس قسم کی کئی روائیتیں مختلف کتابوں میں پائی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی مثل اور اپنا نفس قرار دیا ہے اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک صفات میں مساوات نہ ہو۔

ثبوت چہارم: موافق بن احمد نے انس بن مالک سے روایت کی ہے اور صاحب غایۃ المرام نے بھی اس کو نقل کیا ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا مَامِن نبیٍ اِلاّ ولہٗ نظیر فی امتہ و علیٌ نظیری نہیں ہے کوئی نبی مگر یہ کہ اس کا نظیر ہے اس کی امت میں پس میرا نظیر علی ہے۔ یہ حدیث ینابیع المودۃ صفحہ ۲۰۴ طبع مصر میں بھی ہے۔

ثبوت پنجم۔ صاحب غایۃ المرام نے مسند احمد حنبل سے نقل کیا ہے کہ حذیفہ یمانی سے مروی ہے۔

اخا رسول اللّٰہ بین المھاجرینَ والانصار وَ کانَ یواخی بین رجل

و نظیرہ ثم اخذ بید علی بن ابی طالب فقال ھذا اخی قال حذیفہ فرسول اللہ سید المرسلین و امام المتقین و رسول رب العالمین الذی لیس لہ شبیہ ولا نظیر و علیٌ اخوہ

(مواخات قایم کی رسول اللہؐ نے مہاجرین و انصار کے درمیان اور حضرت مواخات قایم کرتے تھے دو ایسے شخصوں کے درمیان جو ایک دوسرے کی نظیر و مثل ہوں پھر علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا یہ میرا بھائی ہے۔ حذیفہ نے کہا کہ رسول خدا سید المرسلین امام المتقین اور رسول رب العالمین ہیں جن کا کوئی مثل و نظیر نہیں اور علیؑ ان کے بھائی ہیں۔

ثبوت ششم۔ غایۃ المرام میں موافق بن احمد کی کتاب فضائل سے نقل کیا ہے کہ جناب سیدہ نے فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار نے ارشاد فرمایا علیٌ نفسی فمن رأیتہ یقول فی نفسہ شیئاً (علی میرے نفس ہیں پس کسی کو دیکھا ہے تو نے کہ اپنے نفس کے متعلق کوئی بری بات کہے۔

ثبوت ہفتم۔ خصائص نسائی ص ۲ مطبوعہ مصر۔ امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا۔

ماسئلتُ ربی شیئاً فی صلوتی الا اعطانی وما سألتُ لنفسی شیئاً الا سئلتُ لکَ

میں نے نماز میں اپنے رب سے کسی چیز کا سوال نہیں کیا مگر یہ کہ اس نے مجھے عطا کی اور جو کچھ میں نے اپنے لیے مانگا وہی تمہارے لیے بھی مانگا۔

ثبوت ہشتم: مودۃ القربیٰ مودت سادسہ میں ابن عباس سے منقول ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا۔

انا وعلیؑ مِن شجرۃٍ واحدہ والنّاسُ مِن اشجارٍ شتّیٰ ۔ بروایت دیگر خلق الانبیاء مِن اشجارٍ شتّیٰ وَ خلقنی وَعلیاً مِن شجرۃ وَاحدۃٍ فانا اصلھا وعلی فرعھا والحسن و الحسین اثمارھا واشیاعنا اوراقھا فمن تعلقّ بھا نجیٰ وَمَن زاغ عنھا ھوی

میں اور علیؑ ایک درخت سے ہیں باقی سب مختلف درختوں سے ہیں اور ایک روایت میں ہے خدا نے انبیا کو مختلف درختوں سے پیدا کیا اور مجھے اور علیؑ کو ایک درخت سے پس میں اصل ہوں اور علیؑ اس کی فرع ہیں اور حسنؑ و حسینؑ اس کے پھل ہیں اور ہمارے شیعہ اس کے پتے ہیں پس جس نے اس درخت سے تعلق رکھا نجات پائی اور جس نے روگردانی کی ہلاک ہوگیا۔

ثبوت نہم بسند احمد حنبل سے غایۃ المرام میں نقل ہوا ہے کہ سلمان فارسی سے مروی ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا۔

کنتُ انا وعلی نوراً بین یدی اللّٰہ عزوجلّ قبل اَن یخلق اٰدم باربعۃ عشر الف عامٍ فلماً خلق اللّٰہُ آدم قسّم ذلک النور جزئین فجزءٌ انا وجزء علی۔

خلقت آدم سے چودہ ہزار سال قبل میںؐ اور علیؑ ایک نور تھے اللہ کے سامنے پس جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو خدا نے دو حصّوں میں تقسیم کر دیا پس ایک جزء میں ہوں اور دوسرے علیؑ ہیں۔

یہ حدیث نور بہ کثرت راویوں سے فریقین کی کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔

ثبوت دہم: ینابیع المودہ میں کتاب خوارزمی سے ایک طویل حدیث نقل کی

ہے۔ امیرالمومنین علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ حضرت رسولخداؐ نے مجھ سے فرمایا۔

یَاعلی حربکَ حربی وَسلمکَ سلمی وَسرکَ سرّی و علانیتکَ علانیتی و سریرۃ صدرکَ سریرۃ صدری وَانتَ باب علمی وَانَّ وَلَدکَ وَلَدی و لحمکَ لحمی و دمُکَ دَمی وَانَّ الحقَّ معکَ والحقَّ علیٰ لِسانکَ فی قلبکَ وَبین عینیکَ والایمان تخالُط لحمکَ وَ دمکَ کما خالط لحمی و دمی

اے علی تیری جنگ میری جنگ ہے اور تیری صلح میری صلح ہے اور تیرا بھید میرا بھید ہے اور تیرا اظہار میرا اظہار ہے۔ تیرے سینہ کا راز میرا راز ہے تو میرے علم کا دروازہ ہے۔ تیری اولاد میری اولاد ہے۔ تیرا گوشت میرا گوشت اور تیرا خون میرا خون ہے۔ حق تیرے ساتھ ہے۔ تیری زبان پر۔ تیرے دل میں اور تیری آنکھوں کے سامنے ہے اور ایمان تیرے گوشت اور پوست میں اسی طرح مخلوط ہے جیسے میرے گوشت اور پوست میں۔

ثبوت یازدہم ۔ غایۃ المرام میں ابن عباس سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا۔

علیٌّ مِنّی کجلدی علی مِنّی کلحمی علیٌّ مِنّی کعظمی کدمی فی عروقی علیٌّ منّی اخی و وصیّی فی اھلی وَخلیفتی فی قومی یقضی دینی و ینجز عدتی علیّ منّی فی الدنیا اِذامتُ عوض منّی

علی مجھ سے ہے میری جلد بدن کی طرح۔ علی مجھ سے ہے میرے خون کی طرح علی مجھ سے ہے میری ہڈی کی طرح۔ وہ خوں کی طرح میری رگوں میں سمایا ہوا ہے علی مجھ سے ہے میرا بھائی ہے میرا وصی ہے میری اہل میں میرا خلیفہ

ہے میری قوم میں۔ وہ میرا قرض ادا کرے گا۔ میرا وعدہ پورا کرے گا دنیا میں جب میں مروں گا تو میرا عوض ہوگا۔

تتبع کتب فریقین سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دو کیا بے شمار خصوصیات میں علی علیہ السلام شریک رسول ہیں۔ جن میں سے صرف بیس باتیں ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

۱۔ علی اور نبی دونوں اوّل مخلوق ہیں جیسا کہ رسول نے فرمایا۔

اوّل ما خلق اللہ نوری خُلقتُ انا و علیٌ من نور واحد

۲۔ صراط مستقیم اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سورہ یٰسین ۳۶/۳)

هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ (سورہ الحجر ۱۵/۴۱)

۳۔ سبیل قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ (سورہ یوسف ۱۲/۱۰۸)

وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (سورہ یوسف ۱۲/۱۰۸)

۴۔ وجوب اطاعت: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (سورہ النساء ۴/۵۹)

۵۔ عصمت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (سورہ الاحزاب ۳۳/۳۳)

۶۔ ایک گوشت و پوست: لحمک لحمی و دمک دمی

۷۔ ولایت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ (سورہ المائدہ ۵/۵۵)

۸۔ ھدایت: لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (سورہ الفرقان ۲۵/۱)

اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

(سورہ الرعد ۱۳/۷)

۹۔ وجوب مودت: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (سورہ الشوریٰ ۴۲/۲۳)

۱۰۔ صلوات: اللهم صلّ علىٰ محمد و آلِ محمد

۱۱۔ خمس اور صدقہ۔ خمس میں رسول کی طرح حضرت علی کا بھی حصہ ہے اور صدقہ رسول کی طرح ان پر بھی حرام ہے۔

۱۲۔ نبی کتاب مبین علی امام مبین

۱۳۔ فاروق۔ نبی صاحب فرقان تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (سورہ الفرقان ۲۵/۱) اور علی سے رسول نے فرمایا۔ انت الصدّیق الاکبر و انت الفاروق الذی یفرق بین الحق و الباطل و انت یعسوب المومنین

۱۴۔ حق۔ نبی کے لیے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (سورہ التوبہ ۹/۳۳) اور علی کے متعلق رسول نے فرمایا۔ علیٌ مع الحق و الحق مع علی

۱۵۔ شہادت۔ نبی مشہود۔ علی شاہد۔ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ (سورہ ہود ۱۱/۱۷)

۱۶۔ نبی کے لیے شق القمر علی کے لیے رجعت شمس۔

۱۷۔ نبی مالک کوثر۔ علی ساقی کوثر۔

۱۸۔ نبی اوّل المسلمین قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ (سورہ الانعام ۶/۱۴) اور علی کے لیے رسول نے فرمایا یا علی انت اوّل من اٰمن بی

۱۹۔ جس کے مولا علی اس کے مولا نبی من کنتُ مولاہ فھذا علیٌ مولاہ

۲۰۔ نبی و علی ایک ہی شجرے ہیں انا و علیؑ من شجرۃ واحدہ

مذکورہ بالا خصوصیات سے ثابت ہوا کہ نور میں۔ طینت میں۔ جسم و روح میں کمالاتِ نفسی اور روحانی میں مراتب تقرب میں سوائے عہدۂ نبوت و رسالت حضرت علیؑ اور سرکار دو عالم میں مساوات ہے لہٰذا نیابت رسول کے لیے حضرت علیؑ سے زیادہ مستحق کوئی نہیں ہو سکتا۔ من کان خلف النبی فھو اشبہ بالنبی پر نظر رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو خلافت ہر طرح علیؑ کا حق ہے ؎

نبی و علی ہر دو نسبت ہم دوتا و یکے چوں زبان قلم

مساوات کی جو صورتیں علی علیہ السلام میں پائی جاتی ہیں ان کا وجود کسی ایک صحابی میں بھی نہیں پایا جاتا۔ نیابت کا کام صحیح معنی میں وہی انجام دے سکتا ہے جو اپنے منیب کے کمالات کا حامل ہو۔ جناب سرور انبیا اپنے کمالات و اوصاف و خصوصیات میں جملہ انبیا و مرسلین سے ممتاز تھے ان میں خداداد قابلیتیں سب سے زیادہ تھیں پس ضروری تھا کہ جو کوئی ان کا قائم مقام ہو وہی امتیازی شان اس کو بھی حاصل ہو ورنہ جو کام آنحضرتؐ کی سپرد کیا گیا تھا وہ پوری طرح انجام نہ پا سکے گا جیسا کہ بعد میں آپ کے اُن جانشینوں سے ظاہر ہوا جو منصوص من اللہ نہ تھے۔

امام روشن ضمیر ہوتا ہے

امامت مطلقہ کلیہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ امام روشن ضمیر ہو۔ یہ صفت ہمارے ائمہ میں موجود تھی۔ چند شواہد کتب اہلسنت سے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شواہد النبوۃ جامی میں جندب بن عبد الازدی سے منقول ہے کہ جنگ جمل و صفین میں، میں امیر المومنین علیہ السّلام کے ساتھ تھا مجھ کو حضرت کے حق پر ہونے میں شک نہ تھا لیکن جب نہروان میں آیا تو میرے دل میں شک پیدا ہوا کہ وہ لوگ سب قاریان قرآن ہیں ان کا قتل کرنا گناہِ عظیم ہے۔ ناگاہ ایک سوار آیا اور امیر المومنینؑ سے کہنے لگا مخالفین نہر سے گزر گئے۔ حضرت نے فرمایا ہرگز نہیں گزرے۔ اس نے قسم کھا کر کہا کہ گزر گئے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں گزرے۔ اسی اثنا میں دوسرا شخص آیا اس نے بھی یہی کہا کہ گزر گئے امیر المومنینؑ نے فرمایا واللہ نہیں گزرے اس نے کہا میں نے ان کے جھنڈے دریا کے اس پار دیکھے ہیں۔ حضرت نے فرمایا واللہ نہیں گزرے اور کیونکر گزریں گے درانحالیکہ ان کے خون گرنے کی یہی جگہ ہے۔ میں نے کہا الحمد للہ حضرت کی صداقت کو جانچنے کا ایک معیار ہاتھ لگا۔ اگر مخالفین نہروان سے گزر گئے ہوں گے تو سب سے اوّل علی سے لڑنے والا میں ہوں گا اور اگر نہ گزرے ہوں گے تو حضرت کے مخالفوں سے جنگ کروں گا۔ پس جب میں صفوان سے گزرا تو دیکھا کہ ان کے جھنڈے اپنے مقام پر موجود ہیں۔ حضرت علیؑ نے میری پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اے فلاں اب تو حقیقتِ حال تجھ پر واضح ہو گئی۔ میں نے کہا بے شک امیر المومنین۔

۲۔ فصول المہمہ ابن صباغ مالکی اور نور الابصار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۷ میں ہے کہ عبد الملک ابن مروان نے حجاج گورنر کوفہ کو ایک خط میں لکھا کہ قتل اولاد عبد المطلب سے اجتناب کر کیونکہ آل ابو سفیان ایک مدت سے ایسا کرتے چلے آرہے ہیں اگرچہ یہ خط خفیہ تھا مگر امام زین العابدین علیہ السّلام کو بعلم امامت اس خط کا حال معلوم ہو گیا آپ نے عبد الملک کو لکھا کہ فلاں روز فلاں ساعت ہم اولاد عبد المطلب کے بارے میں ایسا ایسا خط لکھا ہے خدا کے نزدیک تیرا یہ حکم مشکور ہے۔ عبد الملک نے جب تاریخ اور وقت کو جانچا تو بالکل

ٹھیک پایا۔

۴۔ شواہد النبوۃ میں فیض بن مطر سے مروی ہے کہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضرت سے محل میں نماز شب کے متعلق سوال کروں۔ ابھی میں سوال کرنے بھی نہ پایا تھا کہ حضرت نے فرمایا کہ حضرت رسولخدا راحلہ پر نماز پڑھتے تھے۔ میں حضرت کے اس کشف ضمیر پر حیران رہ گیا۔

عبداللہ بن عبدہ کہتا ہے کہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کے در دولت پر حاضر ہوا اور لوگ بھی تھے ان سب کو باریابی کی اجازت ملی مگر مجھے نہیں۔ میں نہایت ملول گھر واپس آیا۔ دل میں کہتا تھا کہ اب کس کی طرف رجوع کروں اگر فرقہ مرجیہ کی طرف رجوع کروں تو وہ یہ کہتے ہیں۔ قدریہ۔ حروریہ یا زیدیہ کی طرف رجوع کروں تو وہ یہ کہتے ہیں ان کے عقائد مجھے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ ناگاہ کسی نے دق الباب کیا میں نے پوچھا کون ہے کہا میں قاصد ہوں امام محمد باقر علیہ السلام میں اس کے ساتھ حاضر خدمت ہوا فرمایا نہ مرجیہ کی طرف رجوع کرنہ قدریہ وحروریہ وزیدیہ کی طرف بلکہ ہماری طرف رجوع کر میں حیران رہ گیا کہ حضرت نے بغیر میرے کہے کیسے جان لیا۔

۵۔ شواہد النبوۃ میں ہے کہ ایک راوی نے بیان کیا کہ مکہ میں ایک چادر میں نے خریدی وہ مجھے ایسی پسند آئی کہ میں نے چاہا کہ میرے مرنے کے بعد مجھے اس کا کفن دیا جائے جب عرفات سے مزدلفہ میں آیا تو وہ گم ہوگئی۔ جب مزدلفہ سے منیٰ میں آیا اور مسجد خیف میں پہنچا تو ایک شخص نے مجھ سے کہا امام جعفر صادق علیہ السلام تجھے بلاتے ہیں میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کیا میں دوں تجھے ایسی چادر جو تیرے کفن میں کام آئے پھر غلام کو حکم دیا کہ چادر لائے اب جو میں نے دیکھا تو بعینہٖ وہی چادر تھی۔ مجھے سخت تعجب ہوا کہ امام نے مجھے کیسے جانا میرے ارادے سے کیسے واقف ہوئے اور یہ چادر حضرت تک کیسے پہنچی۔

۶۔ اسی کتاب میں ہے کہ ایک شخص نے امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کو چند مکتوب اپنی جیب سے نکال کر دیئے اسی وقت حضرت نے چند مکتوب اپنی آستین سے نکال کر اسے دیئے اور فرمایا یہ جواب ہیں تمہارے سوالات کے۔

۷۔ جامی نے شواہد النبوہ میں لکھا ہے کہ شفیق بلخی سے روایت ہے کہ قادسیہ میں میں نے ایک جوان کو دیکھا اس نے رو گندم گوں پشمینہ پہنے ہوئے۔ ایک تنہا مقام پر بیٹھا تھا۔ میں نے دل میں کہا یہ کوئی صوفی ہے چاہتا ہے کہ اس سفر میں مسافروں کے لیے بارِ خاطر ہو۔ میں چل کر ذرا اسے سرزنش کروں۔ جب میں قریب پہنچا تو اس نے فرمایا اے شفیق، اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (سورہ الحجرات ۴۹/۱۲) اس کے بعد اٹھا اور ایک طرف کو چلا گیا۔ میں نے دل میں کہا یہ عجیب بات ہے اس نے میرے دل کی بات معلوم کرلی اور میرا نام بھی بتا دیا۔ یہ ضرور خدا کا نیک بندہ ہے اس سے اپنی بدگمانی کی معافی مانگنی چاہیے میں نے بہت تلاش کیا مگر اسے نہ پایا۔ جب دوسری منزل آئی تو اسے نماز پڑھتے دیکھا اس طرح کہ اس کا بدن خوفِ خدا سے کانپ رہا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں نے دل میں کہا یہ کوئی برگزیدہ باری ہے اس سے ضرور معافی مانگ جائے جب نماز ختم ہوئی تو میں اس کے پاس پہنچا ابھی کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ اس نے یہ آیت پڑھی۔ إِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ (سورہ طہٰ ۲۰/۸۲) یہ کہہ کر پھر مجھ سے جدا ہو گیا میں نے دل میں کہا یہ ضرور ابدال ہے اس نے دوبارہ میرے دل کا بھید بتایا۔

جب اگلی منزل آئی تو میں نے اس جوان کو ایک کنوئیں کے کنارے کھڑا پایا پانی لینا چاہتا تھا کہ ناگاہ اس کی مشک کنوئیں میں گر گئی اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ انت شربی اذا ظمئتُ الی الماءِ وقوتی اذا اردتُ طعاماً اللھم مالی

سواھا فلا تحرمینھا رتو نے مجھے سیراب کیا جب میں پیاسا ہوا اور کھانا دیا جب میں بھوکا ہوا۔ یا اللہ اس مشک کے سوا میرے پاس دوسری نہیں پس مجھے اس سے محروم نہ کر میں نے دیکھا کہ کنوئیں کا پانی بلند ہوا اور اس نے اپنی مشک کو لے لیا پھر وضو کیا اور چار رکعت نماز پڑھی۔ پھر وہ ایک تودۂ ریگ کی طرف بڑھا اور ریت کو اپنی مشک میں بھر لیا اور اسی مشک سے لوگوں کو پانی پلانے لگا۔ میں نے قریب جاکر سلام کیا اس نے جواب سلام دیا۔ میں نے کہا وہ چیز مجھے بھی دیجئے جو خدا نے آپ کو دی ہے۔ فرمایا اے شقیق خدا کی ظاہری اور باطنی نعمتیں ہم پر نازل ہوتی ہیں۔ خدا کی طرف اپنا گمان نیک رکھ پھر اس نے اس کا پانی مجھے پلایا۔ میں نے پیا تو شکر اور ستو کا مزہ تھا۔ میں نے اس سے زیادہ لذیذ غذا اب تک نہ کھائی تھی۔ میں ایسا سیر و سیراب ہوا کہ کئی روز تک ضرورت کھانے پینے کی نہ رہی۔ اس کے بعد میں نے نہ دیکھا۔ جب میں مکہ پہنچا تو دیکھا وہ جوان شب کی تاریکی میں نماز ادا کر رہا ہے اور زار زار اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ صبح تک وہ نماز میں مشغول رہا۔ صبح کی نماز پڑھ کے طواف میں مشغول ہوا۔ جب طواف سے فراغت ہوئی تو بہت سے لوگوں نے ان کو گھیر لیا وہ دست بوسی کر رہے تھے۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ امام موسیٰ کاظمؑ ہیں۔ میں نے کہا بے شک یہ عجائب ان ہی سے ظہور میں آسکتے ہیں۔

۶۔ شواہد النبوہ میں ذکر امام رضا علیہ السلام کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ایک کوفی کہتا ہے کہ میں کوفہ سے بقصد خراسان چلا میری دختر نے ایک حلّہ مجھے دیا کہ اسے فروخت کر کے ایک فیروزہ میرے لیے خرید کر لینا۔ جب میں مرو پہنچا تو امام رضا علیہ السلام کا ایک غلام میرے پاس آیا اور کہنے لگا امام علیہ السلام کا ایک غلام مرگیا ہے اس کے کفن کے لیے چادر درکار ہے جو حلّہ تمہارے پاس ہے اسے بیچ ڈالو۔ میں نے کہا میرے پاس کوئی حلّہ نہیں وہ

واپس گیا اور کچھ دیر بعد پھر آیا اور کہنے لگا امام نے فرمایا ہے کہ تیرے پاس سے تیری لڑکی نے یہ کہہ کر دیا تھا کہ اسے فروخت کر کے میرے لیے فیروزہ خرید لانا۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے قیمت دی اور میں نے حُلّہ اس کے سپرد کر دیا۔ اب میں نے سوچا کہ حضرت سے چند مسئلے دریافت کروں۔ میں نے ایک کاغذ پر چند سوال لکھے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ میں حضرت کے پاس تک نہ جاسکا۔ اپنی جگہ پر متحیّر تھا کہ کیسے پہنچوں۔ ناگاہ حضرت کا ایک غلام میرے پاس ایک پرچہ لایا اور کہا کہ یہ تیرے سوالات کے جوابات ہیں۔ میں نے اس پرچہ کو کھول کر دیکھا تو میرے تمام سوالات کے جوابات اس میں تھے۔

۷۔ شواہد النبوہ میں یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک شخص ناقل ہے کہ میں نے حضرت رسولخداؐ کو خواب میں دیکھا کہ مسجد میں تشریف فرما ہیں اور حضرت کے سامنے خرموں سے بھرا ایک طبق رکھا ہے۔ حضرت نے ان میں سے ایک مٹھی بھر خرمے مجھے دیئے میں نے شمار کیا تو سترہ تھے بیس روز کے بعد میں نے دیکھا کہ امام رضا علیہ السّلام اسی مسجد میں اسی جگہ تشریف فرما رہیں جہاں میں نے حضرت رسولخداؐ کو بیٹھا دیکھا تھا امامؑ کے سامنے بھی خرموں کا ایک طشت بھرا رکھا تھا جب میں حضرت کے سامنے گیا تو آپ نے بھی ایک مٹھی خرمے مجھے عطا فرمائے۔ میں نے کہا کچھ اور بھی عطا فرمایئے فرمایا اگر میرے جد حضرت رسولخداؐ نے زیادہ دیئے ہوتے تو میں بھی دے دیتا۔ اب جو میں نے شمار کیے تو وہی سترہ تھے۔

۸۔ اسی کتاب میں یہ حکایت بھی لکھی ہے کہ ایک تاجر سفر کر رہا تھا۔ راستہ میں ڈاکوؤں نے اسے گھیر لیا اور اس کے منہ میں برف بھر دی جس سے اُس کی زبان بیکار ہو گئی وہ نیشاپور اس خیال سے پہنچا کہ امام رضا علیہ السّلام سے کوئی دوا معلوم کرے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی اور سعتر و نمک کو پانی میں تر کر کے منہ میں رکھے سے شفا ہو گی جب

بیدار ہوا تو اس خواب کا اعتبار نہ کیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مرض کا حال بیان کیا خواب کا ذکر نہ کیا آپ نے فرمایا جو دوا میں نے خواب میں بتادی ہے وہی تیرے مفید ہے۔

۹۔ امام محمد تقی علیہ السلام کے حال میں ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کہنے لگا ایک دشمن مجھ سے برسرپیکار ہے اس سے حفاظت کے لیے کوئی دعا تعلیم فرمایئے فرمایا وہ تو اپنے سفر میں مرگیا اب اس سے اندیشہ نہ کر۔

۱۰۔ فرائد السمطین اور غایۃ المرام میں ہے کہ حضرت رسولخدا نے امام علی نقی علیہ السلام بارے میں خبر دی ہے والبسها السكينة و الوقار و اودعها العلوم و كل سر مكتوم من لقيه و فى صدره شئي انباه ۔ خدا نے اس کو سکینہ اور وقار عطا فرمایا ہے اور علوم دین اس کے سپرد کیے ہیں اور جو اس سے ملے گا وہ اس کو اس کے دل کے بھید سے آگاہ کر دے گا۔

۱۱۔ شواہد النبوہ میں جامی نے لکھا ہے کہ محمد بن علی ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر کہتے ہیں کہ ہم بہت تنگدستی میں تھے کہ میرے باپ نے کہا ابو محمد زکی کی سخاوت بہت مشہور ہے میں نے کہا آپ ان کو پہچانتے ہیں کہا نہیں۔ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں پس ہم چلے راہ میں میرے باپ نے کہا اگر انہوں نے مجھے پانچسو روپے دیدیئے تو دو سو روپے کا کپڑا خرید لوں دو سو کا غلہ اور سو روپے دیگر اخراجات کے لیے رکھ لوں گا میں نے دل میں کہا اگر مجھے پانچسو ملجاتے تو تین سو روپے کا کپڑا خریدتا سو روپیہ میں ایک دراز گوش سواری کے لیے اور سو روپے دیگر اخراجات کے لیے۔ پس ہم دونوں حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت نے فرمایا کیا وجہ ہوئی کہ تم میرے پاس نہیں آئے۔ میرے باپ نے کہا مجھے اس حال سے آپ پاس آتے شرم آئی۔ کچھ دیر باتیں کر کے ہم باہر نکلے تو حضرت کا غلام ایک صرہ درہموں کا لے

آیا اور میرے باپ سے کہا یہ پانچو درہم امام حسن عسکری علیہ السّلام نے آپ کے لیے بھیجے ہیں۔ ساتھ ہی ایک دوسرا غلام دوسری تھیلی لیے آیا اور مجھے دے کر کہا یہ آپ کو بھیجے ہیں۔

کتب فریقین میں ایسے بہت سے واقعات ہمارے ائمہ کے متعلق موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب حضرات روشن ضمیر تھے۔

حضرات اہلسنت اکثر صوفیائے کرام کی روشن ضمیری کے بھی قایل ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حضرات اپنی ریاضت سے صاحب کشف ہو گئے ہوں لیکن امامت مطلقہ کلیہ کا جو حق معصوم ہے ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے بہت سے شرائط ہیں جن میں سب سے پہلی چیز عصمت ہے پھر من جانب اللہ علم دین کی تعلیم پھر احکام دین پر صحیح عمل۔

امام کا مستجاب الدعوات ہونا لازم ھے

اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ خلاق عالم نے اپنے بندوں سے دعا قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے ادعونی استجب لکم (سورہ المومن) ہم نیکوں کا کیا ذکر وہ اپنے گنہگار بندوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے تو پھر معصوم کی دعا کے رد ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چونکہ ائمہ اہلبیت سب کے سب معصوم تھے لہٰذا وہ یقیناً مستجاب الدعوات تھے۔ چونکہ یہ حضرات اسم اعظم الہی کے ذریعے دعا کرتے تھے لہٰذا ان کی دعا کا قبول ہونا لازم تھا۔

جو لوگ ہمارے ائمہ کے مستجاب الدعوات ہونے کو نہیں مانتے ان کو ذرا اپنی تفسیروں میں عالم بنی اسرائیل بلعم باعور کا قصہ پڑھ لینا چاہیے۔ بلعم حضرت موسیٰ کے زمانہ میں ایک عالم تھا جسکو اسم اعظم الہٰی معلوم تھا ہر دعا میں وہ اسی کے واسطے کرتا تھا جو قبول ہوتی تھی۔

حضرت موسیٰ اہم معاملات میں اس سے دعا کراتے تھے لیکن جب وہ بادشاہ سے مل گیا اور اسم اعظم اس سے لے لیا گیا تو پھر اس کی دعا کا اثر جاتا رہا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ بلعم معصوم نہ تھا لیکن اسم اعظم کی برکت سے اس کی دعائیں قبول ہوتی رہیں۔ پس جو ذوات مقدسہ معصوم بھی ہوں، منصوص من اللہ امام بھی ہوں ان کے مستجاب الدعوات ہونے میں شک کرنا ان کو تقرب میں بلعم سے بھی پست قرار دینا ہے۔

اب سوال یہ باقی رہتا ہے کہ ہمارے ائمہ اسم اعظم جانتے تھے یا نہیں تو اس کے ثبوت حسب ذیل ہیں۔

(۱) درۃ المعارف عبد الرحمن بطامی سے ینابیع المودۃ صفحہ ۴۰۲ چھاپ مصر میں نقل کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا (سورہ النمل ۲۷/۱۵) قال بعض المفسّرین ذلکَ هوالاسم الاعظم مرکبٌ من حروف الواردةِ فی فواتح السُّوَر وکانَ مکتوباً علی خاتم سلیمان بن داودبهِ الَنَّ اللّٰه الحدیدَ لِداودَ وسخر الجن لسلیمانَ وطوی الارض للخضر وبه تعلم العلم اللّدنی وبه اُوتی عرش بلقیس وبه یحیٰی عیسی الطّیرَ وکان مکتوباً علی عصا موسی علیه السلام و سیف علی کرّم اللّٰه وجهه وکما بلغنا عن الامام الحسین بن علی رضی اللّٰه عنهما انه سئله رجلٌ عن معنی کٓهٰیٰعٓصٓ فقال له لو فسّرتها لک لمیشت علی الماء

فرمایا اللہ تعالیٰ نے دیا ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وہ اسم اعظم تھا جو مرکب ہے ان حروف سے جو سوروں کے شروع میں ہیں اور وہ نقش تھا خاتم سلیمان پر اور اسی سے نرم کیا لوہا داؤد کے لیے اور مسخر کیا قوم جن کو سلیمان کے

لیے اور طی الارض ہوا خضر کے لیے اور اسی سے علم لدنی معلوم ہوتا ہے اور اسی سے تخت بلقیس لایا گیا اور اسی سے عیسیٰ نے طایر کو زندہ کیا یہی اسم اعظم لکھا تھا عصائے موسیٰ پر اور یہی لکھا علی علیہ السلام کی تلوار پر اور یہ معلوم ہوا ہے ہم کو کہ کسی نے امام حسین علیہ السلام سے کھیعص کے معنی پوچھے فرمایا اگر میں اس کی تفسیر بیان کروں تو تو پانی پر چلنے لگے۔

(۲) ینابیع المودہ میں محی الدین عربی کی الصحیقات الجفریہ بالقواعد الجعفریہ سے نقل کیا ہے۔ قد صنف الجفر الجامع فی اسرار الحروف وفیہ ماجری للاولین ومایجری للاخرین وفیہ اسم اللہ الاعظم وتاج ادم و خاتم سلیمان وحجاب اصف علیہم السلام و کانت الائمتہ الراسخون من اولادہ رضی اللہ عنہم یعرفون اسرار ھذا الکتاب الربانی (تصنیف ہوئی کتاب جفر جامع اسرار حروف میں اور اس میں وہ سب کچھ ہے جو واقع ہو چکا ہے اولین میں یا ہونے والا ہے آخرین میں اور اس میں اسم اعظم ہے اور تاج آدم و خاتم سلیمان اور حجاب آصف اور ائمہ راسخین اولاد علی رضی اللہ عنہم جانتے تھے اسرار کو اس کتاب ربانی کے)

(۳) قرآن کی تعریف میں یہ آیت ہے وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى (سورہ الرعد ۱۳/۳۱) یعنی قرآن وہ ہے جس سے پہاڑ چلائے جائیں بلاد قطع کیے جائیں اور مردے بول اٹھیں تو ممکن ہے اور کتاب۔ تسیر الوصول، جناب رسولخدا سے منقول ہے کہ خدا کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (سورہ البقرہ ۲/۱۶۳) اور سورہ آل عمران کی یہ پہلی آیت اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (سورہ ال عمران ۳/۲) اخراج کیا ہے اس حدیث کا ابوداؤد و ترمذی نے ہمارے ائمہ معصومین چونکہ عالم قرآن تھے اور اسم اعظم قرآن میں ہے لہٰذا وہ اسم اعظم کے جاننے والے بھی ضرور تھے اور جب اسم اعظم جانتے تھے تو ان

کی دُعا کا قبول ہونا بھی ضرور۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرتؐ مباہلہ میں علیؑ و فاطمہؑ اور حسنینؑ کو اپنے ساتھ یہ کہہ کر نہ لے جاتے کہ جب میں بد دُعا کروں تو تم آمین کہنا۔ حضرت جانتے تھے کہ جس طرح میری بد دُعا بارگاہِ باری سے رد نہ ہوگی ان کی آمین رد نہ ہوگی۔ اگر ان حضرات کو ساتھ نہ لے جاتے تو اس کے یہ معنی ہوتے کہ آنحضرتؐ کو اپنے سوا کسی دوسرے کے مستجاب الدعوات ہونے کا یقین ہی نہ تھا۔

اثبات امامت ائمہ اثنا عشر علیہم السلام

شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ کے بعد بلا فاصلہ ان کے جانشین علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں اور ان کے بعد امام حسنؑ پھر امام حسینؑ۔ محمد بن علی۔ جعفر بن محمد۔ موسیٰ بن جعفر۔ علی بن موسیٰ۔ محمد بن علی۔ علی بن محمد۔ حسن بن علی اور محمد بن الحسن علیہم السلام ہیں۔

ہمارے عقیدہ میں یہ سب معصوم ہیں ان کی اطاعت اور تمام ضروریات مذہب میں ان کی طرف رجوع کافہ امت پر واجب ہے اور ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بارہویں امام علیہ السلام مخلوق کی نظر سے غائب ہیں اور جب ان کا ظہور ہوگا تو زمین کو عدل و داد سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ مذہب اثنا عشری کے علاوہ ہمارے عقیدہ میں شیعیت کے اور تمام فرقے باطل ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) زیدیہ۔ جو امامت زید بن علی بن الحسینؑ کے قائل ہیں۔

(۲) اسماعیلیہ۔ جو امامت اسمٰعیل بن جعفر کے قایل ہیں۔

(۳) کیسانیہ۔ جو امام حسینؑ کے بعد محمد حنفیہ کی امامت کے قایل ہیں۔

اس قسم کے کئی فرقے امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ تک بنتے رہے سوائے فرقہ اسماعیلیہ اب ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا۔

شیعہ کا اطلاق ہر زمانہ میں صرف انہی لوگوں پر ہوتا رہا ہے جو حضرت علی علیہ السلام کو حضرت رسول خداؐ کا خلیفہ بلا فصل جانتے ہیں۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ محدث دہلوی نے تحفہ میں اپنے شیعہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ حضرات اہلسنت بلا اختلاف اپنے عقیدہ میں جناب امیر علیہ السلام کو خلیفہ بلا فصل نہیں مانتے بلکہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر کو باختیار خلق مانتے ہیں نہ بنص خدا و رسول۔ بعض اجماع کو کمزور سمجھ کر خلافت ابو بکرؓ کے لیے ادعائے نص بھی کیا ہے۔ چنانچہ حسن بصری کہتے ہیں کہ ان کی خلافت پر نص خفی صادر ہوا بسبب نماز میں امامت کا حکم دینے کے۔ اور بعض نص جلی کے مدعی ہیں باین طور کہ آنحضرتؐ نے اپنی وفات سے پہلے فرمایا کہ مجھے دوات و کاغذ دو کہ ابو بکر کے بارے میں ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ ان کے بارے میں دو شخص بھی اختلاف نہ کریں یہ مذہب اہل حدیث ہے۔ تمام اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر اجماع امت سے خلیفہ ہوئے اور حضرت عمر بنص ابو بکر اور حضرت عثمان حضرت عمر کی مجوزہ شوریٰ کمیٹی سے پھر حضرت علیؑ اجماع امت سے۔ ظاہر ہے کہ ان عقاید میں سے کسی ایک کو بھی تشیع سے تعلق نہیں کیونکہ تشیع مشایعت بمعنی متابعت سے مشتق ہے اور امامیہ مذہب والوں کی متابعت حضرت علیؑ سے اتنی واضح ہے کہ خود حضرات اہلسنت اس کے معترف ہیں۔ چنانچہ شہرستانی اپنی کتاب ملل و نحل میں لکھتے ہیں۔

الشیعۃ ھم الذین شایعوا علیاً وقالوا بامامتہ وخلافتہ نصاً اما جلیاً او خفیاً واعتقدوا ان الامامۃ لاتخرج من اولادہ فان خرج فبظلم

الیٰ اخرما قالَ وفی غنیۃ الطالبین واماّ الشیعتہٗ فلھا اساد الشیعتہ والرّافضہ وانماقیل لھا الشیعہ لانھا تشیعتُ علیاً وفضلہ علی سایر الصحابہ

(شیعہ وہ ہیں جنہوں نے متابعت کی علیؑ کی اور قایل ہوئے ان کی نصِ خلافت کے خواہ جلی ہو یا خفی اور معتقد ہیں اس کے کہ امامت ان کی اولاد سے خارج نہیں ہوگی مگر بظلم اور غنیہ الطالبین میں ہے کہ شیعہ گروہ کا نام شیعہ اور رافضی اس لیے ہے کہ انہوں نے متابعت کی علیؑ کی اور فضیلت دی ان کو تمام صحابہ پر۔)

چونکہ حضرات اہلسنت کا عقیدہ اس کے خلاف ہے لہٰذا محدّث دہلوی کا اپنے کو شیعہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا۔

شیعیانِ علیؑ وہ ہیں جن کے متعلق خدا فرماتا ہے ۔ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (سورہ البینۃ ۷/۹۸) دارقطنی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد شیعیانِ علی ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے حدیث مفضل میں ارشاد فرمایا ہے

اِناّ خلقنا انوراً وخلقت شیعتنا مِن شعاعِ ذٰلکَ النور فلذلکَ سمّیت شیعہ

(ہم نور پیدا کیے گئے ہیں ہمارے شیعوں کی خلقت اس نور کی شعاع سے ہے اسی لیے ان کا نام شیعہ ہوا۔

صاحب جواہر العقدین فی فضل الشرفین ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا شیعۃ علیّ ھم الفائزون ۔ شیعہ جن حضرات سے بالکلیہ تمسک رکھتے ہیں وہ وہی برگزیدہ ہستیاں ہیں جن کے متعلق حضرت رسولخداؐ نے فرمایا ہے ایھا النّاس قد ترکتُ فیکم ما اِن اخذتم بہٖ لن تضلوا بعدی کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی

(میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں اگر تم ان سے تعلق رکھو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے) ایک اللہ کی کتاب ہے دوسرے میری عترت میرے اہلبیت۔

صاحب تحفہ لکھتے ہیں کہ مذہب شیعہ ابتدائے حدوث سے رنگ برنگ کے سانچوں میں ڈھلتا رہا ہے یہاں تک کہ سلاطین صفویہ و عراق و خراسان نے اس مذہب کی ترویج میں بڑا حصہ لیا اور اس کے اصول و قوانین بنائے اور علمائے وقت نے اصول فروع رائج کرنے میں پوری کوشش کی اور کتابیں اور رسالے مدون ہوئے جس کے بعد اس مذہب میں تغیر و تبدل ختم ہوا۔ اس مذہب کا خاصہ ہی تغیر و تبدل ہے۔

جواب ہمارا یہ ہے ؎

ہر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے ست ÷ گل ست سعدی و در چشم دشمناں خار ست

ایسا کہنا سراسر بہتان اور دروغ بے فروغ ہے۔ اگر بالفرض مذہب شیعہ کے لیے حدوث مان لیا جائے تو یہ عیب کیونکر ہوگا۔ اگر حدوث عیب ہے تو ماسوی اللہ ہر شے حادث ہے مذہب شیعہ ہی سے اس کی تخصیص نہیں۔ اگر غور اور تامل سے دیکھا جائے تو قدامت مذہب شیعہ لیے ثابت ہے کیونکہ اس مذہب کی بنیاد امامت ہے اور امامت نبوت کا جزو لاینفک ہے لانّ النبی وَالامام صنوان بل نوران افترقا من نورٍ واحدٍ (نبی اور امام ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں بلکہ ایسے دو نور ہیں جو ایک ہی نور سے نکلے ہیں۔

مسند احمد حنبل میں ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ خلقت آدم سے چودہ ہزار سال پہلے میں اور علی ایک ہی نور تھے اور ابن مغازلی شافعی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ جب خدا نے آدم کو خلق فرمایا تو ہمارے نور کو ان کے صلب میں جگہ دی اس کے بعد ہم ایک صلب کے بعد دوسرے صلب میں منتقل ہوتے رہے تا اینکہ عبد المطلب کے بعد ہم جدا ہوئے ففیّ النبوۃ وفی علیّ الخلافہ (پس مجھ میں نبوت

آئی اور علی میں خلافت۔

مسند احمد حنبل۔ معالم التنزیل۔ ریاض نضرہ۔ طبری وغیرہ کہ جب آیہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (سورہ الشعراء ۲۶/۲۱۴) نازل ہوئی تو آنحضرت صلعم نے بنی عبدالمطلب کی دعوت کی ان میں ایک ایک ایسا پرخور تھا کہ ایک بکری کا بچہ تنہا کھا جاتا تھا اور ایک مشک پانی پی جاتا تھا۔ یہ سب چالیس آدمی تھے آنحضرتؐ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ ان کی دعوت کے لیے بکری کی ایک دست اور ایک مُد آٹے کی روٹی تیار کراؤ اور ایک پیالہ دودھ مہیا کرو۔ الغرض ان سب نے کھایا پیا اور کھانا بدستور اتنے کا اتنا ہی باقی رہا۔ کھانے کے بعد حضرت نے اپنے خاندان والوں سے فرمایا اے بنی عبدالمطلب خدا نے مجھے تمہاری طرف بالخصوص اور کافتہ الناس کی طرف بالعموم اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ تم نے میرے دعویٰ کی تصدیق میں میرا اعجاز دیکھ لیا پس تم میں کون ایسا ہے کہ میری بیعت میں سبقت کرے اور میرا بھائی اور میرا مددگار میرے وعدوں کا ضامن ہے اور میرا خلیفہ اور میرا وزیر ہو۔ یہ سنکر سب خاموش ہو گئے مگر علی نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ یہ خدمت میں انجام دوں گا۔ تین بار آنحضرتؐ نے ایسا ہی فرمایا اور ہر بار حضرت علیؑ نے تصدیق کی۔

فضل ابن روزبہان نے اس روایت سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ملحقات روافض سے ہے۔ لیکن جب یہ واقعہ مسند احمد حنبل اور تفسیر ثعلبی میں موجود ہے تو اگر الحاق کیا ہے تو انہوں نے کیا ہے نہ کہ شیعوں نے بلکہ طبری میں تو یہاں تک موجود ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا علیؑ ان یکون اخی و صاحبی و وارثی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی ازالۃ الخفا میں کتاب خصائص سے نقل کیا ہے پس لفظ وراثت سے دعوی خلافت کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ یہاں وراثت مال مراد نہیں ہو سکتی۔ بہت سے مفسرین نے لفظ وزارت بھی ذکر کیا ہے۔ مرزا محمد بدخشی مسفینۃ النجات میں لکھتے ہیں۔

اخرج الطبرانی انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ والہٖ وسلمّ قالَ الا اوصیکَ یا علی انتَ اخی وَ وزیری تقضی دینی الخبرواخرج احمد عن بریدہ قَالَ قالَ رسول اللّٰہ صلعم لکل نبی وصی ووارثٌ وانّ وصیّ و وارثیِ علی بن ابی طالب قالَ و اخرج الطبرانی عن ابی ایوب انّ رسول اللّٰہ صلعم قال لفاطمۃ اَمَا علمتِ ان اللّٰہ اطلع علی اھل الارض فاختارَ اباکِ فبعث نبیاً ثم اطلع الثانیہ فاختارَ بعلکِ فا اوحی اِلیّ فانکحتہ واتخذتہ وصیاً

طبرانی نے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا اے علی میں تم کو وصیت کرتا ہوں تم میرے بھائی اور وزیر ہو اور میرے قرض کے ادا کرنے والے ہو اور احمد نے بریدہ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا ہر نبی کا ایک وصی اور وارث ہوتا ہے۔ میرے وصی اور وارث علی بن ابی طالب ہیں اور طبرانی نے ابوایوب سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے فاطمہ سے فرمایا خدا نے اہل ارض کی طرف دیکھا پس ان میں سے تمہارے باپ کو منتخب کیا پھر خدا نے دوبارہ نظر کی اور تیرے شوہر کو منتخب کیا پس میں نے اس سے تیرا نکاح کیا اور اس کو اپنا وصی بنا لیا۔

ہمارے ان بیانات سے واضح ہوا کہ جب سے آنحضرتؐ کی نبوت کا اعلان ہوا اسی وقت سے حضرت علیؑ کی امامت و خلافت کا بھی اعلان ہوا۔ اس کے بعد مختلف مواقع پر امامت کو بتاتے رہے کہ میرے بعد علی میرے جانشین ہیں اپنی عمر کے آخری حصہ میں تو غدیر خم کے میدان میں من کنتُ مولاہ فھذا علی مولاہ برسرِ منبر فرما کر رہا سہا ابہام بھی دور کر دیا پھر دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے یہ چاہا کہ اس خلافت کے تعین کو ضبط تحریر میں بھی لے آئیں

شہرستانی کتاب ملل ونحل میں اس واقعہ کو یوں لکھتے ہیں۔

فاول تنازع وقع فی مرضہ فیما رواہ محمد بن اسمعیل البخاری باسنادہ عن عبداللہ بن عباس قال لمّا اشتد بالنبی مرضہ، الذی توفیّ فیہ قال ایتونی بدواتٍ و قرطاس اکتب لکم کتاباً لن تضلو بعدی فقال عمرانّ رسول اللہ غلب علیہ الوجعُ حسبنا کتاب اللہ و کثیرا للغط فقال علیہ السلام قوموا عنّی لا ینبغی عندی التنازع قالَ ابن عباس الذریۃُ کل الذریہ ماحَالَ بیننا و بین کتاب رسول اللہ

سب سے پہلا جھگڑا جو آپ کے مرض الموت میں ہوا جس کو روایت کی ہے محمد ابن اسمٰعیل بخاری نے ابن عباس سے یہ تھا کہ جب حضرت پر مرض الموت میں شدّت ہوئی تو فرمایا دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ میں ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہو۔ حضرت عمر نے کہا آپ پر مرض کا غلبہ ہے اور اس بارے میں شور وغل زیادہ ہوا تو حضرت نے فرمایا میرے پاس سے دُور رہو میرے پاس جھگڑا کرنا زیبا نہیں۔ ابن عباس نے کہا مصیبت ہی مصیبت تھی وہ چیز جو حائل ہوئی ہمارے اور رسول کی تحریر کے درمیان۔

صاحب بحر المذاہب نے دوات و قرطاس کے معاملہ میں جو نزاع واقع ہوا اس کو اختلاف اجتہادی قرار دیا ہے لیکن یہ زبردستی ہے۔ نص کے مقابل اجتہاد کی کیا حیثیت ہے رسول اللہ اس پر نص فرما رہے ہیں کہ میری تحریر باعث رفع ضلالت ہوگی اور مانعین اس نص صریح کے مقابل قول حسبنا کتاب اللہ کو اختلاف اجتہادی فرما رہے ہیں۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

تعجب بالائے تعجب یہ کہ امامت اور خلافت کے معاملہ میں جو اختلاف امت کے درمیان پیدا ہوا اس کو اسباب ضلالت میں شمار نہیں کیا حالانکہ خود ہی اپنی کتابوں میں یہ حدیث

نقل کرتے ہیں۔ مَن ماتَ ولم یعرف امام زمانہ ماتَ میتۃً جاھلیتہ پس اگر مسئلہ امامت میں مخالفت جو باعث موت کفر ہے از قبیل ضلال نہو تو پھر ضلالت اور کس چیز سے لازم آئے گی۔ کیونکہ یہ اصول اسلام میں یہی اختلاف سب سے بڑا ہے اور بقول شہرستانی اس سے زیادہ تلوار اور کسی معاملہ میں نہیں چلی مذکورہ بالا بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ مذہب شیعہ جیسا کہ صاحب تحفہ کا خیال ہے کوئی حادث مذہب نہیں بلکہ آغاز اسلام کے ساتھ ساتھ ہے۔ رہا یہ کہنا کہ مذہب شیعہ رنگ برنگ کے سانچوں میں ڈھلتا چلا آرہا ہے ایک ایسی بے تک بات ہے جو ایک فاضل آدمی کے قلم سے اچھی نہیں معلوم ہوتی مذہب شیعہ کے اصول و فروع جو اوّل روز تھے وہی آج بھی ہیں اس کے ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف کبھی نہیں ہوا برخلاف دیگر فرق اسلام کے کہ وہ ہوا کے رُخ پر اپنی پیٹھ موڑتے رہے جس سے ایک دین کے ستّر فرقے بن گئے۔ اور اسلام کا کوئی ایک عقیدہ بھی ایسا نہ رہا جس میں اختلاف نہ ہوا گر گلشن اسلام کی یہ دلکش بہار دیکھنی ہو تو کتاب ملل و نحل میں دیکھ لیجئے مختصراً کچھ باتیں ہم بھی لکھے دیتے ہیں۔

(۱) پہلے رسول کو مجتہد فرض کیا گیا پھر یہ اتنی بڑھی کہ خلفائے اربعہ بھی درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ آگے چل کر اس دائرہ کو اور وسعت دی گئی اور حضرت معاویہ اور ام المومنین عائشہ تک کو مجتہد بنا چھوڑا۔ ذرا طبیعت اور گرمائی تو ایک فقہ کے چار ٹکڑے کرنے کے لیے چار امام اور بنا لیے۔ اور ہر گروہ اپنے مقام پر نجات کا مدعی بن گیا۔ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ (سورہ الروم ۳۰/۳۲) پھر ایک گروہ نے اعتزال اختیار کر لیا یہاں تک کہ اشعری فرقہ کے استاد ابوالحسن اشعری نے اپنے استاد ابن کلاب سے ۲۶۵ھ میں مخالفت شروع کر دی۔ صاحب بحر المذاہب نے لکھا ہے کہ ابوالحسن اشعری جس کا سلسلہ نسل ابوموسیٰ اشعری تک پہنچتا ہے پہلا وہ

شخص ہے جس نے اصولی مسائل میں اپنے استاد ابو علی جبائی کی مخالفت کی۔

صاحب بحر المذاہب لکھتے ہیں کہ مصداق اہل سنت میں اختلاف ہے دیار خراسان عراق وشام وغیرہ میں مشہور یہ ہے کہ وہ اشاعرہ اصحاب ابو الحسن ہیں اور ماورالنہر میں مشہور ہے کہ وہ اصحاب ابو منصور ماتریدی ہیں اور ان دونو گروہوں کے درمیان سخت اختلاف ہے اور اصولی مسائل میں ایک دوسرے کو گمراہ جانتے ہیں معتزلہ جو خلافت خلفائے اربعہ کا اعتقاد رکھتے ہیں اپنے کو اہلسنت کہتے ہیں۔ اصحاب ابو حنیفہ جو پانچ فرقوں میں منقسم وہ بھی اپنے کو اہلسنت کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابھی تک پایہ ثبوت کو یہی بات نہیں پہنچی کہ اہلسنت ہیں کون؟

قطع نظر ان اجتہادات خاصہ کے جو حضرات خلفاء سے ظہور میں آئے جیسے متعہ او حج تمتع کی حرمت اذان میں الصلوٰۃ خیرٌ من النوم کا اضافہ۔ نماز تراویح کا وجو د وغیرہ وغیرہ صرف امام ابو حنیفہ کے اجتہادات پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں۔ علامہ زمخشری نے یوسف بن اسباط سے ساٹھویں باب میں روایت کی ہے کہ ابو حنیفہ نے آنحضرتؐ کی چار سو حدیث رد کی ہیں اس بنا پر نہیں کہ وہ ضعیف الاسناد تھیں بلکہ نص کے مقابلہ میں اجتہاد سے کام لے کر۔ زمخشری نے ان چار سو میں سے چند کا ذکر کیا ہے۔ ہم بطور نمونہ ایک دو حدیث کا ذکر کرتے ہیں۔ اوّل حدیث نبوی ہے۔ سہمان للفرس و سہم للرجل (سوار کے دو حصے پیادے کا ایک) امام موصوف نے فرمایا کہ چوپایہ کا حصہ مومن کے حصہ سے زیادہ تجویز نہیں کروں گا۔ دوسری حدیث ہے البعیان بالخیار مالم یفترقا (بیع بالخیار اسی وقت تک ہے جب تک دونوں جدا نہوں) ابو حنیفہ کا اجتہاد یہ تھا کہ جب بیع کا معاملہ ختم ہوگیا تو پھر اختیار کیسا۔

یوسف بن اسباط نے ابو حنیفہ کو خطا وار قرار دیا ہے اور یحیٰ بن معین نے اس

کی تصدیق کی ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ یوسف بن اسباط میرے نزدیک اہل صدق سے ہے اور ابن جوزی نے کتاب منتظم فی تاریخ الملوک والامم میں کہا ہے کہ طعن بر ابوحنیفہ پر سب نے اتفاق کیا ہے۔ غزالی نے تو ایک پورا رسالہ ہی اس سلسلہ میں لکھ ڈالا ہے۔

اور ابن جوزی نے اسی کتاب منتظم میں ابو اسحاق مراری سے روایت کی ہے کہ میں نے ابوحنیفہ سے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے جو جواب دیا میں نے اس کے متعلق کہا آپ ایسا کہتے ہیں اور رسول نے ایسا فرمایا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس کو دم خزیر سے محو کر دو۔

اس قسم کے اجتہادات امام مذکور کے ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں ہزاروں ہیں۔ رہے باقی تین امام ان کے اجتہادات الگ رہے لہٰذا محدث دہلوی کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ مذہب شیعہ رنگ برنگ کے سانچوں میں ڈھلتا رہا کاش انہوں نے یہ بات اپنے گریبان میں منہ ڈال کر کہی ہوتی۔ شیشہ کے محل میں بیٹھ کر دوسرے پر سنگباری کرنا ایک ذی عقل کا کام تو نہیں ہو سکتا۔

محدث دہلوی کا یہ کہنا بھی سرتاپا غلط ہے کہ عہد صفویہ میں مذہب شیعہ اور ان کے اصول نے ایک رنگ پر قرار پکڑا علامہ محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ عہد صفویہ سے بہت پہلے ہوئے ہیں صاحب جامع الاصول کی رائے ان کے متعلق یہ ہے۔

محمد بن یعقوب الرازی الفقیہ الامام علی مذہب اھل البیت علیھم السلام عالم فی مذھبھم کبیر وفاضل عندھم مشھور لہ ذکرہ فیمن کان علی راس المائۃ الثالثہ

(محمد بن یعقوب رازی فقیہ اور امام ہیں مذہب اہلبیت کے اور ان کے مذہب کے عالم کبیر ہیں اور تیسری صدی کے شروع میں مشہور بین الناس تھے۔

قدمائے شیعہ جیسے جناب شیخ مفید اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی تصنیفات موجود ہیں

علمائے اہلسنت سے ان کے مناظرے ہوتے رہے ہیں ہر صدی میں شیعوں کے علما اور امام موجود رہے ہیں پہلی صدی میں امام محمد باقر علیہ السلام موجود تھے دوسری صدی میں بعہد مامون امام علی رضا علیہ السلام تھے تیسری صدی میں محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ تھے۔ چوتھی صدی میں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ تھے۔

امیر تیمور کے پیر ابوبکر طاسادی سے منقول ہے کہ اس نے امیر تیمور کو ایک خط میں یہ عبارت لکھی مروج الدین والشریعہ ایدہ اللہ عزہ آگاہ ہو کہ ہر ملک میں اللہ تعالیٰ نے ایک صاحب شوکت انسان کو ہر صدی کے شروع میں بھیجا تاکہ دین شریعت الٰہی کی ترویج کرے اور اس کی مجلس میں موجود رہے ایک ایسا شخص جو کتاب اللہ کا عالم ہو اور حدود اللہ کا محافظ۔ چنانچہ پہلی صدی میں مجدد دین عمر بن عبدالعزیز تھے اور اسی صدی میں عالم احکام الٰہی و شریعت رسالت پناہی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام تھے دوسری صدی میں مروج دین مامون رشید تھے اور مروج شریعت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھے۔ تیسری صدی میں مقتدر باللہ عباسی مروج شریعت تھے اور علمائے دین میں محمد بن یعقوب کلینی اور ابوالعباس علمائے شافعی سے ابوجعفر علمائے حنفیہ سے اور ابوبکر احمد بن ہارون علمائے مالکیہ سے اور چوتھی صدی میں معزالدولہ دیلمی بادشاہ تھا اور علمائے فتویٰ سے سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور پانچویں صدی میں سلطان سنجر ملک شاہ مروج دین تھا اور عرفا میں حکیم ثنائی۔ چھٹی صدی میں غازان خاں اور موحدین میں شیخ ابراہیم حموینی۔ ساتویں صدی میں الجائتو خدابندہ اور علمائے دین میں شیخ جمال الدین مطہر حلی۔ آٹھویں صدی میں آپ امیر صاحب قران ہیں اور علمائے دین میں علامہ سید شریف جرجانی۔

ان تصریحات کے بعد اس قول میں کیا جان باقی رہتی ہے کہ مذہب شیعہ عہد صفویہ میں اپنے مستقر پر قایم ہوا۔

کیا مذہب شیعہ کا بانی
عبداللہ بن سبا ہے

منجملہ اور بہت سے اتہامات کے ایک دروغ بے فروغ یہ بھی ہے کہ شیعہ مذہب کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی کو بتایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں یہ ایک فتنہ پرداز یہودی تھا جس نے بظاہر اسلام قبول کر کے ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنا شروع کیا پہلے تو اس نے خاندان نبوی اور دودمان مصطفوی سے اپنے خلوص کا اظہار کیا پھر محبت اہلبیت کی طرف لوگوں کو رغبت دلائی اور بہت سی احادیث فضایل اہلبیت میں بنا کر ان کی نشر و اشاعت میں پوری کوشش کی۔ جب اس کے مرید تمام صحابہ پر فضیلت حضرت علیؑ کے قایل ہو گئے تو اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ آنحضرتؐ کے وصی جناب امیر ہیں جن کو پیغمبر نے نص صریح خلیفہ بنایا ہے اور قران میں آیہ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ (سورہ المائدہ ۵/۵۵) اس پر شاہد ہے لیکن صحابہ نے پیغمبر کی وصیت کو نہ مانا اور حق سے علیؑ کو محروم کر دیا اور بطمع دنیا سب دین سے برگشتہ ہو گئے۔ غرض اس قسم کی باتیں کر کے خلفائے ثلثہ سے لوگوں کو متنفر بنایا جس سے لوگوں کے درمیان پھوٹ پڑنی شروع ہو گئی۔ جب حضرت علیؑ کو پتہ چلا تو آپ نے برسر منبر اس جماعت سے اظہار بیزاری کیا۔ جب ابن سبا نے دیکھا کہ اس کی جماعت بن گئی تو اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت علیؑ سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جو الوہیت سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا وہ خدا ہیں۔

یہ ہے عبداللہ بن سبا کی وہ مختصر کہانی جس کی لپیٹ میں شیعوں کو لیا جا رہا ہے۔ اس من گھڑت داستان کا حقیقت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ ابن سبا نہ شیعوں کے پیشوایان دین میں سے ہے نہ علما و عرفا میں سے اگر خدانخواستہ شیعہ مذہب کے بانیوں حامیوں

یا محافظوں میں سے ہوتا تو شیعہ بلاخوف لومۂ لایم ضرور اس کی مدح کرتے یا کم از کم تعظیم تکریم سے اس کا نام ہی ذکر کرتے نہ یہ کہ اس سے بیزاری کا اظہار کرتے اور اس پر لعن طعن کرتے۔ چنانچہ شیخ صدوق محمد ابن بابویہ جو قدمائے شیعہ سے ہیں اپنے رسالہ اعتقادیہ میں تحریر فرماتے ہیں اعتقادنا فی الغلاۃ والمفوضۃ انھم کفار باللّٰہ جلّ جلالہ' وانّھم شرّ الیھود والنصاریٰ والمجوس والقدریہ (ہمارے اعتقاد میں غالی (حضرت علی کو خدا کہنے والے) اور مفوضہ (جو کہتے ہیں خدا نے اپنا سارا کارخانہ علی کے سپرد کردیا ہو) یہ کافر ہیں۔ یعنی منکر خدا اور یہ یہود و نصاریٰ و مجوس اور قدریہ سے بھی بدتر ہیں غور کیجئے اگر سبائی عقیدہ کے شیعہ ہوتے تو غالیوں کو کافر نہ کہتے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ رسالہ اعتقادیہ میں فرماتے ہیں کہ غالی وہ لوگ ہیں جو ائمہ علیہم السلام کی الوہیت کے قائل ہیں یا ان کو نبی جانتے ہیں یا ان کے اوصاف میں حد سے تجاوز کرتے ہیں

وھم ضلالٌ کفار حکم فیھم امیر المومنین علیہ السلام بالقتل والحرق وقضت الائمۃ علیھم السلام علیھم بالکفر والخروج عن الاسلام: (غالی) بہت بڑے گمراہ اور سخت کافر ہیں امیرالمومنینؑ نے ان کے قتل کرنے اور جلانے کا حکم دیا اور ائمہ علیہم السلام نے ان کے کافر ہونے اور اسلام سے خارج ہو جانے کا حکم دیا۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے یہ بھی فرمایا کہ ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ لانّ شرھم اشدمثلَ شرّ المنافقین (کیونکہ ان لوگوں کے شر کو منافقوں کے شر سے بھی زیادہ سخت سمجھنا چاہیے)

ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا لعنت کرے اس پر جو ہم پر بہتان باندھے۔ جب میں تصور کرتا ہوں عبداللہ بن سبا کا تو میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کیونکہ اس نے بہت بڑا دعویٰ کیا تھا خدا اس

پر لعنت کرے۔ بخدا علی خدا کے بندہ صالح تھے اور رسولؐ کے برادر تھے۔ انہوں نے کرامت و بزرگی نہیں حاصل کی مگر اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی وجہ سے اور رسولؐ نے کرامت حاصل نہیں کی مگر اللہ کی اطاعت سے۔

غور کیجئے اگر عبداللہ بن سبا شیعوں کے لیے کوئی محبوب ہستی ہوتی اگر وہ ان کے مذہب کے بانیوں میں سے ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ائمہ اہلبیت اس سے نفرت کا اظہار کرتے اور اس کو مستحق لعنت قرار دیتے بلکہ ان کو تو سب سے زیادہ اس کی مدح و ثنا کرنی لازم تھی کیونکہ وہ ان کے عقائد کا مروج قرار دیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب شیعہ کی توہین کے لیے یہ افسانہ تراشی کی گئی ہے۔ خود محققین اہلسنت جیسے ڈاکٹر طہ حسین وغیرہ نے اس کا اقرار کیا ہے کہ یہ ایک فرضی افسانہ ہے۔ اگر عبداللہ بن سبا صرف مطاعن خلفا پر اکتفا کرتا تو شیعہ ہرگز اس سے بیزاری کا اظہار نہ کرتے کیونکہ اس عقیدہ میں وہ اس کے موافق تھے۔ اس سے بیزاری کی وجہ توحید کے متعلق اس کا غلط عقیدہ تھا۔ ایسی حالت میں جبکہ عقاید کی پہلی ہی منزل پر جو اصل اسلام ہے شیعوں کی اس سے مخالفت ہے اس کو شیعہ مذہب کا بانی کہنا حماقت کے سوا اور کیا ہے۔ اہلسنت جب اس کے معترف ہیں کہ شیعہ وہ ہیں جو علی علیہ السلام کا اتباع کرتے ہیں جیسا کہ صاحب ملل و نحل نے کہا ہے ان الشیعة هم الذین شایعوا علیاً و قالوا بفرض امامته اور اس کا بھی اعتراف ہے کہ امیرالمومنینؑ نے عبداللہ بن سبا کو قتل کر کے جلوا دیا تو ایسی صورت میں اگر شیعہ کے لیے اتباع ابن سبا فرض کر لیا جائے تو پھر شیعہ امیرالمومنینؑ کے تابع رہ کیسے سکتے ہیں۔ وہ شیعہ ہی نہیں جو قول و فعل امیرالمومنینؑ کے خلاف کچھ کہے یا کچھ کرے۔ لہٰذا ابن سبا نہ شیعیان امیرالمومنینؑ میں کہا جا سکتا ہے اور نہ شیعہ اپنے گروہ میں اسے شامل کر سکتے ہیں کیونکہ ابن سبا امیرالمومنینؑ کو مظہر خدا کہتا تھا۔

تعجب تو یہ ہے کہ شیعوں کو پیرو ابن سبا کہہ کر طعنہ زنی کی جاتی ہے لیکن ہمارے مخالفین

اپنی حالت پر نظر نہیں کرتے کہ ان صوفیائے کرام کی تعظیم بجالاتے ہیں جو ہر کس و ناکس کو مظہر خدا جانتے ہیں میبذی نے شرح دیوان جناب امیرؑ میں لکھا ہے کہ ایک متکلم نے ایک صوفی سے مناظرہ کیا اور کہا میں بیزار ہوں اس خدا سے جو سگ و گربہ میں ظہور کرے صوفی نے کہا میں بیزار ہوں اس خدا سے جو سگ گربہ میں ظہور نہ کرے ابن عربی نے فصوص الحکم میں خدا کی تعریف یوں کی ہے سبحان الذی اظہر الاشیاءَ وھو عینھا (پاک ہے وہ اللہ جس نے اشیاء کو ظاہر کیا در انحالیکہ وہ ان کا عین ہے) یہ دلیل محکم ہے وحدت وجود اور عینیت باکثرت و وحدت کی۔ حضرات صوفیہ کی کتابیں ایسے اقوال سے بھری پڑی ہیں

اثبات امامت و خلافت ائمہ اثنا عشر میں

ابن اثیر صاحب جامع الاصول نے علمائے عامہ نیز بخاری اور مسلم سے اپنی اپنی روایات کی اسناد کے ساتھ جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے قال سمعتُ النبی یقولُ یکون بعدی اثنا عشرا میراً فقالَ کلمةً لم اسمعھا فقال ابی انه قال کلھم مِن قریش (میں نے رسولؐ کو کہتے سنا میرے بعد بارہ امیر ہوں گے پھر کہا کہ ایک کلمہ میں نے سُنا نہیں تب میرے باپ نے کہا کہ یہ فرمایا تھا کہ وہ سب قریش سے ہوں گے اور ایک روایت میں یہ ہے لایزال امر الناس مَاضیاً ما ولِیَھُمْ اثنا عشَر رجلاً ثم تکلم النبی بِکلمتهِ خفیت علیَّ فسالتُ ابی ماذا قال رسول اللّٰہ فقال کلھم مِن قریش قال ھذہ روایة البخاری و مسلم و فی اخری لمسلم قال انطلقتُ اِلی رسول اللّٰہ ومعی ابی فسمعة یقولُ لایزالُ ھذا الدینُ عزیزاً منیعاً اِلی اثنا عشر خلیفته فقالَ کلمته صمنیھا الناس فقلتُ لابی ماقال قال کلھم مِن

قریش (ابن اثیر کہتا ہے کہ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا کہ لوگوں کا معاملہ ختم نہ ہوگا جب تک ان میں بارہ امیر اور مقتدا نہوں اور فرمایا وہ کل قریش سے ہوں گے یہ ہے روایت بخاری اور مسلم دونوں کی اور تنہا مسلم نے بسند دیگر بیان کیا ہے کہ جابر ابن سمرہ نے کہا میں اپنے باپ کے ساتھ خدمت رسول میں گیا میں نے سنا کہ حضرت فرما رہے ہیں کہ ہمیشہ دین عزیز و غالب اور منیع و مستحکم رہے گا جب تک بارہ خلیفہ ہوں پھر آگے میں نہ سن سکا میں نے لوگوں سے پوچھا حضرت نے اور کیا فرمایا میرے باپ نے بتایا کہ پھر فرمایا کلہم من قریش۔

یہ کثرت کتابوں میں یہ حدیث بتغیر الفاظ درج ہوئی ہے مفہوم سب کا ایک ہی ہے یعنی آپ کے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے اور سب قریش سے ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تعداد بارہ سے آگے نہ بڑھے گی پس مسلمان جو سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں خلیفہ بناتے چلے گئے اور جن کا نقطہ آخر سلطان عبدالحمید تھے اس کا جواز کہاں سے ثابت ہوگا۔

علامہ حلی علیہ الرحمہ نے نہج الصدق میں سدی سے جو مشہور علمائے اہلسنت سے ہیں اور ثقہ بھی ہیں روایت کی ہے کہ جب سارہ زوجہ ابراہیم نے ہاجرہ مادر اسمٰعیل علیہ السلام سے اظہار کراہت کیا تو خدا نے حضرت ابراہیم کو وحی کی کہ مادر اسمٰعیل کو یہاں سے لیجاؤ میرے پیغمبر کے وطن تہامہ (مکہ معظمہ) میں کہ میں پھیلاؤں گا اولاد اسماعیل کو اور ان کو فضیلت دوں گا اور کافروں پر ان کا دباؤ ڈالوں گا اور مبعوث کروں گا ان میں ایک پیغمبر کو اور ظاہر کروں گا اس کے دین کو تمام ادیان پر اور قرار دوں گا اس کی ذریت سے بارہ بزرگ پیدا ہوں گے بعدد ستارہ ہائے آسمان۔

کتب سماویہ میں بھی اس قسم کی بشارت وارد ہوئی ہے چنانچہ صاحب اجوبہ فاخرہ جو مالکی المذہب ہیں بشارت محمدیہ کے سفر اوّل میں توریت کی فصل دہم سے روایت کی

ہے کہ حق تعالیٰ نے ابراہیم سے فرمایا کہ تمہارا ایک لڑکا ہوگا اسحاق نام۔ حضرت ابراہیم نے عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا فرزند اسمٰعیل بھی درجہ تجید اور اطاعت پر فائز ہو۔ خدا نے فرمایا اسمٰعیل کے بارہ میں میں نے تیری دعا قبول کی میں اس کو عظمت و بزرگواری عطا کروں گا اور دوں گا اس کو بزرگی کی شاخیں اور اس سے پیدا ہوں گے بارہ بزرگوار۔

عماد الاسلام میں جناب غفرانمآب طاب ثراہ نے لکھا ہے کہ ان بارہ بزرگوں سے مراد بارہ امام ہیں۔ چونکہ یہ عبارت مشتمل ہے بشارت ائمہ اثنا عشر پر اور ناقل روایت مالکی المذہب ہے لہٰذا اس نے تصریح کو غیر ضروری سمجھا ہے اس کے علاوہ دیگر ثقات نے بھی بشارت کی یہ عبارت نقل کی ہے جیسے راوندی اور جواد ساباطی حنفی۔ نصارا کہتے ہیں کہ ان بارہ سے مراد پسران صلبی اسمٰعیل ہیں لیکن پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ ان کے صلبی فرزند بارہ ہی تھے پھر یہ کہ وہ وہی عظمت رکھنے والے تھے جس کی بشارت خدا نے دی ہے۔

اگر کہا جائے کہ تمہارے ائمہ چونکہ حکومت و ریاست نہیں رکھتے تھے لہٰذا اس بشارت عظمیٰ کے اہل نہیں ہو سکتے اس کا جواب یہ ہے کہ عظمت و شرافت امامت جو ریاست دین و دنیا ہے ان کو خدا کی طرف سے ملی ہوئی تھی اور اس کا اظہار وہ مدت العمر کرتے رہے اور ان کی کرامتیں دوست اور دشمن پر ظاہر ہوتی رہیں۔ اگرچہ تسلط ظاہری حاصل نہ ہوا مگر اس سے ان کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ حضرت عیسیٰ کو انجیل میں ملک یہود سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن ان کو یہودیوں پر تسلط کبھی حاصل نہیں ہوا انجیل عربی کی عبارت یہ ہے۔ انجیل یوحنا انه لما صلب اليهود عيسى كتب فيلاطس في رقعته هذا اليسوع الناصري ملك اليهود و صنعوه على صليبه۔ پس معلوم ہوا کہ انبیا اور اوصیائے انبیا کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ان کو ظاہری حکومت بھی حاصل ہو انبیا میں سوائے معدودے چند کے اور کسی کو حکومت نہیں ملی۔

ثبوت دوم:۔ صاحب کفایۃ الاثر نے حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت رسولخداؐ کو فرماتے سنا کہ آپ نے فرمایا میرے بعد میرے جانشین بارہ ہوں گے اس کے بعد حضرت کی آواز دھیمی پڑ گئی اور پھر فرمایا کلھم من قریش ابوالمفضل کا کہنا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے ہمیں سنا میں نے اس کو مگر حسن بن علی بن زکریائے بصری سے بخارا میں روز چہار شنبہ کہ روز عاشور تھا۔ حسن بن علی مذکور ثقہ ہے حدیث میں چونکہ راوی ثقہ ہے لہٰذا ابوالمفضل کا غریب کہنا بے محل ہے کیونکہ اس قسم کی احادیث فریقین سے بکثرت مروی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر پہلے سے ہو چکا۔

صاحب کفایہ نے بہ سند خود حضرت عمر سے یہ روایت بھی کی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا اے گروہ مردم میں تمہارا ہادی ہوں تم میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہو گے یہ حوض عرض میں اتنا ہے جتنا صنعا اور بصری کا فاصلہ اور اس پر چینی کے پیالے اتنے ہوں گے جتنے آسمان پر ستارے میں وہاں تم سے دو ثقل کے متعلق سوال کروں گا پس اس کا خیال رکھو کہ تم ان سے کیسا سلوک کرو گے اور میرے اہلبیت اور عترت کا دوسروں سے بدل نہ کرنا خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے تا اینکہ حوض کوثر پر میرے پاس جمع ہوں۔ راوی کہتا ہے میں نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون ہیں فرمایا میری عترت میرے اہلبیت ہیں اولاد علی و فاطمہ سے کہ ان میں سے نو صلب حسین سے پیدا ہوں گے یہ میرے گوشت و خون ہیں۔

اور جناب عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک روز جبریل حضرت رسولخداؐ کے پاس آئے اسی وقت حسین بھی داخل ہوئے جبریل نے پوچھا یہ کون ہے فرمایا یہ میرا فرزند حسین ہے اور اپنی ران پر بٹھا لیا۔ جبریل نے کہا آگاہ ہو کہ آپ کی امت اس کو قتل کرے گی۔ اگر آپ چاہیں تو وہ سرزمین آپ کو دکھا دوں اس کے بعد اشارہ کیا زمین کربلا کی طرف اور وہاں

کی تھوڑی سی مٹی اٹھا کر حضرت کو دی کہ یہ مقتل حسین کی خاک ہے۔ یہ سنکر حضرت گریاں ہوئے۔ حضرت نے فرمایا گریاں نہ ہو جیئے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے قائمؑ کے ذریعہ سے ان ظالموں سے انتقام لے گا حضرت نے پوچھا ہمارا قایم اہلبیت کون ہے انہوں نے کہا نواں اولاد حسینؑ سے۔ خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ عنقریب صلب حسینؑ سے ایک فرزند پیدا ہوگا علی نامے جو بڑا خاضع و خاشع ہوگا۔ اس کے ایک فرزند پیدا ہوگا محمد نامے جو بڑا قانت اور ساجد ہوگا اس سے ایک فرزند پیدا ہوگا ناطق عن اللہ وصادق فی اللہ۔ اس کے صلب سے ایک فرزند ہوگا موسی واثق باللہ اور محب فی اللہ اور اس کا ایک فرزند ہوگا علی الراضی باللہ والداعی الی اللہ۔ ان کا فرزند ہوگا محمد الراغب فی اللہ والذاب عن حرم اللہ اس کے صلب سے ایک فرزند ہوگا علی المکتفی باللہ والولی للہ۔ اس کا ایک فرزند ہوگا حسن مومن باللہ مرشد باللہ اس کے صلب سے ایک فرزند ہوگا کلمۃ الحق ولسان الصدق و مظہر الحق حجۃ اللہ لوگوں پر اس کی غیبت دراز ہوگی۔ ظاہر کرے گا خدا اس کے ذریعہ سے اسلام کو اور مٹائے گا کفر و اہل کفر کو۔

فاضل شیرازی نے اخطب خوارزم سے اور اس نے سلیمان راعی سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا کہ شب معراج خدا نے مجھ سے فرمایا اے محمد تم نے اپنے پیچھے اپنی امت میں کس کو چھوڑا میں نے کہا بہترین امت علی بن ابی طالب کو پھر کہا تم نے اپنی امت میں اپنا خلیفہ کس کو بنایا۔ میں نے کہا بہترین امت علی بن ابی طالب کو خدا نے فرمایا میں نے اہل ارض کیطرف نظر کی پس انتخاب کیا تجھ کو مشتق کیا تیرے نام کو اپنے نام سے پس میں محمود ہوں اور تو محمد۔ پھر میں نے انتخاب کیا علی کو اور مشتق کیا اس کے نام کو اپنے نام سے پس میں اعلیٰ ہوں اور وہ علی ہے۔ اے محمد میں نے خلق کیا تجھ کو اور علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو اور ان ائمہ کو جو اولاد حسینؑ سے ہوں گے اپنے نور سے اور پیش کیا تمہاری

ولایت کو اہل آسمان و زمین پر پس جس نے اس کو قبول کیا وہ میرے نزدیک مومنین سے ہے اور جس نے انکار کیا وہ کافرین سے ہے۔ اے محمد اگر کوئی بندہ میری اتنی عبادت کرے کہ اس کی روح بدن سے مفارقت کر جائے اور کثرت عبادت و ریاضت سے اس کی کھال بدن پر خشک ہو جائے اور تمہاری ولایت کا منکر ہو تو میں اس کو ہرگز نہ بخشوں گا جب تک تمہاری ولایت کا اقرار نہ کرے۔

اے محمد کیا تم ان کو دیکھنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا ہاں فرمایا اچھا عرش کی داہنی طرف دیکھو میں نے دیکھا علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ حسینؑ و علی بن الحسین و محمد بن علی و جعفر بن محمدؑ موسیٰ بن جعفر و محمد بن علی و علی بن محمد و حسن بن علی اور مہدی علیہم السلام ایک نور میں شامل ہیں اور مہدی ان کے درمیان مثل کوکب درخشاں کے ہے پس خدا نے فرمایا اے محمد یہ میری حجتیں ہیں اور وہ مہدی تمہاری عترت کے خوں کا انتقام لے گا۔

اہلسنت حضرات نے بھی ان ائمہ کے نام اور ان کے فضایل اپنی کتابوں میں لکھے ہیں جیسے صواعق ابن حجر وغیرہ بلکہ ابن صباغ مالکی اور کمال الدین بن طلحہ شافعی ملا جامی اور مولوی مبین ہندی نے مستقل کتابیں ان اسمائے مقدسہ کی تفصیل اور حالات و کرامات کے متعلق لکھی ہیں۔ ابن صباغ مالکی فصول مہمہ کے دیباچہ میں کہتے ہیں۔

(ترجمہ عربی) میرے لیے اس کتاب فصول المہمہ فی معرفۃ الائمہ میں ان ائمہ اثنا عشر کا ذکر ضروری ہے جن کے اول علی مرتضیٰ اور آخر مہدی منتظر ہیں۔ اس کتاب میں کچھ بیان ہے ان کے مناقب شریفہ اور مراتب عالیہ منیفہ کا۔ میں نے ہر امام کے ذکر کے لیے ایک جداگانہ فصل قرار دی ہے۔ بعد میں وہ بہترین کلام ہے جو لوگوں کے اقلام نے جمع کیا ہے بے شک آل مصطفےٰ ائمہ ہدیٰ اور صاحبان برکت اور عقل ہیں۔ صاحبان آیات و بینات ہیں مولانا جامی نے رکن ششم میں ان شواہد و دلایل کا ذکر کیا ہے جو ائمہ اہلبیت کی امامت

کے متعلق ہیں۔ علامہ سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامہ معرفۃ الائمہ میں ائمہ اہلبیت کے نام بھی ذکر کئے ہیں اور فضائل بھی بیان کیے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفہ میں امامت کو تسلیم تو کیا ہے مگر ایک دوسرے طریقے سے وہ کہتے ہیں کہ امامت اہلسنت کے نزدیک پیشوائی دین پر بھی اطلاق کرتے ہیں اس معنی میں امام اعظم اور امام شافعی فقہ میں امام غزالی اور رازی عقائد اور کلام میں نافع اور عاصم قراءت میں امام تھے اور ائمہ اطہار ان تمام فنون میں پیشوا تھے خصوصاً ہدایت باطن اور ارشاد طریقت میں جو ان ہی سے مخصوص تھا۔ اس بنا پر اہلسنت ان کو علی الاطلاق امام جانتے ہیں۔ امامت جو مرادف خلافت ہے اہلسنت کے نزدیک منحصر ہے تصرف فی الارض پر باوصف استحقاق غلبہ وشوکت اور نفاذ حکم اس کے لیے ضروری ہے لہٰذا انھوں نے خلافت کو پانچ مذکورہ اشخاص میں منحصر رکھا ہے۔

جواب۔ شاہ صاحب نے یہ عجیب بات کہی ہے یہ بھی فرماتے ہیں کہ "وہ ان تمام فنون میں پیشوا تھے خصوصاً ہدایت باطن اور ارشادِ طریقت میں جو ان ہی سے مخصوص تھا" لیکن ہدایت ظاہر میں ان کی پیشوائی تسلیم نہیں حالانکہ ہدایت ظاہر ہدایت باطن سے زیادہ آسان ہے اگر اشرار امت ذوی الحقوق کے حق کو ان سے نہ لے لیتے تو اس ہدایت کا تعلق بھی انہی سے رہتا۔ شاہ صاحب کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں "ہم ان کو علی الاطلاق امام جانتے ہیں" اگر ایسا ہوتا تو تخصیص ہدایت باطن کی نہ کی جاتی۔ اگر فقہ میں ان کی ہدایت تسلیم ہوتی تو ائمہ اربعہ کی تقلید کیوں کی جاتی اور بمفاد فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورہ النحل ۱۶/۴۳) ان کو چھوڑ کر دوسروں سے کیوں پوچھا جاتا۔ رہا یہ کہنا کہ "یہ وہ امامت نہیں جو مرادف خلافت ہے کیونکہ اس میں تصرف ارض اور نفاذ امر کی شرط ہے" ایک تعصب آگیں بیان ہے قاضی نور اللہ شوستری نے فضل بن روزبہان کے جواب میں فرمایا ہے کہ اگر حقیقت خلیفہ

یہی ہے تو لازم آتا ہے کہ جس زمانہ میں قبائل عرب نے حضرت ابوبکر کو زکوٰۃ دینے سے منع کر دیا تھا اور ان کے نزدیک وہ نافذ الامر نہ تھے تو وہ اس مدت میں خلیفہ نہ تھے اس کے علاوہ حضرت عثمان کو وقت محاصرہ خلیفہ نہ سمجھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ منصوص من اللہ خلیفہ اولیٰ بالتصرف بحکم خدا و رسول ہوتا ہے اگر لوگ اس کا حکم نہ مانیں تو اس کے استحقاق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہی صورت نبوت کی ہے۔ حضرت ہارون جناب موسیٰ کے خلیفہ تھے لیکن قوم نے ان کی اطاعت نہ کی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جناب ہارون نے کہا۔

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ (سورہ الاعراف ۱۵۰/۷) (میرے ماں جائے اس قوم نے مجھے ضعیف بنا دیا قریب تھا کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں۔) پس اگر نبوت و خلافت کے لیے تسلط و غلبہ شرط ہوتا تو حضرت ہارون خلافت موسیٰ سے باہر نکل جاتے نیز مکہ معظمہ میں ہجرت سے قبل جب تک حضرت رسول خداؐ کو حکومت حاصل نہ ہوئی ان کی نبوت کو تسلیم نہ کرنا چاہیے۔

حضرت رسول خداؐ کی یہ مشہور اور متفق علیہ حدیث بھی حضرات حسنینؑ کے متعلق نہ ماننی چاہیے ابنای هذان امامان قاما او قعدا کیونکہ حسنین علیہما السلام اس وقت صاحب تصرف نہ تھے۔

صاحب کشف الغمہ لکھتے ہیں کہ ائمہ کا خلافت ظاہری سے ممنوع ہونا قادح امامت نہیں یہ اسی طرح ہے جس طرح آنحضرتؐ کے لیے کافروں کا تکذیب کرنا قادح نبوت نہیں محقق طوسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام کا وجود لطف ہے اور اس کا تصرف یہ دوسرا لطف ہے اور امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ لاتخلو الارض من حجته الله اما ظاهراً مشهوراً او خائفاً مستوراً لئلا يبطل حجج الله وبيناته فتصرفه الظاهر لو عدمٌ فان عدم من جهة سوء اختيار العباد (زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہتی

خواہ وہ ظاہر و مشہور ہو یا خائف و مستور تاکہ خدا کی حجج و بنیات باطل نہ ہوں پس اگر اس کا تصرف معدوم ہو تو یہ بندوں کے سوء اختیار سے ہوگا۔

آئمۂ اہلبیت کے علاوہ بارہ امام کون ہیں؟

بحمد اللہ ہم نے احادیث و روایات ائمہ اثنا عشر کو نام بنام ثابت کر دیا اب ایک نظر ان بارہ اماموں پر بھی ڈالیں جو عام مسلمانوں کے نزدیک ہیں۔

سیوطی نے تاریخ الخلفا میں اور ابن حجر نے صواعق محرقہ میں قاضی عیاض کا یہ قول نقل کیا ہے۔

جن احادیث میں اثنا عشر کا لفظ آیا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مدت عزت خلافت اور قوت اسلام اور استقامت امور میں تھے اور لوگوں کا اجتماع ان کی خلافت پر متحقق ہوا۔ یہ حالات جمع ہوئے۔ انہی لوگوں میں جن پر لوگوں کا اجماع ہوا یہاں تک کہ حکومت بنی امیہ میں خلفشار پیدا ہوا اور بہت سے فتنے بروئے کار آئے ولید و یزید کے دور حکومت میں یہاں تک کہ عباسی حکومت نے بنی امیہ کا استیصال کر دیا۔

فتح الباری میں اس اجمال کی تفصیل یوں کی گئی ہے کہ جو کچھ قاضی نے کہا بہترین اقوال ہے اور ان احادیث کی زیادہ مرجح تفسیر ہے اور اس کی تائید ہوتی ہے آنحضرتؐ کے بعض اقوال سے جیسا کہ بعض طرق روایات میں ہے کلھم یجتمع الناس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتماع سے مراد لوگوں کا مطیع ہونا ہے بیعت کے ساتھ جن پر لوگوں کا اجماع ہوا وہ خلفائے ثلثہ ہیں اور حضرت علیؑ۔ یہاں تک کہ صفین میں حکمین کا معاملہ درپیش ہوا اس کے بعد سے

معاویہ نے اپنے کو خلیفہ بنایا اس کی خلافت پر اجماع ہوا صلح امام حسنؑ کے بعد۔ پھر امام حسینؑ کا نمبر آیا لیکن اجماع سے پہلے وہ قتل کر دیئے گئے اور امر خلافت یزید پر قرار پایا پھر ابن زبیر کے قتل کے بعد اجماع ہوا عبدالملک پر پھر اس کے چار بیٹوں ولید و سلیمان و یزید ثانی و ہشام پر۔ سلیمان و یزید کے درمیان عمر ابن عبدالعزیز بادشاہ ہوئے پس یہ سات امام اہلسنت ہیں بعد خلفائے راشدین۔ بعد ان کے بارہویں ولید بن یزید بن عبدالملک پر اجماع ہوا۔ اس نے چند سال حکومت کی۔ پھر لوگ اس کے خلاف ہوئے اور اپنے بارہویں امام کو قتل کر دیا اور فتنہ برپا ہوا۔

ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر ابو حنیفہ میں کہا ہے کہ روافض بجائے عشرہ مبشرہ کے اپنے بارہ اماموں سے محبت کرتے ہیں حالانکہ احادیث میں ان کا ذکر نہیں اگر ہے تو ایسی صفت سے کہ ان کے قول کی تردید کرتا ہے یعنی صحیحین میں جابر بن سمرہ سے یہ روایت ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں گیا میں نے حضرت کو یہ فرماتے سنا لایزال امر الناس ماضیاً ما ولیھم اثناعشر رجلاً کلھم من قریش وفی لفظ لایزال الامر عزیزاً الی اثنی عشر خلیفہ پس جیسا حضرت نے فرمایا تھا ویسا ہی ظاہر ہوا پس اثنا عشر خلیفہ یہ ہیں چاروں خلفائے راشدین۔ معاویہ۔ یزید عبدالملک بن مروان اس کے چاروں بیٹے اور عمر بن عبدالعزیز اس کے بعد امر خلافت مختل ہو گیا۔ لیکن روافض کے نزدیک امر امامت ان ائمہ کے زمانہ میں فاسد و ناقص رہا اور ہمیشہ ظالم و منافق اور کافروں کا غلبہ رہا اور اہل حق یہودیوں سے زیادہ ذلیل رہے۔"

ہمیں اس سلسلہ میں صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ اس سے خلافت راشدہ اور غیر راشدہ کو ایک ہی ترازو میں تول دیا گیا ہے اور ایمان و یقین کا کوئی لحاظ ہی نہیں رکھا گیا جس سند

خلافت پر حضرت ابوبکر و عمر کو جگہ دی جا رہی ہے وہیں یزید ولید جیسے ظالم، بداطوار اور ننگ خلایق کو بھی بٹھایا جا رہا ہے۔ اگر صرف تخت و تاج ہی معیار فضیلت ہے تو پھر راشدہ اور غیر راشدہ کی تفریق عبث ہے اور ملک عضوض والی حدیث کو صحاح سے نکال دینا چاہیے ورنہ خلفا میں ملوک عضوض کی شرکت کیا خلافت کے چہرہ تابندہ پر ایک بدنما داغ نہ ہوگا۔ تیسرے بنی امیہ کے سلسلہ کے اور سلاطین کس قصور پر چھوڑے گئے اگر نظام سلطنت کی درستی معیار ہے تو عہد یزید کا فتنہ کیا کچھ کم تھا کہ اس کا تمام دور حکومت جنگ و پیکار ہی میں گزر گیا اور اگر اسلامی وقار اور ایمانی کارنامہ پیش نظر ہے تو بھی اس مقدس سلسلہ میں یزید و ولید جیسے لوگ نہیں آتے چوتھے خلافت راشدہ کا زمانہ تیس سال ہے یہ بغیر شمول امام حسن پورے نہیں ہوتے اور ان کو شامل کیا جاتا ہے تو بجائے ۱۲ کے ۱۳ ہوئے جاتے ہیں اور نہیں شامل کیا جاتا تو ان کی خلافت کو کہاں جگہ دی جائے اور اس حدیث کو جو حسنین کے بارے میں ہے کیونکر رد کیا جائے گا امامان قاما او قعودا یہ بیان تو صرف انہی حضرات کے مفروضہ کی بنا پر ہے ورنہ شیعہ حضرات تو ان میں علیؑ اور حسن علیہما السلام کے سوا اور کسی کی امامت کے قایل ہی نہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی شخصیت اور عمل کے متعلق بہت کچھ کہا جا سکتا ہے مگر ہم صرف ایک یزید ہی کے متعلق علامہ تفتازانی کا وہ بیان نقل کرتے ہیں جو انہوں نے شرح مقاصد میں دیا ہے فرماتے ہیں۔

اما ما جری من بعدھم من الظلم علیٰ اھلبیت النبی صلی اللہ علیہ و الہ فمن الظھور بحیث لا مجال الاخفاء و من الشناعۃ بحیث لا اشتباہ علی الاذکار یشھدبہ الجماد و الحجماء وتبکی لہ الارض والسماء وتتھدمنہ الجبال و تنش الصخور ویبقی سوء عملہ علی کر الشھور والدھور والعنۃ اللہ

علی من باشر اورضی اوسعی وبعذابِ الاخرۃ اشد وابقی (بعد صحابہ کبار اہلبیت رسول پر ظلم وستم شروع ہوئے اور اس حد تک پہنچے کہ ان کا چھپانا محال ہوگیا اور اس کی برائی اتنی بڑھ گئی کہ اب لوگوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور نہ مشتبہ قریب ہے کہ گواہی دیں اس کی جمادات وحیوانات بے زبان اور گریاں ہوں زمین وآسمان اور پارہ پارہ ہوں اس سے پہاڑ اور شگافتہ ہوں اس سے سخت پتھر اور یہ اس کی بداعمالی باقی رہی مرور لیالی وایام تک پس لعنت خدا اس پر جو اس فعل کا مرتکب ہوا یا اس پر جو راضی ہوا یا اس کے لیے جس نے سعی کی پس عذاب خدا سخت اور باقی رہنے والا ہے۔"

کیا اسلام کے لیے اس سے زیادہ بدنصیبی کوئی اور بھی ہوسکتی ہے کہ رحمۃ للعالمین جیسے رسول کا جانشین ایک ایسے سیاہ کار اور ننگ انسانیت جیسے انسان کو مان لیا جائے جس کو نہ خوفِ خدا تھا نہ خلق خدا سے شرم آگے چل کر شارح مقاصد لکھتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ بعض علمائے اہلسنت یزید پر لعن کرنا جائز نہیں جانتے باوجودیکہ ان کو یہ معلوم ہے کہ اس میں ایسی برائیاں بھی ہیں جو لعن سے بھی بالاتر ہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ سد باب ہے منع لعن معاویہ وغیرہ سے برائے حفظ آبروئے صحابہ کبار کیونکہ شعار روافض ہے کہ وہ اپنی دعاؤں اور مجالس میں ایسا کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ علمائے اہلسنت بھی یزید کو اچھا نہیں سمجھتے۔ پھر ایسے شخص کو ائمہ اثنا عشر کی فہرست میں داخل کرنا کس لیے ضروری سمجھا گیا۔

جناب معاویہ کے کردار کے متعلق اسلامی تاریخیں جو کچھ کہہ رہی ہیں وہ اہل نظر کے سامنے ہے ہم صرف ایک واقعہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جناب عمارؓ حضرت رسولخداؐ کے ایک محبوب صحابی تھے ان کے مرنے کے متعلق حضرت رسولخداؐ نے ان الفاظ میں پیشینگوئی

فرمائی تھی یاعمار تقتلك فئه الباغیته ۔ یہ پیشینگوئی جنگ صفین میں پوری ہوئی جناب عمار جنگ صفین میں امیرالمومنینؑ کی طرف سے لڑ رہے تھے لشکر معاویہ نے ان کو شہید کیا اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ فئہ باغیہ کون قرار پایا اور اس کا امیر کون ہوا۔

شہادت عمار کے بعد جب امیر معاویہ کو اس حدیث کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے کہا عمار کا قاتل وہ ہے جو اُن کو قتل ہونے کے لیے میدان میں لایا جب حضرت علیؑ نے یہ جواب سُنا تو فرمایا اس لحاظ سے تو جناب حمزہ کے قاتل حضرت رسولخداؐ ہوئے اس کے علاوہ وہ بغیر استحقاق اور سنتِ خلفائے ثلثہ کے خلاف انہوں نے یزید کو اپنا جانشین بنایا جس کے نتیجہ میں خاندانِ رسالت تباہ و برباد ہوا اور اسلام پر ایک عظیم الشان مصیبت نازل ہوئی۔

مرزا محمد دہلوی نے نصرۃ المومنین میں بلاذری کی الاہرے جو اعاظم محدثین اہلسنت سے ہیں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ بعد شہادت امام حسین علیہ السلام حضرت عبداللہ بن عمر نے باوجود یزید سے خوش عقیدہ ہونے کے ازراہ درد اسلامی یزید کو خط میں لکھا اسلام پر ایک عظیم الشان مصیبت نازل ہوگئی اور فتنۂ عظیم برپا ہوگیا۔ لایوم کیوم الحسین یزید نے جسے ائمہ اثنا عشر کی فہرست میں داخل کیا گیا ہے غصہ میں بھر کر جو جواب لکھا وہ یہ تھا" اے احمق ہم نے پائے ہیں اونچے اونچے تصر فرش دفروش سے آراستہ مسندیں پُرتکلف ہر طرف بچھی ہوئی پس ہم نے ان کے لیے مقاتلہ کیا پس اگر ہم حق پر تھے تو حق کے لیے لڑے اور اگر حق غیر ہے تو فابوك من سنّ هذا (تو یہ سنت تمہارے باپ کی قایم کی ہوئی ہے)

دیکھا آپ نے یہ کیسا گستاخانہ جواب ہے خلیفہ زادہ کی بارگاہ میں کیا اس سے حضرت عمر کی توہین نہیں ہوتی جن حضرت عمر نے سلطنت بنی امیہ کی بنیاد رکھی ان کے اس احسانِ عظیم کو پس پشت ڈالنے والا کیا زمرہ آئمہ میں شمار ہو سکتا ہے ؟ حضرات اہلسنت خود

ہی غور فرمائیں۔

جذب القلوب میں ہے کہ سب سے زیادہ شنیع اور قبیح تر واقعہ حرہ ہے جس کو حرہ واقم اور حرہ زہرہ بھی کہتے ہیں۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے اس میں جو واقعات از قسم قتل و خونریزی و فساد اور ہتک حرمت پیش آئے اگرچہ ان کا بیان بارِ خاطر ہے مگر چونکہ مخبر صادق نے اس واقعہ کی خبر دی ہے لہٰذا اس کا بیان ضروری ہے۔ قرطبی کہتا ہے جس زمانہ میں مدینہ اپنی رونق و آبادی میں کمال کے درجہ پر تھا اور مہاجرین و انصار، علمائے عالی مقدار اور تابعین اخیار سے بھرا ہوا تھا۔ یزیدی دور میں حوادث و فتن اس میں داخل ہو گئے اور اہل مدینہ ان سے خائف و ترساں ہو کر مقام حرہ میں سکونت مدینہ ترک کر کے پناہ گزیں ہوئے۔ یزید بن معاویہ نے مسلم ابن عقبہ کی ماتحتی میں اہل شام کا ایک عظیم الشان لشکر اہل مدینہ سے لڑنے کے لیے بھیجا اس لشکر نے حرہ مدینہ میں اور مدینہ میں قتل عام کا بازار گرم کیا اور تین دن تک ہتک حرم نبوی کی۔ اس واقعہ میں ایک ہزار سات سو مہاجرین و انصار اور علماء و تابعین قتل ہوئے اور عوام الناس میں عورتوں اور بچوں کے علاوہ دس ہزار آدمی ہلاک کئے گئے اور سات سو حافظین قرآن کو موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ ایک ہزار عورتوں نے اس واقعہ کے بعد زنا کے بچے جنے اور مسجد رسول اور روضۂ رسول میں گھوڑے باندھے گئے اور لوگوں سے بہ جبر غلامی یزید کی بیعت اس طرح لی گئی کہ وہ چاہے بیچے چاہے آزاد کرے خواہ اطاعت خدا کی طرف بلائے یا معصیت کی طرف۔ جب یزید بن عبداللہ بن زمعہ نے موافق قرآن و سنت بیعت کا ذکر کیا تو فوراً اس کی گردن ماردی گئی۔ قرطبی نے اس کے بعد طبرانی سے جو اعظم علمائے اہلسنت سے ہیں اسی واقعہ کو درج کیا ہے جس کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔

ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ یزید کے بدافعال کی کثرت پر نظر رکھتے ہوئے اہل مدینہ نے خلع بیعت کیا۔ واقدی نے بطرق چند ابن عبداللہ بن حنظلہ ابن غسیل سے روایت کی ہے کہ ہم نے یزید پر خروج نہیں کیا جب تک یہ خوف نہیں ہوا کہ آسمان سے ہم پر پتھر برسیں گے وہ اپنے محرمات نسبیہ سے جیسے دختر و خواہر زنا کرتا تھا۔ شراب خواری کرتا تھا اور تارک نماز تھا۔

ذہبی کہتے ہیں کہ یزید نے جو ظلم اہل مدینہ پر کیا اس کی وجہ سے اور اس کی شراب خواری اور افعال شنیعہ کی وجہ سے اہل مدینہ نے اس پر خروج کیا۔ اس کی عمر کوتاہ ہو گئی اور برکت اس سے اٹھ گئی۔

ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ نوفل بن ابی فرات کہتا ہے کہ میں عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر تھا کہ حاضرین میں سے ایک نے یزید کو امیر المومنین کہہ دیا پس عمر ثانی نے جو ساتویں خلیفہ کہلاتے ہیں اس کو بیس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

یہ ہے یزید کی دینداری، حق پرستی اور ایمان نوازی کا کچا چٹھا جس کو علمائے اہلسنت نے بیان کیا ہے اس پر بھی کسی کی خوش اعتقادی اسے امام، جانشین رسول۔ خلیفۂ وقت اور امیر مومناں ہی سمجھے تو وہ جانے اس کا ایمان۔

اب عبدالملک ابن مروان کا تھوڑا سا حال سنیئے جس کو ائمہ اثنا عشر کی فہرست میں جگہ دی گئی ہے جب اس کو خلیفہ ہونے کی خبر دی گئی تو قرآن پڑھ رہا تھا پس پٹک کر کہنے لگا۔ سلام علیک ھذا فراق بینی و بینک اس کو افراط بخل کی وجہ سے ابوالذیاب کہتے تھے۔ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفا میں ابن ابی عائشہ سے نقل کیا ہے کہ جب عبدالملک کو اپنے خلیفہ ہونے کی خبر ملی تو قرآن اس کی بغل میں تھا اسے دے پٹکا اور کہا ھذا اخر العھد بک۔ سیوطی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر عبدالملک

میں کوئی عیب بھی نہ ہو تو یہی کیا کم ہے کہ اس نے حجاج جیسے سفاک کو حاکم بنایا جس نے صحابہ اور معزز مسلمانوں کی توہین کی اور ان کو طرح طرح سے ذلیل کیا قتل کیا۔ گالیاں دیں صحابہ۔ اکابر اور تابعین میں سے بے شمار لوگوں کو قتل کیا۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرات اہلسنت خلافت کی اس بزم میں جہاں ان کے خلفائے راشدین بھی مسند آراء ہوں ایسے سلاطین کو کیوں جگہ دے کر تاج امامت و خلافت کو ان کے سروں پر رکھا جاتا ہے۔

اب بنی امیہ کے اس امام کا حال بھی سُن لیجئے جس کا نام سلیمان بن عبدالملک اعرج تھا اتنا پر خور تھا کہ تخمہ میں انتقال کیا اور حمقائے قریش میں شمار ہوتا تھا سیوطی نے تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ وہ نامی پرخوروں میں سے تھا ایک نشست میں چھ مرغ ایک ٹوکری منقی اور بیروں دوسری جنس کھا جاتا تھا۔

ان اماموں میں سے ایک یزید بن عبدالملک تھا جو کثرت فسق و فجور میں مشہور ہے۔ ایک ان میں ہشام ہے جو احول میشوم کہلاتا تھا۔

ایک ولید بن عبدالملک ہے جو شراب خواری میں تمام بنی امیہ سے بالاتر تھا ایک دن اس نے قرآن سے تفاول کیا یہ آیت برآمد ہوئی۔ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ (سورہ ابراہیم ۱۴/۱۵) اس نے غصہ میں قرآن کو پھاڑ ڈالا اور یہ اشعار پڑھے

اتهددنی بجبارٍ عنید وها انا ذاك جبار عنید

اذا ما جئت ربك يوم حشر فقل یارب مزقنی الولید

عمر ابن عبدالعزیز کہا کرتے تھے ولید شام میں۔ حجاج عراق میں، عثمان بن جبارہ حجاز میں حزم ابن شریک مصر میں پس زمین ظلم سے بھر گئی۔

اس مختصر بیان کے بعد اہل علم انصاف کریں کہ یہ حضرات امامت کے لئے کہاں تک

اہل تھے اگر اس امامت کے لیے فضیلت کا معیار بغض اہلبیت میں شدت قرار دیا جائے تو دوسری بات ہے۔

مذکورہ بالا افراد امامت میں بڑی تعداد اس خاندان کے لوگوں کی ہے جس کو قران نے شجرۂ ملعونہ سے تعبیر کیا ہے۔ تفسیر نیشاپوری میں ابن عباس سے مروی ہے الشجرة بنو امیہ۔ زمخشری نے تفسیر کشاف میں لکھا ہے رای صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام اَنّ ولد الحکم یتداولون منبرہ کمایتداول الصبیان الکرۃ (حضرت نے خواب میں دیکھا اولاد حکم آپ کے منبر سے اس طرح کھیل رہی ہے جیسے لڑکے گیند سے کھیلتے ہیں) اس کلام کے شارحین نے لکھا ہے کہ ولد کا لفظ یہاں بطور جنس استعمال ہوا ہے جس سے مراد اولاد حکم ہے جو جد اعلیٰ ہے معاویہ اور یزید کا سیوطی نے یوسف بن سعد سے روایت کی ہے کہ معاویہ اور امام حسن کے درمیان صلح کے بعد ایک شخص نے امام حسن سے کہا "تم نے لوگوں کا منہ کالا کرایا" آپ نے فرمایا اے شخص سنان زبان سے مجھے ایذا نہ دے بخدا رسول خدا نے اپنے منبر پر بنی امیہ کو خواب میں دیکھا تو آپ کو بڑا ملال ہوا خدا نے ان کی تسلی خاطر کے لیے فرمایا۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (سورہ الکوثر ۱۰۸/۱) اور نازل کیا سورہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ (سورہ القدر ۱ تا ۳/۹۷) یہ وہی ہزار مہینے ہیں جن میں تمہارے بعد بنی امیہ حکومت کریں گے۔ قاسم راوی کہتا ہے ہم نے شمار کیا تو بنی امیہ کی حکومت کا زمانہ ٹھیک ہزار مہینے تھا نہ کم نہ زیادہ۔

تیسرے۔ قرآن میں آیہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ (سورہ ابراہیم ۲۸ و ۲۹/۱۴) کیا تم نے اس قوم کو دیکھا جس نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلا اور اپنی قوم کو دار البوار جہنم

میں اُتارا تاکہ وہ اس کی آگ میں جلیں اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے) علامہ زمخشری نے کشاف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمر سے نقل کر کے لکھا ہے ھم الافجران من القریش بنو المغیرہ و بنو امیہ فاما بنو مغیرہ فکفیتمو ھم یوم بدر واما بنو امیہ فمتعو الی حین (حضرت عمر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا وہ قریش کے دو فاجر قبیلے بنو مغیرہ اور بنو امیہ ہیں۔ بنو مغیرہ کے شر کا علاج تو جنگ بدر میں کر دیا گیا رہے بنی امیہ وہ وقت معلوم تک نعمات دنیا سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

چوتھے۔ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں ابن شیبہ سے اور اس نے سعید بن جمہان سے روایت کی ہے کہ میں نے سفینہ سے کہا بنی امیہ گمان کرتے ہیں کہ خلافت ان میں ہے انہوں نے کہا وہ جھوٹ کہتے ہیں بنی زرقا وہ ملوک ہیں اور اشر ملوک۔

پانچویں۔ اہلسنت کے یہاں مشہور روایت ہے الخلافتہ بعدی ثلثون سنہ ثم یصیر ملکا عضوضا (فرمایا آنحضرتؐ نے خلافت میرے بعد خلافت تیس سال ہے پھر ملک درندہ ہوگا) غور کیجئے ایک ملک درندہ کا امامت سے کیا تعلق۔ جناب امام حسن علیہ السلام نے باوجود استحقاق خلافت یہ سمجھتے ہوئے معاویہ سے صلح کی کہ زمانہ خلافت ختم ہوگیا۔ اور وقت بادشاہ گزندہ اور دورہ ظلم و بیداد شروع ہوگیا اب اگر میں سلطنت برقرار رکھنے میں کوشاں رہوں تو چونکہ یہ فرمودہ آنحضرتؐ کے خلاف ہے لہٰذا یہ کوشش نہ ہوگی اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے گی۔

جو حضرات امیر معاویہ کو خلیفہ برحق جانتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ خلافت میں استحقاق شرط ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کبھی لفظ خلافت کا اطلاق بادشاہت اور ریاست پر بھی ہوتا ہے تو پھر حدیث سفینہ کو جس کا ذکر پہلے ہو چکا کیونکر غلط سمجھا جائے گا درانحالیکہ ان کو ثقہ مان لیا گیا ہے اور ابن حجر کو ان کی حدیث کے مقابل یہ کہنا پڑے ہے خلافتہ معاویہ ان کان حقاً

انّها غلب عليها مشابهته الملوك (خلافت معاویہ اگرچہ حق ہے لیکن مشابہت ملوکیت اس پر غالب آگئی۔) جب بادشاہت اور ریاست عین مُلک ہے تو مشابہ ہونا کیسا اور اگر یہی معنی مُراد ہیں تو پھر یہ اعتقاد کیونکر صحیح ہوگا کہ حضرت علیؑ کی خلافت کے زمانہ میں معاویہ خلیفہ نہ تھے اور یہ کیوں کہا گیا انما كانَ مِن الملوكِ واختلفوا في امامته بعد موت علي فقيل صارَ اماماً و خليفةً لان البيعة قدتمت له وقيل لم يصر اماماً الحديث ابی داؤد والترمذی والنسائی الخلافته بعدی ثلثون سنه ثم يصيرُ ملكاً وقد انقضت الثلثون بوفاتِ علیؑ (بے شک وہ ملوک سے تھا اختلاف کیا ہے لوگوں نے اس کی امامت میں مرگ علی کے بعد بعض نے کہا وہ امام و خلیفہ ہوگیا کیونکہ اس کی بیعت ہوگئی اور بعض نے کہا وہ امام نہیں ہوا۔ ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال ہے اس کے بعد ملوکیت ہوگی چونکہ وفات علی کے بعد تیس سال کی مدّت ختم لہٰذا خلافت و امامت کا دَور بھی ختم ہوگیا۔

چھٹے۔ آنحضرتؐ کا یہ ارشاد کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے قابل غور و تامل ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا قیامت تک جب تک دین اسلام دنیا میں باقی ہے کوئی نہ کوئی جانشین رسول بھی ضرور اس کے ساتھ باقی رہے گا اب رہا وہ سلسلہ جو حضرات اہلسنت نے قائم کیا ہے وہ چونکہ ختم ہوگیا لہٰذا مراد نہیں ہوسکتا وہ بارہ وہی ہیں جو مطابق ہیں مخبر صادق کی اس خبر کے مَن ماتَ ولم يعرف امامَ زمانه ماتَ ميتة جاهليته یہی دلیل ہے وجود امام کی ہر زمانہ میں۔ لہٰذا بتایا جائے کہ ان کے علاوہ جو دوسرا سلسلہ قائم کیا گیا ہے اس کے ختم کے بعد کون امام باقی رہا۔ اس وقت کو شارح عقاید نے محسوس کرتے ہوئے لکھا ہے۔ جب مدّت

خلافت تیس سال ہے تو بعد خلافت خلفائے راشدین زمانہ امام سے خالی رہے گا اور قوم کا ہر مرنے والا جاہلیت کی موت مرے گا اس کا جواب یہ ہے کہ خلافت سے مراد خلافت کاملہ ہے۔ پس خلافت ختم ہو گی امامت نہیں" اس قول کی رکاکت ظاہر ہے کیونکہ خلافت راشدہ کے بعد امامت کی اصطلاح چلی نہیں۔

سا تویں۔ علامہ سیوطی تاریخ الخلفا میں تحریر فرماتے ہیں۔ عن ابی الخلاله قالَ لاتهلكُ هذهِ الامّةُ حتّیٰ يكونُ منها اثناعشر خليفةً كالّهم يعملْ بالهدى ودين الحق منهم رجلانِ من اهلبيت محمّد وعليٰ هذا فالمرادُ بقوله ثم يكونُ الهرجُ اى الفتن الموذيه بقيام السّاعتهِ من خروج الدجال وما بعده بنی امیہ نے استیصال اہلبیت و اہل مدینہ کے متعلق جو عمل کیا وہ یقیناً امر بد تھا اگر تھا تو دین حق سے خروج لازم آتا ہے۔ حضرت کا ارشاد یہ ہے کہ امت ختم نہ ہو گی جب تک اس میں بارہ خلیفہ نہ ہو لیں لیکن دوسرے سلسلہ کے خلفا ختم ہو گئے اور امت باقی ہے حالانکہ خلفا کو امت کے ساتھ چلنا چاہیے۔ چونکہ دو شخصوں کو اہلبیت محمد سے ان بارہ میں شمار نہیں کیا بلکہ صرف حضرت علی ہی کو رکھا ہے اور امام حسنؑ کو چھوڑ دیا ہے لہٰذا انہی کی بیان کردہ حدیث سے یہ تعداد باطل ہوئی۔

آٹھویں۔ زبان رسول پر بنی امیہ کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے لعن کی ہے حکم پر اور اس کی اولاد پر تا روز قیامت اور بنی امیہ کے متعلق فرمایا ہے۔ شرّ القبایل بنی امیہ۔

نویں۔ بنی امیہ نے برسرِ منبر امام المتقین امیر المومنین حضرت علیؑ پر لعن کی لہٰذا وہ اسلام سے خارج ہوئے ان ہی امیر المومنین کے متعلق ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں۔

مَا اقولُ فی رَجُل اقرّله اعداوه وخصومه بالفضل ولم یمکنّهم حجد مناقبه ولا کتمان فضائله فقد علمتَ ان استولی بنو امیّه علی سلطان الاسلام فی شرق الارض وغربها واجتهدوا بکل حیلتهٖ فی اطفاء نوره والتحریف علیه ووضع المعائب والمثالبِ له ولعنوه علی جمیع المنابر وتوعدوا علی مادحیه بل حبسوهم وقتلوا ومنعوا من روایة حدیثٍ یتضمن له فضیلة اویرفع ذکراً حتیٰ خطروا ان یسّمیٰ باسمهٖ فمازاده ذلکَ ارفعه وسموا وکان کالمسکِ کلمّا استرا نتشر عرفه کلما کتم تضوع نشره وکالشمس لاتستر بالرّاحِ وکضوءِ النهارِ انِ حجبت عنه عینا واحدة ادرکته عیون کثیرة اخری۔ (میں کیا کہوں اس شخص کے بارے میں جس کے فضائل کا اقرار اس کے دشمنوں نے کیا اور اس کے مناقب کا انکار کرتے نہ بنا اور اس کے فضائل کو چھپا نہ سکے اور تمہیں معلوم ہے کہ جب بنی امیّہ کا غلبہ شرق سے غرب تک ہوگیا اور انہوں نے ہر حیلہ سے نورِ علیؑ کو بجھانے کی کوشش کی ان کے لیے طرح طرح کے معائب وضع کیے اور منبروں پر ان کے اوپر لعنت کی اور ان کے مداحوں کو ڈرایا دھمکایا بلکہ ان کو قید کیا اور قتل کیا اور ایسی حدیث روایت کرنے سے روکا جس میں ان کی فضیلت کا ذکر ہو یا ان کا ذکر بلند ہو یہاں تک کہ ان کے نام پر نام رکھنا گناہ ہوگیا۔ لیکن اس کے باوجود ان کی قدر و منزلت بڑھتی گئی وہ مُشک کی مانند ہیں کہ اس کی خوشبو کو جتنا دبایا اتنی ہی پھیلی یا وہ سورج کی مانند ہیں کہ جو ہتھیلی سے نہیں چھپتا یا دن کی روشنی کی مانند ہیں کہ اگر اس کو ایک آنکھ نہیں دیکھتی تو ہزاروں آنکھیں دیکھتی ہیں

امیرالمومنین علیہ السّلام فرماتے ہیں۔ لیس امیه کهاشم ولاحربُ کعبدالمطلب ولا ابوسفیان کابی طالب ولاالمهاجرُ کالطّلیق ولا الصریحُ کاللصیص ولاالمومن کالمدغل ولیس الخلف خلف هوی فی نار جهنم یتبع

سلفا حضرت نے معاویہ کو لکھا نہ امیہ مثل ہاشم تھا نہ حرب مثل عبدالمطلب نہ ابوسفیان مثل ابوطالب نہ مہاجر مثل آزاد کردہ کے نہ صحیح النسب مثل داعل النسب کے اس بیان کے بعد فیصلہ اہل انصاف پر چھوڑا جاتا ہے۔

تمسک باہلبیت واجب ہے

۱۔ حدیث ثقلین

نورالدین علی بن حسام الدین مشہور بہ متقی منہج العمال جامع صغیر مختصر جمع الجوامع کے باب ثانی میں مستدرک حاکم سے ابوہریرہ سے روایت کی کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا۔

خلفت فیکم شئین لن تضلو ابعدی مما کتاب اللّٰہ وسنتی ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض (میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ کتاب اللہ اور میری سنت ہے یہ جدا نہوں گے۔

(۲) ابوبکر الشافعی نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا

ایھاالناس قدترکت فیکم ماان اخذتم بہ لن تضلوکتاب اللّٰہ وعترتی اھل بیتی (لوگو میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اسے لیے رہے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ اللہ کی کتاب اور میرے اہلبیت ہیں)

(۳) ترمذی نے جناب جابر سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا انی تارکٌ فیکم خلیفتین کتاب اللّٰہ حبل ما بین السّماء والارض وعترتی اھلبیتی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض (لوگو میں تم میں دو خلیفہ چھوڑنے والا ہوں اللہ کی کتاب جو ایک لمبی رسی ہے ما بین آسمان و

و زمین اور میری عترت میرے اہلبیت ہیں یہ ہرگز جدا نہوں گے تا انیکہ حوض کوثر پر میرے پاس آجائیں ۔)

(۳) مسند احمد ۔ الکبیر طبرانی ۔ سنن سعید بن منصور میں زید بن ثابت سے مروی ہے کہ حضرت رسولخدا نے فرمایا انی تارك فیكم ما ان تمسكتم به لن تضلوا بعدی احدهما اعظم من الاخر كتاب اللّٰه حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اهلبیتی لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض فانظروا كیف تخلفونی فیهما (لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے اس سے تمسک رکھا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہوگے ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے اور وہ ایک تو اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین تک ہے دوسرے میری عترت میرے اہلبیت ہیں یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے بعد وارد نہو جائیں پس یہ خیال رکھنا کہ تم ان دونوں کے ساتھ کیا برتاؤ کروگے)

(۴) زید ابن ارقم سے مروی ہے کہ حضرت نے فرمایا ایها الناس انی بشر یوشك ان یاتینی رسول ربی فاجیب وانا تارك فیكم ثقلین اولهما كتاب اللّٰه فیه الهدی والنور من استمسك به واخذ به كان علی الهدی ومن اخطاء ضل فخذوا بكتاب اللّٰه واستمسكوا به واهل بیتی اذكركم اللّٰه فی اهلبیتی اذكركم اللّٰه فی اهل بیتی (میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑنے والا ہوں اول ان میں کتاب خدا ہے جس میں ہدایت اور نور ہے جس نے اس سے تمسک کیا اور لے لیے رہا اس نے ہدایت پائی اور جس نے خطا کی وہ گمراہ ہوا پس کتاب اللہ کو لو اور اس سے تمسک رکھو دوسرے میرے اہلبیت ہیں میں اپنے اہلبیت کے متعلق تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں میں خدا کو یاد دلاتا ہوں ۔

یہ حدیث ثقلین بیس سے زیادہ صحابہ نے نقل کی ہے۔ بتغیر الفاظ لہٰذا اس کے متواتر ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ نیز یہ بھی واضح ہے کہ قرآن اور اہلبیت دونوں سے یکساں تمسک رکھنے کا حکم دیا گیا ہے صرف ایک سے تمسک کا نہیں لہٰذا اس فرمان واجب الاذعان کے سامنے قول حسبنا کتاب اللہ کی کیا وقعت اگر صرف ایک سے ہدایت کافی ہوتی تو حضرت دو کا ذکر نہیں کرتے قرآن بھی دو ہی کو بتاتا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (سورہ المائدہ ۱۵/۵) پس اس صورت میں قرآن و حدیث دونو میں موافقت ہوگی۔

بعض روایات میں اہلبیت کی بجائے سنت کا لفظ ہے لیکن یہ روایات شاذہ میں سے ہے کیونکہ بکثرت روایات میں لفظ اہلبیت ہی وارد ہوا ہے اور درایتاً صحیح بھی یہی ہے کیونکہ قرآن کی طرح سنت بھی خاموش ہے ایسی صورت میں امت اختلاف کو کون مٹائے اور راہ عمل کو کون بتائے شکوک وشبہات کا جواب کون دے گمراہی سے کون بچائے۔ قرآن اور سنت دونوں موجود ہوتے ہوئے امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگئی جن میں بہتر فرقے موافق حدیث رسول ناری ہیں صرف ایک ناجی ہے۔ اگر فرمودہ رسول پر عمل ہوتا تو بجوائے لن تضلو ابعدی یہ ہرگز گمراہ نہ ہوتے۔

قرآن کی طرح جب تمسک باہل بیت کا حکم وجوبی ہے تو یقیناً اس کے ترک پر امت کو پیش خدا ورسول جواب دہ ہونا پڑے گا۔

اب غور کرنا اس پر باقی ہے کہ عترت واہلبیت ہے کون؟

صحیح مسلم میں زید بن ارقم سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا ازواج رسول اہلبیت میں داخل ہیں انہوں نے کہا ہاں ازواج رسول اہلبیت ہیں لیکن آنحضرتؐ کے اہلبیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے پوچھا وہ کون ہیں۔ کہا وہ اولاد علی وجعفر وعقیل وعباس

ہے۔) مطلب یہ ہے کہ اہلبیت دو معنی رکھتے ہیں یہاں مراد معنی ثانی ہیں اس کی موید زید بن ارقم والی روایت ہے کسی نے ان سے کہا اہلبیت سے مراد ازواج ہیں فرمایا نہیں خدا کی قسم بی بی ایک زمانہ تک شوہر کے گھر میں رہتی ہے اس کے بعد اسے طلاق ہو جاتی ہے اور وہ اپنے باپ کی طرف لوٹ جاتی ہے اہلبیت سے مراد اس کے گھر والے اور خاندان والے ہیں۔

رسول نے قرآن کے ساتھ اپنے اہلبیت کو کیا ہے پس جب تک قرآن دنیا میں ہے اہلبیت کا وجود بھی اس کے ساتھ رہنا چاہیے ورنہ حدیث کا منشا ہی پورا نہ ہوگا ازواج ہوں یا رسول کے خاندان والے یہ تو کبھی کے ختم ہو گئے پوری صدی بھی نہ چلے اور حدیث بتاتی ہے کہ قیام قیامت تک جتنی توحید پرست قومیں ہوں گی ان کو ضلالت سے بچانے کے لیے قرآن اور اہلبیت دونو کو ہونا چاہیے۔ ایک کو احکام الہیٰ بتانے کے لیے دوسرے کو صورت عمل دکھانے کے لیے۔

ہر زمانہ میں جو شخص اہلبیت میں سے ہو چاہیئے کہ وہ عالم ہو تمام احکام الہیٰ کا اور عارف ہو تمام آیات قرآنی کا از قسم ناسخ و منسوخ محکم و متشابہ مجمل و مفصل عام و خاص اور ایسا عالم سوائے ائمہ اہلبیت دوسرا نظر نہیں آتا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ایسی احادیث سے آنحضرتؐ کی غرض محبت اہلبیت پر ترغیب دلانا ہے نہ کہ ان کی اطاعت و پیروی کو واجب قرار دینا تو یہ صحیح نہیں صرف محبت بدون اطاعت حصول ہدایت کے لیے کافی نہیں حضورؐ نے تمسک کا حکم دیا ہے اور تمسک کے لیے اطاعت لازم ہے۔ اس تمسک میں قرآن اور اہلبیت دونوں شریک ہیں تو کیا قرآن کی محبت بدون اس کے احکام کی پذیرائی کے کافی ہوگی نیز یہ کہ قرآن اور اہلبیت ایک دوسرے سے جدا ہونے والے نہیں پس ان میں سے ایک کو لینا اور دوسرے کو چھوڑ دینا منشائے حدیث کے خلاف ہے۔

ابن حجر مکی کا یہ بیان حقیقت کو ایک بڑی حد تک بے نقاب کرتا ہے وہ لکھتے ہیں۔

ثم الذین وقع الحثُ علیهم منهم انهم عارفون بکتاب اللّٰه و سنّةِ رسوله اِذهم الذین لایفارقون الکتاب الی الحوض ویؤیّده خبر السّابق ولا تعلمّوهم فانهم اعلم مِنکم وتمیزوابذلك عن بقیته العلماء لانّ اللّٰه اذهب عنهم الرجس و طهّرهم تطهیرا و شرفهم بالکراماتِ والمزایا المتکاثره

وہ لوگ جن کے متعلق ترغیب دلائی گئی ہے ان میں سے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول کے عارف ہیں اور یہی وہ ہیں جو کتاب سے جُدا نہوں گے حوض کوثر پر پہنچنے تک اور اس کی موید یہ حدیث ہے ان کو مت سکھاؤ وہ تم سے زیادہ جاننے والے ہیں اور ان کو بقیہ تمام علماء سے الگ سمجھو کیونکہ اللہ نے ان کو ہر رجس سے دور رکھا ہے اور پاک کر دیا ہے حق پاک کردینے کا اور مشرف بنایا ہے کرامتوں سے اور بہ کثرت فضیلتوں سے۔

انچہ حق است برزبان سے آید۔ مواہب لدنیہ میں ام سلمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ میرے گھر میں بردیمانی اوڑھے لیٹے تھے کہ پہلے فاطمہؑ آئیں پھر علیؑ پھر حسنؑ اور حسینؑ آئے حضرت نے ان سب کو اس چادر میں لے کر فرمایا اللهم هولاء اهلبیتی وحامتی فاذهب عنهم الرّجس و طهّرهم تطهیرا۔ پس اہلبیت وہی ہوئے جن کو رسول نے اہلبیت کہا۔

۲۔ حدیث سفینہ

ابن المغازلی شافعی نے باسناد خود بشیر ابن الفضل سے روایت کی ہے کہ میں نے سنا رہید سے اور اس نے سنا ہدی سے اس نے اپنے باپ سے اس نے ابن عباس سے کہ فرمایا حضرت رسولخدا نے مثل اهلبیتی کمثل سفینه نوحٍ من رکب فیها نجی

ومن تخلف عنها هلك ۔ اس حدیث کے راویوں میں خلفائے اہل سنت بھی ہیں ان کے علاوہ بہ کثرت راویوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ یہ حدیث صحاح ستہ کی مرویات سے ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نجات امت کے ذمہ دار کشتی نوح کی طرح اہلبیت رسول ہیں جس نے ان سے تعلق نہ رکھا وہ ڈوب گیا اور ہلاک ہوا۔

صاحب کشاف نے حضرت رسولخداؐ کی یہ حدیث نقل کی ہے فاطمة مهجته قلبی وانباها ثمرة فوادی وبعلها نور بصری والائمة من ولدها امناء ربی و حبل ممدود بینه وبین خلقه من اعتصم بهم نجی ومن تخلف عنهم هوی (فاطمہ میری جان ہے اس کے بیٹے میرے پارہ جگر ہیں اس کا شوہر میری آنکھوں کا نور ہے اس کی اولاد سے ہونے والے ائمہ امنائے رب ہیں اور ایک رسن دراز ہیں اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان جس نے ان سے تعلق رکھا نجات پائی اور جس نے روگردانی کی ہلاک ہوگیا) اس قسم کی تمام احادیث اہلبیت کی عصمت اور ان کی اطاعت کے وجوب کو ظاہر کرتی ہیں۔

۳۔ معرفت امام زمانہ

حمیدی نے جمع الصحیحین میں اور شرح عقاید وغیرہ میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ من مات ولم یعرف امام زمانه مات میتة جاهلیة جو اس حالت میں مرگیا کہ امام زمانہ کو نہ پہچانا تو وہ کفر کی موت مرا۔

علمائے اسلام نے امام زمانہ سے عجیب وغریب معنی مراد لیے ہیں کسی نے کہا امام زمانہ سے مراد بادشاہ وقت ہے اس سے لازم آتا ہے کہ بادشاہ وقت خواہ ظالم ہو یا جابر فاسق ہو یا فاجر اس کی معرفت واجب ہوگی اور جنہوں نے ان کو نہ پہچانا ہوگا جیسے سلاطین بنی امیہ اور

بنی عباس وغیرہ جن سے بہت سے اصحاب رسول اور دیندار مسلمانوں نے اظہار بیزاری کیا تو وہ بیچارے کفر کی موت مرے۔ بعض نے امام زمانہ سے مراد قرآن لی ہے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ تمام قرآن کی معرفت ہر فرد پر خلاف اجماع ہے۔ یہ کہنے لگے کہ مراد اس سے بعض قرآن ہے لیکن یہ مذہب ابو حنیفہ ہے کہ وہ قرآن یاد کرنا کلاً واجب جانتے ہیں نہ جزءاً صاحب حدیقہ سلطانیہ نے صفحہ ۳۳۰ پر حسب ذیل حکایت لکھی ہے۔

ابن ابی جمہور احسائیؒ متکلم امامیہ میں سے تھے مشہد مقدس میں ان کا مناظرہ ایک ہروی عالم اہلسنت سے ہوا۔

احسائیؒ۔ آپ اس حدیث کے بارہ میں کیا کہتے ہیں۔ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتة جاهلیته یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں۔؟

ھروی۔ صحیح ہے اور اس پر علما کا اتفاق ہے۔

احسائیؒ۔ اس وقت تمہارا امام کون ہے۔

ھروی۔ قرآن۔

احسائیؒ۔ اس سے تو لازم آتا ہے کہ قرآن کا سیکھنا ہر شخص پر واجب عینی ہو۔

ھروی۔ اگر ایسا ہو تو کیا خرابی لازم آتی ہے۔

احسائیؒ۔ تمہارے علما کا اس پر اتفاق نہیں۔

ھروی۔ میری مراد کل قرآن نہیں بلکہ بعض قرآن ہے۔

احسائیؒ۔ لیکن علمائے اہلسنت کا اتفاق تو اس پر بھی نہیں۔

ھروی۔ میری مراد بعض قرآن سے سورہ فاتحہ اور دوسرا کوئی سورہ ہے کیونکہ یہ دونوں شرط ہیں صحت نماز کے لیے۔

احسائیؒ۔ اس پر بھی آپ کے علما کا تو اجماع اس پر بھی نہیں۔

ھروی۔ آپ کا یہ کہنا غلط ہے۔

اِحسائیؒ۔ کیا آپ کے امام ابو حنیفہ کا یہ فتویٰ نہیں کہ بجائے الفاظ قرآن اس کا ترجمہ فارسی زبان میں کافی ہے مثلاً اگر مدھامتان کی جگہ دو برگ سبز کہہ دے تو کافی ہے۔

ھروی۔ یہ قول اجماع کے خلاف ہے لہٰذا میں نہیں مانتا۔

اِحسائیؒ۔ تو پھر اپنے کو حنفی نہ کہیئے۔

ھروی۔ مقلد کو ہر فتوے پر عمل کرنا ضروری نہیں۔

اِحسائیؒ۔ حدیث میں امام کو مضاف کیا ہے زمان کی طرف اس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ کا امام جُدا گانہ ہوگا جس کی معرفت اس زمانہ والوں پر فرض ہوگی لیکن قرآن تو ہر زمانہ والوں کے لیے ایک ہی ہے۔

ھروی۔ سوائے قرآن تمہارے لیے بھی دوسرا امام نہیں۔

اِحسائیؒ۔ ہے۔ ہم اس کی امامت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اچھی طرح سے پہچانتے ہیں۔

ھروی۔ لیکن جس پر تم اعتقاد رکھتے ہو نہ اس کو دیکھتے ہو نہ پہچانتے ہو نہ اس سے احکام اخذ کرتے ہو پس ہم تم برابر۔

اِحسائیؒ۔ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معرفت امام واجب ہے نہ کہ اس کے مقام کو جانا جائے یا اس سے جا کر فتویٰ حاصل کیا جائے ہم نے بدلایل قطعیہ یہ جان لیا ہے کہ وہ موجود ہے اور اس کی معرفت واجب ہے اور اس کی امامت اور اس کا اتباع کافہ امت پر واجب ہے۔ ہم ہر زمانہ میں اس کے ظہور کی امید رکھتے ہیں اور تم اعتقاد رکھتے ہو کہ زمانہ امام سے خالی ہے پس ہم اور تم کیسے برابر ہوں گے۔

ھروی۔ میں بھی اسے پہچاننا چاہتا ہوں مجھ سے لوگوں نے کہا ہے کہ یمن میں ایک

شخص نے دعویٰ امامت کیا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے حالات کو جانچوں احسائی۔ اگر یہ ہے تو تم امام تک نہ پہونچو گے اور تمہاری موت جاہلیت کی موت ہو گی۔

یہ سن کر وہ شخص ساکت ہو گیا۔

حکم محبّت و پیروی ائمہؑ

علامہ مجلسی نے حق الیقین میں ابن ابی الحدید سے اور اس نے حلیۃ الاولیا حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا، جو چاہتا ہے کہ اس کی زندگی میری سی زندگی اور اس کی موت میری سی موت ہو اور جنّت عدن میں میرے ساتھ ساکن ہو۔ اس کو چاہیے کہ میرے بعد ولایت علیؑ کو اختیار کرے اور ان کے دونو فرزندوں جو امام اور میرے وصی ہیں پیروی کرے۔ بے شک وہ میری عترت ہیں اور میری طینت سے خلق ہوئے ہیں، خدا نے ان کو میرا علم و فہم دیا ہے۔ وائے ہو میری امت اس جماعت پر جو اُن سے قطع تعلق کریں اور میرے حق کی رعایت ان کے معاملہ میں نہ کرے۔ میری شفاعت ان کے حق میں نہ ہو گی۔

زمخشری نے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا کہ فاطمہ میرے دل کا سرور ہے اور اُس کے دونو لڑکے میرے میوۂ دل ہیں اس کا شوہر میری آنکھوں کا نور ہے اور وہ دونو رازِ الٰہی کے امین ہیں اور خدا اور اس کی خلق کے درمیان ایک کشیدہ رسن ہیں۔ جو اُن پیروی میں جنگ کرے گا نجات پائے گا اور جو اُن سے جدا ہو گا وہ دوزخ میں جلے گا اس قسم کی بہت سی احادیث کتب اہلسنّت میں مروی ہیں۔

مولوی مبین فصل الخطاب سے اپنی کتاب وسیلۃ النجات میں نقل کرتے ہیں کہ مقداد بن اسود سے مروی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا معرفت آل محمد براءت ہے نارِ جہنم سے اور حبِ آل محمد صراط کا پروانہ راہ داری ہے اور ولایت آل محمد امان ہے۔

شاہ عبدالحق دہلوی مدارج النبوہ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا معرفت آل محمد نجات ہے نارِ جہنم سے اور ان کی محبت سبب ہے صراط سے گزرنے کا اور ولایت آل محمد امان ہے عذاب سے۔

صواعق محرقہ اور مسند ابو یعلی میں ابو رافع غلام حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ حبِ علی عنوان صحیفۂ مومن ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ علیؑ کی محبت کے ساتھ کوئی گناہ ضرر نہیں پہنچا سکتا اور بغض علی کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ ایک حدیث میں ہے۔ علیؑ کو نہیں دوست رکھے گا مگر مومن اور نہیں دشمن رکھے گا مگر منافق۔

ایک حدیث میں ہے محبت علی گناہوں کو اس طرح کھاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو

دیلمی نے معاذ بن جبل نے اور ابن عساکر نے جابر ابن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ میں حضرت رسولخداؐ کی خدمت میں حاضر تھا علی علیہ السلام تشریف لائے حضرت نے فرمایا والذی نفسی بیدہ انّ ھذا و شیعتہ ھم الفائزون (قسم اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یہ اور اس کے شیعہ کامیاب ہیں۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ (سورہ البینۃ ۹۸/۷) اس وقت سے اصحاب نبی کا یہ قاعدہ رہا کہ جب علی آتے تو وہ کہتے خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ آئے۔

ان احادیث سے جب امیرالمومنین کی خلافت منصوصہ ثابت ہو گئی تو اس کے

بعد آپ کا نص امام حسنؑ کے لیے اور ان کا نص امام حسینؑ کے لیے اسی طرح امام مہدی آخرالزماں تک نص کا ہونا کافی ہے۔

بہ کثرت علما و محدثین امامیہ نے منصوص من اللہ والرسول ائمہؑ کی امامت کا تذکرہ کیا ہے اور تواتر کے ساتھ یہ نصوص ذکر ہوتا چلا آرہا ہے اس کا داعی سوائے دیانت اور حقانیت کے دوسرا نہیں ہوسکتا کیونکہ حکومتیں ہمیشہ مخالفوں کی رہی ہیں اور ہمارے علما ان سے ہمیشہ خائف رہے ہیں ایسی حالت میں ان واقعات میں ان اخبار و آثار کا ذکر کرنا اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالنا تھا۔ اگر ان کی غرض دنیوی منفعت حاصل کرنی ہوتی تو وہ خلفائے جور سے متوسل ہو جاتے اور ان کے خوف سے محفوظ رہتے اور عزت کی زندگی بسر کرتے جو شخص روایات کے سلسلہ میں ان قراین پر نظر ڈالے گا تو اس پر حقیقت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ حضرت رسول خداؐ اور ائمہ ہدا کا ایک ایک نام بتانا اور ان کے درمیان کسی نام میں کوئی اختلاف نہ ہونا ایک معجزہ ہی معجزہ ہے۔ ائمہؑ کی ولادت سے ان کے نام لقب اور ان کی صفات اور ان کی ماؤں کے نام بتا دینا۔ حضرت حجتؑ کی ولادت کے مخصوص حالات اور غیبت و ظہور کے واقعات قبل از وقت بیان کر دینا اگر وحی الٰہی نہیں تو اور کیا ہے۔

فرقۂ ناجی کا تعیّن

اس حدیث کو اسلام کے تمام فرقوں نے بالاتفاق نقل کیا ہے ستفترق امتی بعدی علیٰ ثلث وسبعین فرقه کلها فی النار الا واحده (میرے بعد میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ سوائے ایک کے اور سب ناری ہوں گے) جب اس حدیث کو صحیح مان لیا گیا تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس فرقہ ناجی کا پتہ چلائے۔

جہاں تک غور کیا جاتا ہے صرف امامت منصوصہ ہی ایسا مسئلہ ہے جو صرف ایک ہی فرقہ کا عقیدہ ہے باقی تمام فرقے خلافت اجماعی کے قایل ہیں۔ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں جس سے اجماعی خلافت کی تائید ہو اور نہ احادیث رسول سے اس کا پتہ چلتا ہے برخلاف اس کے نصی امامت و خلافت پر عقلی اور نقلی دونوں دلیلیں موجود ہیں چونکہ صرف فرقہ امامیہ ہی اس قسم کی نیابت کا قایل ہے لہذا حق اس کے ساتھ ہے۔

فضائل و مناقب
امیر المومنین علیہ السلام

اب ہم چند فضائل امیر المومنین کے بیان کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایک منصوص من اللہ امام کن اوصاف کا مالک اور جامع ہوتا ہے۔

حال ولادت باسعادت

صاحب مدارج النبوہ شاہ عبد الحق دہلوی نے لکھا ہے "ولادت وے در جوف کعبہ بود" مولوی محمد مبین نے وسیلۃ النجات میں لکھا ہے کہ ولادت باسعادت آپ کی روز جمعہ ۱۳ رجب بعد عام الفیل ۲۸ یا ۳۰ سال جوف کعبہ میں ہوئی آپ کے سوا کوئی اور خانۂ کعبہ کے اندر پیدا نہیں ہوا۔ خدا نے آپ ہی کو اس فضیلت سے مخصوص کیا اور کعبہ کو ان کی ولادت کا شرف بخشا۔

کتب سیر و تواریخ میں بریدہ سے روایت ہے کہ میں اور عباس اور بنی ہاشم اور عبد المطلب کے کچھ لوگ مسجد الحرام میں تھے۔ ناگاہ فاطمہ بنت اسد مادر علی وہاں آئیں اور کعبہ کے طواف میں مشغول ہوئیں۔ اثنائے طواف میں درد زہ عارض ہوا اور آثار ولادت

نمودار ہوئے اور تکلیف سے پریشان ہوئیں۔ میں نے دیکھا کہ دیوار کعبہ شق ہوئی اور فاطمہ اندر داخل ہوئیں ہر چند ہم نے چاہا کہ کعبہ کے اندر داخل ہوں ممکن نہوا۔ چوتھے روز علی کو ہاتھوں پر لیے باہر نکل آئیں۔ ابو طالب نے بطور خود زید نام رکھنا چاہا مگر فاطمہ نے حیدر نام رکھا لیکن پھر حضرت خیر البشر کی ایما سے علی نام رکھا گیا۔

امالی میں ابن بابویہ نے کتب خاصہ و عامہ سے بروایت یزید بن قعنب مذکورہ بالا بیان میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ جب دردزہ عارض ہوا تو جناب فاطمہ بنت اسد نے یہ دعا کی۔ خداوندا بحق ابراہیم خلیل جنہوں نے اس گھر کی بنیاد رکھی اور واسطہ اس بچہ کا جو میرے شکم میں ہے کہ اس ولادت کو میرے اوپر سہل کر۔ یزید بن قعنب کہتا ہے کہ میں نے دیکھا دیوار کعبہ شق ہوئی اور فاطمہ بنت اسد اندر داخل ہو کر میری نظر سے اوجھل ہو گئیں اور دیوار کا شق برابر ہو گیا۔ ہم نے چاہا کہ دروازہ کا قفل کھول کر اندر جائیں مگر قفل کھلا ہی نہیں۔ تب ہم نے سمجھا کہ یہ امر خدا کی طرف سے ہے۔ چوتھے روز فاطمہ بنت اسد اپنے ہاتھوں پر امیر المومنین کو لے کر برآمد ہوئیں اور فرمایا خدا نے مجھے فضیلت دی ان بی بیوں پر جو مجھ سے پہلے ہوئی ہیں آسیہ بنت مزاحم نے عبادت کی مگر پوشیدہ طور سے اور ایک کافر کے گھر میں۔ مریم نے اپنے ہاتھ سے ایک سوکھے درخت کو ہلایا اور اس سے جو تازہ خرمے گرے ان کو کھایا اور میں نے خانہ کعبہ کے اندر بہشت کے میوے کھائے اور جب میں باہر نکلی تو ایک ہاتف نے ندا دی اے فاطمہ اس بچہ کا نام علی رکھنا۔ خدا فرماتا ہے کہ میں نے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا اور اس کو مشکلات علم سے واقف کیا یہ وہ ہے جو میرے گھر کو بتوں سے پاک کرے گا اور کعبہ کی چھت پر جا کر اذان کہے گا اور میری تقدیس اور تمجید کرے گا پس خوشا حال اس کا جو اس کو دوست رکھے اور اس کی اطاعت کرے (منقول از حدیقہ سلطانیہ)

حضرت علی کے پدر بزرگوار ابو طالب ابن عبد المطلب تھے اور ابو طالب اور حضرت

عبداللہ پدر حضرت رسولخدا ایک ماں سے تھے۔ حضرت علیؑ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھیں۔ حضرت علی اور ان کے بھائی پہلے ہاشمی ہیں جن کے ماں اور باپ دونوں ہاشمی تھے۔

بے شمار احادیث کتب فریقین میں ایسی موجود ہیں جن میں حضرت نے فرمایا ہے میں اور علی ایک نور سے ہیں اور ہم منظور نظر عنایات ایزدی تھے خلقت آدم سے چار ہزار سال پہلے اور عرش الٰہی کے داہنی طرف تسبیح و تقدیس الٰہی کرتے تھے۔ بعض روایات سے نور محمدی کی خلقت پیدائش آدم سے نو ہزار برس پہلے اور بعض سے چودہ ہزار برس پہلے ثابت ہوتی ہے۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو اس نور مقدس کو دو حصوں میں منقسم کر کے دونو کو صلب آدم میں جگہ دی۔ جب آدم زمین پر آئے ہم ان کے صلب میں تھے۔ جب نوح کشتی میں بیٹھے تو ہم ان کے صلب میں تھے اور جب ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا تو ہم ان کے صلب میں تھے ہماری وجہ سے آگ ان کو ضرر نہ پہنچا سکی پس ایک جزو سے میں پیدا ہوا اور دوسرے سے علی۔

صحیح بخاری میں جناب جابر سے روایت کی گئی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے اور علی کو ایک نور سے پیدا کیا پس ہم خلقت آدم سے دو ہزار برس پہلے عرش الٰہی کے سامنے خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے تھے جب آدم پیدا ہوئے تو ہم ان کے صلب آدم میں تھے پھر وہاں سے اصلاب طاہرہ اور ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتے ہوئے نوح تک پہنچے پھر صلب ابراہیم تک آئے اور وہاں سے صلب عبدالمطلب تک پہنچے۔ پھر اس نور کے دو حصے ہوئے ایک صلب عبداللہ میں آیا اور دوسرا صلب ابو طالب میں پہنچا پھر میرا اور علی کا نور فاطمہ میں جمع ہوا اور حسن و حسین اس سے پیدا ہوئے پس یہ دونوں نور رب العالمین ہیں۔

یہ روایت احمد حنبل نے اپنی مسند میں خوارزمی نے مناقب میں۔ شرف الدین خجی شافعی نے نزل السایرین میں اور شیخ حسن دامغانی نے اربعین میں نقل کیا ہے۔ تھوڑے تھوڑے تغیر کے ساتھ۔

علامہ مجلسی نے جلاء العیون میں ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں ایک روز آنحضرتؐ کی خدمت میں تھا کہ امیر المومنینؑ تشریف لائے حضرت نے تبسم فرماتے ہوئے کہا مرحبا اس شخص پر جسے خدا نے خلقت آدم سے چالیس ہزار سال پہلے پیدا کیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے پہلے پیدا ہو۔ فرمایا ہاں خدا نے پیدا کیا میرے اور علی کے نور کو خلقت آدم سے پہلے۔ پھر خدا نے اس نور کے دو حصے کیے تمام اشیا کی خلقت سے پہلے اور میرے اور علی کے نور سے تمام اشیا کو منور کیا۔ ہم کو خدا نے جانب عرش جگہ دی پھر ملائکہ کو پیدا کیا۔ ملائکہ نے ہماری تسبیح سے تسبیح سیکھی۔ آگاہ ہو کہ میرا اور علی کا دوست داخل جہنم نہ ہوگا اور میرا اور علی کا دشمن داخل جنت نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے چند ملائکہ کو پیدا کیا ہے جن کے ہاتھوں میں آب حیات سے بھرے ہوئے چاندی کے ابریق ہوتے ہیں۔ شیعیان علی میں سے جب کوئی اپنی زوجہ سے مقاربت چاہتا ہے تو وہ فرشتے اس پانی کو اس کے پانی میں ملا دیتے ہیں جب وہ پیتا ہے تو اس آب بہشت کا اثر اس کے نطفہ میں چلا جاتا ہے اور جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے دل میں میری اور علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی محبت ہوتی ہے۔

سید ابن طاؤس نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت سے لوگوں نے امیر المومنین کے ایک خاص سجدۂ شکر کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا کہ میرے آباؤ اجداد نے خبر دی ہے کہ ایک روز آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو ایک خاص مہم پر بھیجا آپ وہاں سے کامیاب ہو کر لوٹے آنحضرتؐ نماز کے لیے تشریف لا رہے تھے۔ حضرت علیؑ نے آپ

کے ساتھ نماز ادا کی جب حضرت نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت علی کو سینہ سے لگا کر تمام حال پوچھا۔ آپ نے سارا واقعہ سُنایا حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا میں تم کو ایک اچھی خبر سُناتا ہوں۔ جبریل امیں نے مجھے خبر دی کہ علی نے جو مہم انجام دی ہے خدا اس کی وجہ سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچائے گا اور مجھے تمام واقعہ کی خبر دے کر کہا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ اے محمد اولادِ آدم میں اسی نے نجات پائی جس نے شیث کو ان کا وصی جانا اور شیث نے نجات پائی آدم کی وجہ سے اور آدم نے نجات پائی خدا پر ایمان لانے کی وجہ سے اور قوم نوح نے نہیں نجات پائی مگر ان لوگوں نے جنہوں نے سام کو وصی نوح جانا۔ پس سام نے نوح پر ایمان لانے کی وجہ سے نجات پائی۔ اور قوم ابراہیم سے انہی لوگوں نے نجات پائی جنہوں نے اسمٰعیل کو ان کا وصی سمجھا اور قوم موسیٰ میں انہی نے نجات پائی جنہوں نے یوشع کو ان کا وصی سمجھا اور قوم عیسیٰ میں انہوں نے نجات پائی جنہوں نے شمعون کو ان کا وصی جانا۔ پس تمہارے بعد وہی نجات پائیں گے جو علی کو تمہارا جانشیں سمجھیں گے اے محمد خدا نے تم کو سب پیغمبروں سے بہتر بنایا اور علی کو تمام اوصیا سے اور اماموں اور پیشوایان دین کو روز قیامت تک تمہاری ذریت سے قرار دیا یہ سنکر امیر المومنین نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے کتب اہلسنت سے یہ روایت انس ابن مالک سے نقل کی ہے کہ ایک روز حضرت رسول خداؐ اپنے استر پر سوار ہو کر ایک پہاڑ کے پاس پہنچے اور مجھ سے فرمایا اس استر کو فلاں مقام پر لے جاؤ وہاں علی کو سنگریزوں پر تسبیح کرتا پاؤ گے ان سے میرا سلام کہنا اور اس استر پر سوار کر کے لے آنا۔ چنانچہ میں وہاں پہنچا اور علی کو لے آیا حضرت رسول خداؐ نے فرمایا اے علی میرے پاس بیٹھو یہ وہ جگہ ہے کہ ستر پیغمبر مرسل یہاں بیٹھے ہیں۔ میں ان سب سے بہتر ہوں اور ان پیغمبروں کے پاس ان کے بھائی بیٹھے ہیں اور تم ان سب سے بہتر ہو۔ انس کہتے ہیں ناگاہ میں نے دیکھا کہ ان کے سروں پر ایک ابر نمودار ہوا۔ آنحضرتؐ نے ہاتھ بڑھا کر

انگور کا ایک خوشہ اس ابر سے لیا اور اپنے اور علی کے درمیان رکھ کر کہا اے میرے برادر اسے کھاؤ۔ یہ میرا وہ ہدیہ ہے جو خدا کی طرف سے میرے لیے آیا ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ علیؑ آپ کے بھائی ہیں فرمایا ہاں میں نے کہا ذرا ان کی برادری کا حال بیان کیجیے۔ فرمایا حق تعالیٰ نے پیدائش آدم سے تین ہزار سال قبل زیرِ عرش ایک پانی کو پیدا کیا اور اس پانی کو مروارید سبز میں جگہ دی۔ جب آدم کو پیدا کیا تو اس پانی کو ان کے صلب میں جگہ دی پھر وہ اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا ہوا صلب عبدالمطلب تک پہنچا وہاں سے دو حصوں میں منقسم ہوا ایک حصہ صلب عبداللہ میں آیا اور دوسرا صلب ابوطالب میں گیا پس ایک سے میں پیدا ہوا اور دوسرے سے علی اس لیے علی میرا برادر ہے دنیا و آخرت میں پھر یہ آیت پڑھی۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا

(سورہ الفرقان ۲۵/۵۴)

اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے علی مجھ سے ہے اور میں علی سے اس کا گوشت میرا گوشت ہے اور اس کا خون میرا خون ہے۔ پس جو مجھے دوست رکھتا ہے چاہیے کہ علی کو بھی دوست رکھے جو میرا دشمن ہے وہ علی کا دشمن ہے۔

شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے بسندِ معتبر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے علی علیہ السلام سے فرمایا اے علی میں اور تم ایک ہی طینت سے پیدا ہوئے ہیں اور ہماری بقیہ طینت سے ہمارے شیعہ خلق ہوئے ہیں۔ روزِ قیامت لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام سے بلائیں گے اور تمہارے شیعوں کو ان کے باپوں کے نام سے بلائیں گے کیونکہ وہ حلال زادے ہوں گے۔

ابنِ بابویہ نے بسندِ معتبر امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخداؐ

نے علی سے فرمایا۔ خدا نے لوگوں کو مختلف درختوں سے پیدا کیا ہے اور میں اور تم ایک درخت سے ہیں میں اس کی اصل ہوں اور تم اس کی فرع ہو اور حسن اور حسین اور نسل حسین سے ہونے والے امام اس کی شاخیں ہیں اور ہمارے شیعہ اس کے پتے ہیں۔ جو ان شاخوں سے تعلق رکھے گا خدا اس کو بہشت میں جگہ دے گا۔

کلینی نے بسند معتبر امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسولخداؐ پیدا ہوئے تو بہت سے معجزات ظاہر ہوئے اور حضرت آمنہ پر فارس و شام کے قصرہائے بلند نمودار ہوئے۔ فاطمہ بنت اسد بھی موجود تھیں وہ ان آیات کے مشاہدہ سے متعجب ہوئیں۔ وہ حضرت ابو طالب کے پاس آئیں اور آنحضرتؐ کی ولادت اور آیات کے مشاہدہ کی خبر سنائی۔ حضرت ابو طالب نے فرمایا تیس سال بعد خدا تم کو ایک فرزند عطا فرمائے گا جو سوائے پیغمبری کے تمام کمالات میں اس مولود کی مثل ہوگا۔ اور اس کا وصی اور وزیر قرار پائے گا۔

کتاب روضۃ الواعظین میں جناب جابر بن عبداللہ سے روایت کی گئی ہے کہ میں نے ولادت امیرالمومنینؑ کے متعلق حضرت سے پوچھا فرمایا میرے بعد پیدا ہونے والوں میں وہ بہترین مرد ہے۔ حضرت مسیح کی سنت اس سے جاری ہوگی۔ بیشک خدا نے مجھے اور علی کو ایک نور سے پیدا کیا ہے خلقت آدم سے پانچ ہزار سال پہلے۔ ہم عالم ملکوت میں تسبیح الٰہی کرتے تھے۔ جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو ہمارے نور کو صلب آدم میں جگہ دی پھر وہاں سے اصلاب طاہرہ اور ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتا ہوا حضرت عبدالمطلب تک پہنچا اس کے بعد ایک حصہ رحم آمنہ میں آیا جس سے میں پیدا ہوا اور دوسرا رحم فاطمہ بنت اسد میں آیا جس سے علی پیدا ہوئے۔ پھر فرمایا اے جابر اس سے پہلے کہ علی شکم مادر میں قرار پکڑیں اس زمانہ میں ایک مرد راہب تھا جس کا نام مشرم بن دعب تھا اور عبادت اور زہد میں شہرہ آفاق تھا اس نے ایک سو نوے سال خدا کی عبادت نہایت خلوص سے کی

تھی اور اتنی مدت میں اس نے خدا سے کوئی حاجت طلب نہ کی تھی ایک دن اس نے خدا سوال کیا کہ مجھ پر اپنے دوستوں میں سے کسی دوست کو ظاہر کرے۔ خدا نے ابو طالب کو اس کے پاس بھیجا۔ جب مشرم نے ان کو دیکھا تو آثار جلالت ان کی جبیں سے نمایاں پائے اٹھا اور ان کے سر کو بوسہ دے کر اپنے پاس بٹھایا اور پوچھنے لگا آپ کون ہیں فرمایا میں اہل تہامہ میں ہوں اس نے کہا تہامہ کا کون مقام فرمایا مکہ اس نے کہا کس قبیلے سے ہو فرمایا بنی ہاشم سے یہ سنتے ہی راہب اچھل پڑا اور کہنے لگا شکر ہے اس خدا کا جس نے میرے سوال کو رد نہ کیا اور مجھے دنیا سے نہ اٹھایا جب تک اپنے دوستوں میں سے ایک دوست کو نہ دکھا دیا۔ اے ابو طالب خوشخبری ہو تمہارے لیے کہ خدا نے بذریعہ الہام تمہارے متعلق مجھے خبر دی ہے کہ تمہارے صلب سے ایک فرزند پیدا ہوگا جو خدا کا ولی ہوگا۔ متقیوں کا سردار اور رسول کا وصی ہوگا جب وہ فرزند پیدا ہو تو میرا اسلام اس کو پہنچا دینا۔ اور خبر دینا کہ مشرم گواہی دیتا ہے وحدانیت خدا اور نبوت محمد کی اور اس کی کہ تم ان کے وصی برحق ہو۔ ابو طالب نے یہ بشارت سنی تو فرط مسرت سے رو پڑے فرمایا اس مولود کا نام کیا ہوگا اس نے کہا علی۔ ابو طالب نے کہا مجھے اس کی تصدیق کیسے ہو کہ جو کچھ کہہ رہے ہو بذریعہ الہام کہہ رہے ہو۔ مشرم نے کہا آپ چیز مجھ سے طلب کریں تاکہ میں اس کے متعلق خدا سے سوال کروں۔ اگر خدا مجھے عطا کرے تو سمجھنا میں سچا ہوں فرمایا میں بہشت کا کھانا چاہتا ہوں مشرم نے دعا کی۔ ابھی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ کھانے کا ایک طبق ان کے سامنے آگیا جس میں انار تھے۔ ابو طا وہ انار کھائے اور اسی سے ان کا وہ نطفہ بنا جس سے علی پیدا ہوئے۔

اس روایت کو جناب سید العلما علامہ سید حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ ابن حضرت غفرانمآب اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب حدیقہ سلطانیہ میں ایک طولانی روایت ساتھ نقل کیا ہے جس کا ایک حصہ بخیال اختصار ہم نے یہاں نقل کر دیا ہے۔

امیرالمومنین علیہ السلام کی ولادت کے وقت بہت سے امور خارق عادات ظاہر ہوئے جن کو علمائے فریقین نے مختلف صورتوں سے ذکر کیا ہے مثلاً دیوارِ کعبہ کا شق ہونا باوجود لوگوں کی کوشش کے درِ کعبہ کا قفل نہ کھلنا اور کسی کا اندر داخل نہو پانا وقت ولادت دایہ گری کی خدمت انجام دینے کے لیے۔ جناب حوّا۔ جناب مریم اور جناب آسیہ کا اور بروایتے حورانِ جنّت کا موجود ہونا۔ پیدا ہوتے ہی امیرالمومنین کا سجدہ خالق میں جھک جانا۔ بتوں کا سرنگوں ہوکر زمین پر گرنا۔ کعبہ کے اندر روشنی پیدا ہونا۔ جناب فاطمہ بنتِ اسد کے لیے میوہ ہائے جنّت کا آنا۔ امیرالمومنین کا اس وقت تک دودھ نہ پینا اور آنکھیں نہ کھولنا جب تک حضرت رسولخداؐ تشریف نہ لائے۔ پہلی غذا رسول کا لعاب دہن چوسنا آنحضرتؐ کی گود میں توریت و انجیل و زبور و قرآن و دیگر صحف انبیاء کی تلاوت کرنا وغیرہ واقعات اس کی دلیل ہیں کہ آپ خدا کے ولی تھے اور بچپن ہی سے خدا کی نظر رحمت آپ کے اوپر تھی۔ پس ایسی ذات کو اگر منصوص من اللہ خلیفہ نہ سمجھا جائے تو اس کو حق سے روگردانی کے سوا اور کیا کہا جائے گا۔

ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ یہ سب شیعوں کی وضع کردہ روایات ہیں جن کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تو ہم جواب میں کہیں گے۔

(۱) اس قسم کی روایات کتب اہلسنت میں کیوں ہیں۔ اگر ان کی نظر میں کوئی حقیقت نہوتی تو وہ درج ہی کیوں کرتے۔

(۲) اگر ایسے خارق عادات امور دیگر خاصانِ خدا کے لیے ظاہر نہ ہوچکے ہوتے تو محل انکار ہوتا۔ حضرت ابراہیم کا ایک دن میں اتنی نشو و نما پانا جتنی عام لوگ ایک ماہ میں پاتے ہیں۔ وقت سے پہلے ان کا سن رشد کو پہنچ جانا۔ جناب موسیٰ کے حمل کا ظاہر نہونا۔ تنور کی آگ میں ان کا نہ جلنا۔ ان کے صندوق کا دریائے نیل میں نہ ڈوبنا۔ محل فرعون میں سوائے

اپنی ماں کے کسی دائی کا دودھ نہ پینا۔ حضرت عیسیٰ کا وقت ولادت کلام کرنا اپنے کو نبی بتانا۔ حضرت مریم کے لیے کھانا خدا کی طرف سے آنا۔ حضرت مریم کے لیے سوکھے درخت کا ہرا ہو جانا۔ رطب تازہ گرانا جن کے کھاتے ہی چھاتیوں میں دودھ بھر آنا یہ سارے واقعات قرآن میں موجود ہیں۔ آخر ان کے لیے ایسا کیوں ہوا محض اس اظہار کے لیے کہ یہ خدا کے مقبول بندے ہیں اور منصوص من اللہ ہادی خلق ہیں۔

(۳) اگر حضرت علی علیہ السلام سے زندگی بھر کسی معجزہ کا ظہور نہ ہوتا تو البتہ ان واقعات کو بھی شیعوں کی افترا پردازی کہا جا سکتا تھا۔

(۴) ہر نبی دعوی نبوت کی تصدیق میں کچھ معجزات لے کر آتا ہے جو اس کی دلیل ہوتے ہیں کہ وہ منصوص من اللہ ہادی ہے پس اگر اس قسم کے معجزات وقت ولادت علی ظاہر ہوئے تو کیا تعجب کی بات ہے۔

(۵) حضرت رسول خداؐ اور جناب علی مرتضیٰ ایک ہی نور سے ہیں پس جس طرح وقت ولادت حضرت ختمی مرتبت بے شمار معجزات ظہور میں آئے جیسے بتوں کا لرز لرز کر گرنا۔ آتش کدوں میں آگ کا سرد ہو جانا۔ ساوہ کی جھیل کا سوکھ جانا طاق کسری کے چودہ کنگروں کا گرنا۔ وغیرہ تو اگر اس نور کے دوسرے حصہ کی ولادت کے وقت معجزات کا ظہور ہوا تو ان کو کیوں نہیں مانا جاتا۔

(۶) کافۃ المسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ سوائے ائمہ اہلبیت جن لوگوں کو آنحضرتؐ کا جانشین بنایا گیا ان میں سے کسی ایک سے بھی کسی معجزہ کا ظہور نہیں ہوا۔ نہ وہ حضرات خود معجز نمائی کے مدعی تھے اور نہ ان کے پیرو آج تک ہوئے چونکہ معجزہ ہی منصوص من اللہ ہونے کی دلیل ہوتا ہے لہٰذا آنحضرتؐ کے جانشین منصوص من اللہ ائمہ اہلبیت ہی تھے۔

وہ آیات جو امامت علیؑ پر دال ہیں

علمائے اسلام نے تین سو سے زائد آیات حضرت علی کی شان میں لکھی ہیں یہاں تک کہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں بسند ابن عساکر ابن عباس سے روایت کی ہے۔

قالَ مَانزلَ فی اَحَدٍ مِن کتاب اللّٰہ مَانزل فی علیٍ (قرآن میں جتنی آیات حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور کسی کے بارہ میں نازل نہیں ہوئیں اور یہ بھی کہا ہے نزلتَ فی علیٍ ثلثمائتہ آیہ (علیؑ کے بارہ میں تین سو آیات نازل ہوئی ہیں)

طبرانی نے ابو حاتم اور ابن عباس سے روایت کی ہے مَانزل اللّٰہ یایھا الذین امنوا اِلا وعلی امیرُھا و شریفھا ولقد عاتب اللّٰہ اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیہ والہ فی غیر مکان وَما ذکر علیاً اِلابخیر (آیہ یا ایھا الذین امنو جہاں کہیں نازل ہوئی ہے علی علیہ السلام ان مخاطبین کے امیر و سردار ہیں خدا نے تمام اصحاب محمد صلعم پر عتاب کیا ہے سوائے علی بن ابی طالب کے جن کا ذکر ہر جگہ خیر سے کیا گیا ہے۔ ہم ان میں سے چند آیات درج کرتے ہیں۔

پہلی آیت

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ (سورہ المائدہ ۵/۵۵) (نہیں ہے تم پر کوئی اولیٰ بالتصرف سوائے اللہ اور اس کے رسول کے اور ان کے جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

اہل تفسیر کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہوئی جبکہ آپ نے حالت رکوع میں زکوٰۃ دی تھی۔

اس آیت میں کلمہ انما مفید حصر ہے اور لفظ ولی بمعنی متصرف فی الامور ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہاں تصرف عام مراد ہے تمام امور مسلمین میں اور اہم معنی ہے امامت مطلقہ کا کیونکہ یہ ولایت مذکور ہوئی ہے ولایت خدا و رسول کے ساتھ لہٰذا حضرت علیؑ کی امامت بالنص ثابت ہوئی۔

علامہ حلی نے نہج الصدق میں شانِ نزول یہ لکھی ہے کہ یہ آیت اس واقعہ کے بعد نازل ہوئی جب علیؑ نے صحابہ کی موجودگی میں اپنی انگوٹھی بحالت نماز ایک مسکین کو دیدی اس پر مفسرین کا اجماع ہے۔ صحاح ستہ میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ولایت کو اپنی ذات کے لیے ثابت کیا ہے اور شریک قرار دیا ہے اس میں رسول اور امیر المومنینؑ کو اور چونکہ اللہ کی ولایت عام ہے لہٰذا اسی طرح نبی اور علیؑ کی ولایت کو بھی عام ہونا چاہیے۔

اس آیت کے سلسلہ میں ہمیں دو امر کی توضیح کرنی ہے اوّل اثبات ولایت امیر المومنین علیہ السلام دوسرے نفی ولایت غیر اس امر کے متعلق کہ یہ آیت ولایت امیر المومنین پر دال ہے حضرات اہلسنت کے چند اعتراض ہیں۔

اعتراض اوّل۔ اگر شیعوں کا استدلال یہ ہے کہ اس آیت سے پہلے ائمہ (خلفا) کی امامت کی نفی ہوتی ہے تو بعد والے ائمہ کی کیوں نہیں ہوتی۔ اس کا بطلان آگے آتا ہے۔

اعتراض دوم۔ شیخ ابراہیم کردی اور دیگر علمائے اہلسنت نے لکھا ہے کہ الذین اٰمنوا کی ولایت وقت خطاب مراد نہیں کیونکہ زمان خطاب زمان وجود نبی تھا اور امامت نیابت نبی ہے اس کے مرنے کے بعد پس جب زمان خطاب مراد نہ ہوا تو ضرور زمان مابعد مراد ہوگا اور تاخیر کی کوئی حد نہیں چار سال بعد ہو یا چوبیس سال بعد۔ لہٰذا

دعوی خلافت بلافصل ثابت نہوا۔

جواب:۔ یہاں ولایت سے مراد امامت بمعنی خاص ہے نہ بمعنی عام ورنہ ولایت خدا ورسول اس معنی میں صحیح نہوگی بلکہ یہاں ولایت سے مراد مطاع واجب الاتباع ہونا ہے اور یہ معنی سب پر صادق آئیں گے کیونکہ خدا ورسول وآنحضرتؐ کے نائب سب واجب الاطاعت ہیں اور اُن کے تصرفات خلق میں نافذ ہیں البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ تصرف باری تعالےٰ بالذات ہے اور تصرف نبی از جانب خدا اور تصرف جناب امیر از طرف حضرت رسولخداؐ۔

امام رازی نے کہا ہے کہ علی کا امر ونہی اور تولیت وعزل آنحضرتؐ کی زندگی میں بغیر حضرت کے حکم کے نہ تھا بس ایسی صورت میں حضرت علیؑ کا امور خلق میں متصرف ہونا کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی بھی بدون امر الٰہی تصرف نہیں کرسکتے پس جس طرح وہ اولیٰ بالتصرف ہیں اسی طرح حضرت علیؑ اولیٰ بالتصرف ہیں۔ اگر بامر نبی علی متصرف فی الامور ہوں تو اس سے ان کے اولیٰ بالتصرف ہونے کی نفی نہیں ہوتی غزوۂ تبوک میں آنحضرتؐ کا مدینہ میں خلیفہ بنانا اور انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی فرمانا ہمارے دعوی کی تصدیق ہے کیونکہ حضرت ہارون حیات جناب موسیٰ ہی میں خلیفہ تھے۔ اسی طرح حضرت غزوہ تبوک کے وقت خلیفہ ہوئے۔ اور ان کا عزل اس عہدہ سے ثابت نہیں جس طرح حضرت ابوبکر کو سورہ براءت کی تبلیغ پر مامور کرنے کے بعد معزول کردیا گیا تھا۔

یہ بہت واضح ثبوت کتب امامیہ میں یہ ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد کو دفن کردیا گیا تو آپ نے قبر کے پاس بیٹھ کر فرمایا ابنک ابنک۔ صحابہ نے پوچھا حضور نے ایسا کیوں فرمایا ارشاد ہوا جب فرشتہ نے رب کے متعلق سوال کیا تو ٹھیک جواب دیا پھر میری رسالت ونبوت

کا اقرار کیا۔ جب امام کے متعلق سوال کیا تو خاموش ہو گئیں۔ میں نے ثقلین کی تیرالیسر

تیرالیسر۔

نبی کی زندگی میں مرتبۂ امامت و ولایت ثابت ہے کیونکہ اس کے معنی نیابت نبی میں اولیٰ بالتصرف ہونے کے ہیں اور نیابت حالت حیات و ممات دونوں میں ہوتی ہے۔

امام رازی نے یہ شبہ پیدا کیا ہے کہ اگر خلیفہ اور مستخلف دونو ایک ہی وقت میں متصرف فی الامور ہوں گے تو ان کی رائے کا اختلاف باعثِ فساد ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلافی صورت وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں احکام کا نفاذ خواہش نفسانی اور قیاسی اجتہاد پر ہوتا ہے ہمارے عقیدہ میں نبی کے احکام کی بنیاد وحی پر ہے اور علی شہر علم نبوی کے در ہیں دونوں لوح محفوظ کا مطالعہ کرنے والے ہیں جیسا کہ شیخ شہاب الدین ابن حجر شارح بخاری نے حال رضاعت امام حسنؑ کے سلسلہ میں اس کا اعتراف کیا ہے پس اس صورت میں احتمال کی گنجائش کہاں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ منوب عنہ کا حکم نائب پر ہوگا اور نائب کا تمام رعایا پر۔

دوسرے بالفرض کہ اگر یہ مان لیں کہ زمان خطاب میں بہ سبب حیات رسول صاحب ولایت نہیں ہو سکتے لیکن نیابت آنحضرتؐ تو آپ کے بعد مراد ہوگی۔ رہا یہ کہنا کہ تاخیر کی حد نہیں چار ہوں یا چوبیس غلط ہے کیونکہ حد حیات موت سے ہے حد تاخیر وہی زمانہ موت کا ہو سکتا ہے نہ اس کے بعد کا زمانہ کہ اس کی تو کوئی حد ہی نہیں لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضرت کی موت کے بعد ہی آپ خلیفہ بلا فصل ہو گئے۔

بطریق دیگر یوں سمجھیئے کہ حضرت علی کی ولایت کے نفوذ کا مانع آنحضرتؐ کا وجود تھا جیسے وجود آپ مانع تھے پس جب اصل موجود نہ ہو تو نائب کے امر کے نفوذ میں

کوئی شے مانع نہ ہوگی رہا تاخیر زمانی تو اس کا اطلاق موت کے بعد فوراً ہی ہوگا۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ ملک کے مالک نہیں ہونگے مگر بادشاہ اور اس کا لڑکا تو اس سے مراد یہی ہوگی کہ بادشاہ کی وفات کے فوراً بعد بلا تاخیر مالک ملک اس کا بیٹا ہوگا۔ کوئی ایک شخص بھی یہ نہ سمجھے گا کہ بعد وفات بادشاہ چوبیس سال کے بعد تین اور شخصوں کی حکومت ختم ہونے پر۔

اب ایک اور طریقہ سے سمجھیے ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی ولایت آنحضرتؐ کی ولایت کی طرح منصوص من اللہ ہے اور دوسرے حضرات کی ولایت منجانب اللہ نہ تھی لہٰذا ان کی ولایت کا تو اس آیت سے کوئی تعلق ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جب ایسا ہے تو پھر ۲۴ سال بعد حضرت علیؑ کی ولایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اعتراض۔ اس تفسیر پر علماء کا اجماع نہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں ہے اور اجماع کے خلاف جو تفسیر ہو وہ قابل قبول نہیں۔ ابوبکر نقاش نے جو مشہور مفسر ہے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے نزلت فی المهاجرین والانصار یعنی یہ آیت مہاجرین و انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے فرمایا وہ مہاجرین و انصار میں داخل ہیں۔ یہ روایت موافقت کرتی ہے آیت کے الفاظ سے کیونکہ اس میں سب صیغے جمع کے ہیں امنوا یقیمون یوتون راکعون

نیز مفسرین کی ایک جماعت نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس کی موید سابق کی آیت ہے جو قتال مرتدین کے بارے میں ہے اور یہ روایت کہ علی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور رکوع میں انگشتری دینے کا قصہ فقط ثعلبی نے لکھا ہے اور محدثین اہلسنت کی نظر میں اس کی روایت کی کوئی وقعت نہیں اس کو انہوں نے حاطب لیل کا خطاب دیا ہے جس نے ہر رطب و یابس کو جمع کر لیا ہے

اس کی تفسیر میں اکثر روایات کلبی سے لی گئی ہیں اور ابن خلکان نے کلبی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ عبداللہ بن سبا کے اصحاب میں سے ہے اور ثعلبی کے راویوں میں مروان سدی ہے اور اس کو اصحاب کذب و وضع میں شمار کیا جاتا ہے۔

جواب۔ بیعت ابوبکرؓ سے بنی ہاشم کی پوری جماعت الگ رہی سعد ابن عبادہ وغیرہ انصار الگ رہے لیکن خلافت کے اجماع پر کوئی ہلکا سا اثر نہ پڑا تو اس آیت کے متعلق چند مفسرین کا اختلاف کیا اثر انداز ہوگا۔

دوسرے اگر تمہارا اجماع ثابت نہ ہو تو تمہارے اکثر مفسرین اور علمائے امامیہ کا اجماع اس تفسیر پر کافی ہے۔ اجماع سے مراد اہل حل و عقد کا اتفاق ہے نہ کہ مطلق اتفاق اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ارباب تفاسیر کے اہل حل و عقد نے اس پر اجماع کیا ہے۔ کسی پر کذب اور وضع حدیث کا الزام لگانا محض اپنے مذہب کو تقویت پہنچانے کے لیے ہے۔ شاذ روایات سے تمسک کرنا قادح اجماع نہیں۔ علمائے اہلسنت نے شاذ روایات کی طرف توجہ نہ کرتے ہوئے اجماع کو تسلیم کیا ہے چنانچہ علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں اولاً اتفاق مفسرین کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے نزلت باتفاق المفسرین فی علیّ بن ابی طالب حین اعطی السّائل خاتمه و هو راکعٌ (باتفاق مفسرین یہ آیت علی بن ابی طالب کے بارے میں نازل ہوئی جب آپ نے سائل کو حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی دی) لیکن اس کے بعد ولی کے معنی اولی بالتصرف فی الدین والدنیا مراد لینے سے انکار کیا ہے مگر اس کے بعد اس کا بھی اقرار کیا ہے کہ یہ آیت علی کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور اس کا اختصاص مقتضی بھی انہی سے ہے اور یہ زیادہ مرجح اور واضح ہے تسلیم اجماع کے لیے علامہ قوشجی نے بھی روایات شاذہ کا اعتبار نہیں کیا اور اس کا اقرار کیا ہے کہ یہ آیت علی بن ابی طالب کی شان میں نازل ہوئی ہے ہاں لی

کے معنی اولیٰ بالتصرف نہیں مانے۔

صاحب مواقف نے لکھا ہے ائمہ تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن ولی بمعنی ناصر ہے اور شارح مواقف نے کہا ہے کہ اگرچہ علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے مگر چونکہ سب صیغے جمع کے ہیں لہٰذا اشتراک غیر کو مانع نہیں۔

ہم کہتے ہیں اگر اجماع مفسرین اس امر پر نہیں ہے کہ ولی بمعنی اولیٰ بالتصرف ہے تو ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ محدثین کا اس پر اجماع ہے اور جنہوں نے مفسرین کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اس پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے لہٰذا جن لوگوں نے حضرت علیؑ کی بجائے کسی اور کی شان میں اس آیت کا نزول بتایا ہے انہوں نے اجماع مفسرین کے خلاف کہا ہے۔

صاحب کشاف نے شان نزول لکھتے ہوئے یہ بھی واضح کیا ہے کہ انگوٹھی حضرت علیؑ کی انگشت خنصر میں تھی اس کے نکال لینے میں کوئی عمل کثیر واقع نہیں ہوا اور یہ بھی کہا ہے کہ مرد واحد کے لیے جمع کے صیغوں کا استعمال اس لیے ہوا ہے تاکہ لوگوں کو ایسا عمل کرنے اور اس کا ثواب حاصل کرنے کی طرف رغبت ہو۔

اعتراض۔ حضرت علیؑ کا اختصاص اس آیت میں دو وجہ سے درست نہیں اول مفسرین نے اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکر کو قرار دیا ہے۔ دوسرے نقاش نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اس کے مصداق مومنین ہیں جن میں علیؑ بھی شامل ہیں۔

جواب۔ اس قسم کی روایات شاذ اور موضوعہ ہیں یہ متفق علیہ روایات معارض نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ روایات جن سے ہم استدلال کر رہے ہیں کتب امامیہ میں متواترات

سے ہیں اور کتب معتبرہ اہلسنت میں معتبر اسناد سے تواتر کے قریب مروی ہیں اور یہ کہنا کہ حالت رکوع میں انگوٹھی دینے کا واقعہ صرف ثعلبی نے نقل کیا ہے دروغ بے فروغ ہے فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں چند سندوں سے اس روایت کو نقل کیا ہے ان میں ایک روایت ابن عباس کی ہے کہ یہ آیت علی علیہ السلام کی شان میں ہے اور شافعی ابن مغازلی نے پانچ طریقے سے روایت کی ہے اس میں ایک روایت عبداللہ بن عباس کی بھی ہے۔ مضمون یہ ہے ایک سائل حضرت رسولخداؐ کے پاس آیا اس کے ہاتھ میں انگوٹھی تھی۔ حضرت نے پوچھا تجھے کس نے دی اس نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کرکے کہا اس رکوع کرنے والے نے رسول نے فرمایا الحمد للہ الذی جعلها فی وفی اهلبیتی (خدا کا شکر ہے کہ اس نے یہ سعادت مجھے اور میرے اہلبیت کو بخشی) تفسیر درمنثور میں اور زین الفتی میں ابن عاصمی نے ابن عباس سے یہی روایت کی ہے ابن عباس معمولی شخص نہیں صاحب زین الفتی نے ان کے متعلق لکھا ہے ابن عباس هو الذی بحر الامه و حبرها و شمسها و بدرها (وہ اس امت کے بحر علم ہیں، عالم ہیں۔ سورج ہیں چاند ہیں۔

فخر الدین رازی نے عبداللہ بن سلام سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے کہا یا رسول اللہ میں نے علیؑ کو حالت رکوع میں ایک محتاج کو انگوٹھی دیتے دیکھا پس میں ان کی ولایت کا اقرار کرتا ہوں۔ جاننا چاہیے کہ اس روایت کی نقل میں فخر رازی منفرد نہیں ہے بلکہ صحاح اہلسنت میں بھی مرقوم ہے۔ بلکہ اسی راوی عبداللہ بن سلام سے ابن اثیر نے ربیع الاصول میں اور زیادہ مفصل فضیلت حضرت علیؑ کی بیان کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ خدمت رسول میں آیا۔ بلال نے اذان دی اور لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ پس جب رکوع

وسجود ہو رہے تھے ایک سائل نے آکر سوال کیا۔ علیؑ نے بحالت رکوع اپنی انگوٹھی اس کو دیدی۔ سائل نے حضرت رسول خداؐ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ نے ہمارے سامنے آیہ انما ولیکم اللہ کی تلاوت کی اور ھم راکعون کے بعد یہ آیت بھی تلاوت فرمائی وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (سورہ المائدہ ۵/۵۶)

فخر رازی نے اس سلسلہ میں تیسری روایت جناب ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے ایک دن رسول کے ساتھ نماز ظہر پڑھی۔ ایک سائل نے مسجد میں آکر سوال کیا۔ کسی نے اسے کچھ نہ دیا اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔ خداوندا میں نے تیری مسجد میں سوال کیا لیکن کسی نے مجھے کچھ نہ دیا علی رضی اللہ عنہ اس وقت رکوع میں تھے آپ نے اس سائل کو اپنی داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے اشارہ کیا اس نے آکر انگوٹھی انگلی سے اتار لی۔ جب حضرت رسولؐ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا اللھم انّ اخی موسیٰ سئلك رب اشرح لی صدری الی قوله واشرکه فی امری (خداوندا میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے سوال کیا تھا رب اشرح لی صدری تا اینکہ فرمایا واشرکه فی امری یعنی ہارون کو میرے امر نبوت میں شریک کردے تو نے ان کی دعا قبول کی اور فرمایا سنشد عضدك باخيك (ہم عنقریب تیرے بازو کو تیرے بھائی سے قوی کردیں گے) میں محمد تیرا نبی اور صفی ہوں پس میرے سینہ کو کشادہ کردے اور میرے امر کو آسان کردے اور میرا وزیر میری اہل سے میرے بھائی علی کو بنادے ان سے میری پشت کو قوی کردے۔ ابوذر کہتے ہیں کہ ابھی حضرت کی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ جبریل امیں یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ انما ولیکم اللہ الخ

یہ ہے ان روایات کا مجموعہ جو رازی نے اس واقعہ کے متعلق بیان کی ہیں اور

ثعلبی نے بھی اپنی تفسیر میں ابن عباس سے وہی روایت لفظ بہ لفظ بیان کی ہے جس کو ہم اُوپر ابوذر سے نقل کر چکے ہیں۔ تفسیر زاہدی میں مجاہد سے بھی یہی روایت ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی جب آپ نے سائل کو رکوع میں انگوٹھی دی۔ سیوطی نے درمنثور میں یہی شان نزول بیان کر کے لکھا ہے کہ حضرت نے آیہ انما ولیکم اللہ کی تلاوت صحابہ کے سامنے کرنے کے بعد یہ بھی فرمایا من کنتُ مولا ہ فھذا علیٌ مولا ہ اللھم وال مَن والاہ وعاد مَن عاداہُ

فخر رازی اور ثعلبی کے علاوہ زمخشری، بیضاوی۔ نیشاپوری۔ ابن السبع واحدی واقدی۔ سمعانی بیہقی۔ نظیری صاحب مشکوٰۃ وغیرہ تمام مفسّروں نے سدّی۔ مجاہد حسن بصری۔ اعمش۔ عتبہ ابن ابی حکیم۔ طالب بن عبداللہ قیس بن الربیع۔ ابن عباس ابوذر اور جابر جیسے معتبر اور مستند راویوں نے واقعہ عطائے خاتم کو روایت کیا ہے اور حسّان وغیرہ شعرا نے اس کو نظم بھی کیا ہے۔ فاضل شیرازی نے سفینۃ النجاۃ میں اخطب خوارزم سے روایت کی ہے کہ اس روز حسّان بن ثابت نے اس بارے میں چند شعر لکھے ہیں ان میں سے دو شعر یہ ہیں۔

فانت الذی اعطیتَ اذ کنتَ راکعًا	فدتك نفوس القوم یا خیر راکع
آپ وہ ہیں جنہوں نے رکوع میں انگوٹھی عطا کی	اے بہترین رکوع کرنے والے قوم کی جانیں آپ پر فدا ہوں۔
فانزل فیك اللہ خیر ولایۃ	وبینھا فی محکمات الشرائع
خدا نے آپ کے بارے میں بہترین ولایت کو	نازل کیا اور محکمات شرایع سے اس کو ظاہر کیا۔

ہم نے اب تک جو کچھ بیان کیا ہے اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس آیت

کی شانِ نزول میں مفسرین اور محدثوں کا اتفاق ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس سے فضیلت امیر المومنینؑ ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ خلافت نصّی ہے نہ اجماعی۔

بعض علمائے اہلسنت نے اس واقعہ ہی کو تسلیم نہیں کیا چنانچہ فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اس آیت کے متعلق دو قول ہیں اوّل یہ کہ مراد عام مومنین ہیں اور راکعون سے مراد ہے تمام اوامر و نواہی میں خضوع کرنیوالے اور زمخشری نے کشاف میں کہا ہے وھم راکعون میں واؤ حالیہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ زکوٰۃ دیتے ہیں بحال رکوع یعنی نہایت خضوع و خشوع اور تواضع اور تذلّل کی حالت میں بعض نے کہا ہے کہ یہ حال ہے یوتون الزکوٰۃ سے یعنی زکوٰۃ دیتے ہیں درانحالیکہ وہ نماز کے رکوع میں ہوتے ہیں اور یہ حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی درانحالیکہ انہوں نے سائل کو انگوٹھی حالت رکوع میں دی اور اس سے بحالت نماز کوئی فعل کثیر سرزد نہ ہوا۔ اگر کہا جائے کہ آیت میں صیغے جمع کے ہیں اور علیؑ فرد واحد ہیں لہٰذا اس کا مصداق کیونکر ہوں گے تو جواب یہ ہے کہ رغبت دلانا مقصود ہے دوسرے لوگوں کو اس عمل خیر کی طرف اور مائل کیا گیا ہے بر و احسان اور تفقد و مہربانی بر حال فقرا کی طرف۔

اس کے بعد فخر الدین رازی نے دوسرا قول یہ لکھا ہے کہ اس آیت کے مصداق بیان کرنے میں لوگوں کے دو قول ہیں اول عکرمہ نے روایت کی ہے کہ یہ ابوبکر کی شان میں ہے۔ دوسرا قول ہے کہ علیؑ کی شان میں ہے۔

ہم جواب میں کہتے ہیں کہ جب مفسرین و محدثین کی کثرت اس طرف ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے تو اس کے مقابل اگر ایک دو مخالف رائیں ہوں تو ان کی کیا وقعت۔ اجماع مفسرین کو قول واحد سے نہیں توڑا جا سکتا رہا عکرمہ اور حسن بصری

کا قول تو یہ دشمنان علیؑ سے ہیں ان کی بات کا اعتبار کیا۔ حماد بن سلمہ سے حسن بصری کا یہ قول مروی ہے۔ اگر علیؑ مدینہ میں سوکھی روٹی کھاتے تو اس سے بہتر ہوتا جس کے وہ مرتکب ہوئے اور یہ بھی مشہور ہے کہ حسن نے حضرت علی کا ساتھ نہیں دیا اور یہ کہ وہ وہمی اور وسواسی تھا۔ وضو کے وقت پانی بہت گراتا تھا حضرت علیؑ نے اس پر اس کو جھڑکا۔ اس نے کہا جو خون امیر المومنین نے بہایا وہ اس سے زیادہ تھا۔ حضرت کو اس کا یہ کہنا برا معلوم ہوا اور فرمایا کیا تیری نظر میں میرا وہ فعل برا تھا اس نے کہا ہاں حضرت نے فرمایا تو ہمیشہ آزردہ و دلگیر رہے گا۔ یہی صورت نقاش اور عکرمہ کی ہے کہ یہ بھی پکے خارجی و ناصبی ہیں ان کی روایات کا اعتبار کیا۔ نقاش ہی جیسے لوگ تھے جنہوں نے خلفائے ثلثہ کے فضائل میں بے شمار احادیث وضع کر ڈالیں جس کا اقرار خود علمائے اہلسنت کو ہے ایسی حالت میں نقاش کا یہ روایت کرنا کہ آیت ابوبکرؓ کی شان میں ہے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

کافی میں سلیم بن قیس ہلالی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علیؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے سلمان و مقداد و ابوذر سے قرآن و احادیث کی وہ تفسیریں سنی ہیں جو ان تفسیروں اور حدیثوں کے بالکل خلاف ہیں جن کو عام لوگ بیان کرتے ہیں اور میں آپ سے روایات سلمان وغیرہ کی تصدیق سنتا ہوں۔ لوگ ان تفسیروں اور حدیثوں کو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں تو کیا یہ سب دروغگو اور باطل پرست ہیں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ لوگ دیدہ و دانستہ رسول پر افترا پردازی کریں اور اپنے لیے تفسیر بالرائے کرکے عذاب مول لیں۔

یہ سن کر حضرت نے فرمایا سنو لوگوں کے ہاتھوں میں حق بھی ہے باطل بھی راست بھی دروغ بھی۔ ناسخ بھی۔ منسوخ بھی، عام بھی خاص بھی محکم بھی متشابہ بھی پس اگر

تغیر کردیں تو کیا بعید ہے۔ اب کا کیا ذکر ہے خود آنحضرتؐ کی موجودگی میں لوگوں نے آنحضرتؐ پر جھوٹ بولنا شروع کر دیا تھا چنانچہ آنحضرتؐ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا ایھا الناس قد کثرت علیّ الکذابه فمن کذب علیّ متعمداً فلیتبوا مقعده من النار (لوگو! میرے اوپر بہت جھوٹ بولا جا رہا ہے پس جو مجھ پر قصداً جھوٹ بولے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے بعد آپ پر جھوٹ بولا گیا۔ لوگوں نے احادیث کا مرکز جن چار شخصوں کو سمجھا ہے ان میں پہلا مرد منافق ہے جس نے بظاہر اظہار اسلام کیا اور تصنع سے اپنے کام کو رونق دینی چاہی وہ نہ جھوٹ بولنے کو گناہ جانتا تھا اور نہ دین کے لیے اس میں کوئی حرج خیال کرتا تھا اگر لوگ جانتے کہ یہ مرد منافق وکذاب ہے تو اس سے کوئی حدیث نقل نہ کرتے اور نہ اس کو باور کرتے لیکن انہوں نے اس بنا پر اعتماد کیا کہ یہ صحابی رسول ہے اس نے آنحضرتؐ کو دیکھا اور اپنے کانوں سے آنحضرتؐ کی احادیث کو سنا ہے۔ اسی لیے وہ ان کے اقوال پر فریفتہ ہوئے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو اس کے متعلق بتا چکا تھا وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ، وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (سورۃ المنافقون ۴/۶۳) مگر لوگوں نے نہ پہچانا۔ یہ گروہ آنحضرتؐ کے بعد بھی باقی رہا لوگوں نے ائمہ ضلال اور داعیان الی النار کی طرف رجوع کی اور ان کو اپنے اعمال کا حاکم بنایا اور انہیں لوگوں کی گردنوں پر سوار کیا اور ان کے ساتھ ہو کر کھایا۔ بے شک لوگ بادشاہوں اور دنیا کے ساتھ رہا کرتے ہیں مگر جس کو خدا بچائے پس ان چار میں سے ایک کا یہ حال ہے۔

موضوعہ احادیث کے متعلق خود علمائے اہلسنت نے اقرار کیا ہے۔ چنانچہ شیخ اہل سنت رحمت اللہ سندی اپنی کتاب مختصر تنزیه الشریعه میں لکھتا ہے الصنف الخامس اصحاب اغراض الدنیویه

واصحاب الامراء پس یہ وضع کرنے والے وہی ہیں جن کو اہل ہوس اور صاحبان بدعت سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے مذہب کی نصرت اور اپنے مذہب کے مخالفوں کو بدنام کرنے کے لیے حدیثوں کو گھڑنے کا کام شروع کیا۔ ایسی صورت میں۔ اگر کسی ناصبی نے ازراہِ تعصب یہ حدیث وضع کرلی ہو کہ آیہ انما ولیکم اللہ کے مصداق ابوبکرؓ ہیں تو کیا بعید از عقل ہے اور ایسے ہی وہ لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے اس آیت کے صحیح مصداق کے متعلق بہت سے شبہات وارد کر دیئے ہیں۔

جس ابوبکر نقاش نے یہ روایت بیان کی ہے کہ آیہ انما ولیکم اللہ ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے اس کے متعلق ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ حسن مقری المعروف بنقاش موصلی جس کی نشو و نما بغداد میں ہوئی عالم قرآن تھا اس کی احادیث بلحاظ سند ساقط الاعتبار ہیں۔ برقانی نے کہا ہے کہ نقاش کی احادیث موضوعہ ہیں اس کی تفسیر میں کوئی حدیث مذکور نہیں ہوتی۔ اس کی وفات ۳۵۲ھ میں ہوئی۔ جلال الدین سیوطی نے رسالہ فوائد کامنہ میں اسی نقاش کے متعلق ذہبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ احادیث موضوعہ بیان کرتا ہے۔ جب محققین اہلسنت نے اس کا اقرار کر لیا کہ ابوبکر نقاش ثقہ نہیں ہے اور احادیث وضع کرنے میں مشاق ہے تو اس کی یہ حدیث بھی موضوع سمجھی جائے گی کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ آیہ انما ولیکم اللہ اصحاب کی شان میں ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔

کافی میں ہے کہ ابوبکر مسروق جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں ہیں ایک دن خدمتِ امام میں عرض کرنے لگے کہ جب ہم اپنے مذہب کی حقیقت کے اثبات میں آیہ انما ولیکم اللہ کو پیش کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی ایک قوم کے متعلق ہے ہم ہر چند انہیں سمجھاتے ہیں مگر وہ نہیں مانتے۔ حضرت نے

فرمایا اگر یہ صورت ہے تو تم ان کو مباہلہ کی دعوت دو اس کے بعد حضرت نے مباہلہ کی کیفیت بیان کی۔ پس مخالفین میں سے کوئی اس پر راضی نہ ہوا۔

عکرمہ کی بھی یہ روایت کہ اس آیت کے مصداق ابوبکرؓ ہیں جھوٹی اور بے سروپا روایت ہے کیونکہ عکرمہ رئیس نواصب و خوارج ہے اس نے ابوبکرؓ کی شان میں اور بھی بہت سی احادیث وضع کی ہیں مثلاً سدی سے روایت کی ہے ان اللہ اتخذ لابی بکر فی اعلی علیین قبتہ من یا قوتہ بیضاءَ معلقۃً بالقدرۃ (اللہ نے ابوبکر کے لیے اعلیٰ علیین میں یاقوت کا ایک قبہ بنایا ہے جو سفید رنگ ہے اور بقدرت خدا معلق ہے) یا مثلاً ابن عباس سے اس نے روایت کی ہے کہ جب آیہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللہِ (سورہ النصر ۱/۱۱۰) نازل ہوئی تو اللہ نے اپنے دین کی نصرت کے لیے ابوبکرؓ کو میرا خلیفہ بنایا اس قسم کی اور احادیث بھی اس سے منقول ہیں جن کی تائید کسی دوسرے راوی نے نہیں کی۔ اسی لیے عکرمہ کو جھوٹا اور حدیث وضع کرنے والوں میں سمجھا گیا ہے۔ محققین نے اس کو کذاب قرار دیا ہے اور اس کا شمار خوارج میں کیا ہے لہٰذا اس کی کوئی روایت معتبر نہیں ہو سکتی اور سب سے بڑی تصدیق اس امر کی کہ عکرمہ ابن عباس کے نام سے جھوٹی احادیث بیان کیا کرتا تھا ابن عمر کا یہ قول ہے۔ جو انہوں نے نافع سے کہا تھا

لاتکذب علینا کما یکذب عکرمہ علی ابن عباس

علاوہ بریں کسی ایک روایت سے بھی اس کی تصدیق نہیں ہوتی کہ ابوبکرؓ نے حالت رکوع میں انگوٹھی دی ہو کسی فرد واحد نے ان کے متعلق یہ واقعہ سنا نہ بیان کیا خود عکرمہ نے بھی اس واقعہ کو بیان نہیں کیا۔

البتہ صدوق علیہ الرحمہ نے حضرت عمرؓ کے متعلق ان کا یہ قول ضرور نقل کیا ہے

قال واللہ تصدقتُ باربعین خاتماً وانا راکع لینزل فی ما نزل فی علی بن

ابی طالب فما نزل (یعنی واللہ میں نے چالیس انگوٹھیاں صدقہ دیں بحالت رکوع تاکہ میرے بارے میں بھی وہی نازل ہو جو علی بن ابی طالب کے بارے میں نازل ہوا لیکن کچھ بھی نازل نہ ہوا۔ پس باوجود حضرت عمر کی اس جدوجہد کے کسی نے آیہ انما ولیکم اللہ کی شانِ نزول میں حضرت عمر کا ذکر نہیں کیا اور کیا تو حضرت ابوبکر کا جنہوں نے ایک انگوٹھی بھی نہ دی۔

حضرت عمر کے مذکورہ بالا قول سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نزول آیت کے لیے صرف صدقہ دینا کافی نہیں بلکہ خلوص نیت شرط ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ انما یتقبل اللہ من المتقین صاحب خصائص محمد بن طبری نے بھی اپنے متعلق لکھا ہے کہ میں نے بھی چالیس انگوٹھیاں راہِ خدا میں دیں تاکہ میرے بارے میں کچھ نازل ہو جائے لیکن ایسا نہ ہوا۔ زمخشری نے لکھا ہے کہ اس آیت میں جو جمع کے صیغے آئے ہیں وہ اس لیے کہ اور لوگوں کو بھی رغبت ہو اور علی کا سا ثواب حاصل کریں لیکن انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ عمل میں حماقت موقوف ہے صدق نیت اور خلوص عمل پر۔ اور اس کے مصداق ہمارے ائمہ اطہار علیہم السلام ہیں اور یہی راز ہے جمع کے صیغے لائے گئے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اسلاف جس فضیلت کے اس بری طرح خواہشمند ہوں کہ ایک کی بجائے چالیس انگوٹھیاں دیں اور اخلاف اس کے ابطال میں کوشاں ہوں محض عداوت علی ہیں۔

ثعلبی کو جس نے اس آیت کا مصداق علیؑ کو قرار دیا ہے علمائے اہلسنت نے ساقط الاعتبار قرار دیتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ ثعلبی کی روایات ایک جو کی قیمت نہیں رکھتیں وہ حاطب لیل کی طرح ہر رطب و یابس کا جامع ہے۔ یہ سزا صرف اس جرم کی ہے کہ اس نے ان احادیث کو اپنی تفسیر میں جگہ دی ہے جو حضرت علیؑ کی فضیلت میں ہیں اور یہ اس کے عدم تعصب کی دلیل ہے ورنہ اس میں کوئی کلام کہ وہ معتبر مشائخ اہلسنت سے ہے۔ ابن خلکان

وفیات الاعیان میں اور سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں اس کی مدح سرائی کی ہے ثعلبی کی روایات کو اس لیے ساقط الاعتبار قرار دیا گیا ہے کہ اس نے احادیث کو کلبی سے لیا ہے اور کلبی اصحاب عبداللہ بن سبا سے ہے لہٰذا ساقط الاعتبار۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ابن خلکان ثعلبی کی تعریف بھی کرتا ہے اور اس کے راوی کلبی کی مذمت یہ ایک بام اور دو ہوا نہیں۔ اگر ثعلبی اخذ حدیث میں غیر محتاط ہے تو پھر اس کی تعریف کیسی اور اگر محتاط ہے تو پھر اس کے راوی کی قدح کیوں۔ ثعلبی ہی پر کیا موقوف ہے کلبی سے بہت سے علمائے اہلسنت نے احادیث کو روایت کیا ہے۔

ہم نے اس آیت کے تمام متنازع فیہ پہلوؤں پر روشنی ڈال دی ہے اب ہمیں صرف یہ واضح کرنا ہے کہ یہ آیت دلیل امامت منصوصہ ہے۔ علامہ مجلسی حق الیقین میں فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے اور لفظ ولی چند معانی میں آیا ہے۔ یاور، دوست صاحب اختیار۔ اولی بالتصرف۔ آخری دونوں معنی ایک دوسرے سے قریب ہیں رہے پہلے دو معنی ان کا تعلق اس آیت سے نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں دوستی ہو جائے گی مخصوص صفات کے مومنوں سے حالانکہ سب مومن ایک دوسرے کے یاور دوست ہیں قرآن کی کھلی آیت ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (سورہ التوبہ ۹/۷۱) بلکہ ملائکہ بھی مومنوں کے محب ہیں جیسا کہ قرآن میں ان کا قول یوں نقل ہوا ہے۔ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (حٰم السجدہ ۴۱/۳۱) بلکہ بعض مومنوں کے دوست کافر بھی ہوتے ہیں۔

ہمارے مخالفوں کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں یقیمون یوتون اور راکعون جمع کے صیغے ہیں لہٰذا علیؑ واحد ہونے کی حیثیت سے مراد نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ عرب اور عجم دونوں اظہار تعظیم کے موقع پر جمع کا اطلاق ذات

واحد پر کر دیتے ہیں اور قرآن میں بھی ایسی آیات موجود ہیں جہاں واحد کے لیے جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ لیکن ہمارا یہ دعویٰ نہیں۔ ہماری احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اس آیت کے مفہوم میں تمام ائمہ داخل ہیں اور ہر امام اپنی امامت کے زمانہ میں اس فضیلت سے مخصوص ہوتا ہے۔

صاحب کشاف نے کہا ہے کہ اس آیت کا مصداق اگرچہ حضرت علیؑ ہیں لیکن جمع کے صیغے اس لیے استعمال ہوئے ہیں کہ دوسرے بھی ان کی متابعت کریں۔ اس سے ہمارے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے کہ یہ آیت امیر المومنینؑ کی شان میں ہے اور یہ کہ ولایت سے مراد امامت ہے۔ صحیح مسلم اور صحیح ترمذی میں عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا امیر جناب امیرؑ کو بنایا۔ فتح کے بعد اسیروں میں سے ایک کنیز کو اپنے لیے پسند فرمایا لشکر والوں کو یہ بات ناگوار ہوئی اور چار اصحاب نے اس پر اتفاق کیا کہ جب آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو اس واقعہ کو ضرور بیان کریں گے۔ قاعدہ یہ تھا جب مسلمان جنگ سے واپس آتے تھے تو سب سے پہلے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور سلام کر کے اپنے اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ جب یہ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے تو ان چاروں نے حضرت علیؑ کی شکایت کی۔ حضرت نے اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا اور آپ کے چہرہ سے غصہ ظاہر ہو رہا تھا۔ تین مرتبہ آپ نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا۔ تم علیؑ سے کیا چاہتے ہو علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے۔

ابن عبدالبر نے استیعاب میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے علی علیہ السلام سے فرمایا تو میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر ولایت حضرت علیؑ سے مخصوص ہے اور ولی کا لفظ جو اس آیت میں ہے اس کے مصداق

حضرت علیؑ ہی ہیں۔ آنحضرتؐ کا یہ فرمانا علیؑ مجھ سے ہے اس کی دلیل ہے کہ حضور سے حضرت علیؑ کو نہایت ہی مخصوص قربت حاصل ہے جو دوسرے کے لیے نہیں اور اس حدیث میں یہ فرمانا کہ میرے بعد وہ ہر مومن کا ولی ہے ہر ذی عقل انسان سمجھ سکتا ہے کہ ایسا انسان جس کو آنحضرتؐ نے ہر مومن کا ولی بنایا ہو کیونکر دوسروں کی رعیت بن سکتا ہے۔

صاحب تحفہ کا یہ کہنا کہ جب لفظ ولی مشترک المعنی ہے۔ محب و ناصر و صدیق و متصرف فی الامر میں تو ایسے لفظ کے ایک معنی معین نہیں ہو سکتے جب تک کوئی قرینہ خارجہ اور سیاق و سباق نہ ہو۔ پس آیت کا ماسبق ولی بمعنی ناصر مراد لینے کا موید ہے کیونکہ مقصود کلام تقویت قلوب اور تسلیہ مومنین ہے خوف مرتدین سے اور آیت کا مابعد بھی یہی بتاتا ہے کہ ولی بمعنی ناصر ہے اور بعد کی آیت یہ ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (سورہ المائدہ ۵/۵۷) اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار سے دوستی کرنے کو روکا گیا ہے ورنہ مسلمانوں نے کفار کو تو اولی بالتصرف کبھی تسلیم ہی نہ کیا تھا۔ رہا انما کا کلمۂ حصر ہونا تو حصر جب ہوتا ہے کہ نزاع یا تردد یا اعتقاد شرکت ہو اور بالاجماع اس آیت میں وقت نزول کوئی نزاع امامت اور ولایت بالتصرف کے متعلق نہ تھا بلکہ نصرت و دوستی کے متعلق تھا پس حصر کا تعلق اسی سے متعلق ہوگا نہ کہ معنی اول سے۔

جواب۔ اگرچہ ولی متعدد معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن قرینہ اس کا موجود ہے کہ لفظ ولی یہاں محب و ناصر کے معنی میں ہیں ورنہ کلام باری میں تضاد لازم آئے گا، کیونکہ ایک جگہ فرماتا ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (سورہ التوبہ ۹/۷۱) اس میں عمومیت ہے یعنی ہر مومن مومن کا دوست ہے اور آیہ انما ولیکم اللہ

میں دوستی کو مخصوص کر دیا گیا کچھ خاص صفت والے مومنین میں۔

دوسرے۔ اگر بالفرض ولایت بمعنی نصرت بھی ہو تب بھی ہمارا مقصد حاصل ہے کیونکہ جن لوگوں سے مخاطبہ ہے ان کا اتحاد نصرت کرانے والوں سے ممکن نہیں اور نصرت کرنے والوں کو مخصوص کرنا اللہ اور رسول اور بحالت رکوع زکوٰۃ دینے والوں میں اس کی دلیل ہے کہ ناصر سے مراد ایسے نصرت کرنے والے ہیں جن کی نصرت علیٰ وجہ الکامل ہو مثل نصرت خدا و رسول اور یہ ظاہر ہے کہ شرکت خدا و رسول ان لوگوں کے ساتھ جن کی صفات بحالت رکوع زکوٰۃ دینا بیان کیا گیا ہے ولایت ہی سے مخصوص ہو سکتی ہے ورنہ عام نصرت تو سب ہی کے لیے ہے۔ ایسی صورت میں حصر کی ضرورت ہی نہیں اور ایسی نصرت جو عام نصرت سے بالاتر ہو اور مشترک ہو خدا و رسول اور مخصوص اہل ایمان کے درمیان تو اس کے معنی اولیٰ بالتصرف ہی ہو سکتے ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ ولی بمعنی ناصر و مددگار نہیں بلکہ بمعنی اولیٰ بالتصرف ہے۔ تو یہ کہنا بے معنی ہے کہ آیات ماقبل و مابعد سے معنی نصرت کی تائید ہوتی ہے کیونکہ موجودہ ترتیب کی ذمہ داری تو جامع قرآن پر ہے۔ یہ تینوں آیتیں دفعۃ واحدہ نازل نہیں ہوئیں بلکہ مختلف موقعوں کی ہیں جن کو شان نزول کے خلاف جمع کر دیا گیا ہے لہٰذا سیاق و سباق سے معنی نصرت ثابت کرنا غلط ہے۔ صاحب تفسیر القرآن نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ ترتیب نزولی غیر ترتیب تلاوت ہے پس آیت کے معنی سمجھانے والی شان نزول ہو سکتی ہے نہ شانِ تلاوت خاص کر جبکہ اس کی ترتیب قیاس اور رائے سے ہوئی ہو۔

تیسرے۔ ہم اس سیاق و سباق کے بدلے جو معترض اپنے مدعا کے ثبوت میں پیش کر رہا ہے اس کے مطلوب کے خلاف ایک قرینہ واضح بیان کرتے

ہیں کہ قرآن کے اسی پارہ ششم میں آیہ کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (سورہ المائدہ ۵/۳) اور اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ (سورہ المائدہ ۵/۵۵) اور آیہ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ (سورہ المائدہ ۵/۶۷) ایک ہی سورہ میں آگے پیچھے موجود ہیں اور یہ تینوں بروایت شیعہ وسنی جناب امیرؑ کی شان میں ہیں لیکن ان کی ترتیب شان نزول کے بالکل خلاف ہے پہلے آیہ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (سورہ المائدہ ۵/۳) ہے حالانکہ وہ سب سے آخری آیت ہے۔ علامہ مجلسی نے حق الیقین میں ابوالقاسم حسکانی وغیرہ علمائے عامہ سے بروایت ابوسعید خدری نقل کیا ہے کہ روز غدیر کا مجمع ابھی منتشر نہ ہونے پایا تھا کہ آیہ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (سورہ المائدہ ۵/۳) نازل ہوئی اور تفسیر اکبر میں ہے کہ ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ آیہ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ (سورہ المائدہ ۵/۶۷) روز غدیر خم علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی۔ فخرالدین رازی نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ آیت فضیلت علیؑ میں نازل ہوئی۔ آنحضرتؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ و مولی کل مومن و مومنہ یہی روایت ابن عباس، براء بن عازب اور دیگر صحابہ نے کی ہے۔ ابونعیم نے کتاب ما نزل فی القرآن میں واحدی نے کتاب اسباب نزول آیات میں۔ ابوبکر شیرازی نے اور مرزبانی وغیرہ نے بھی یہی روایت نقل کی ہے ان کے علاوہ بھی بکثرت مفسرین نے اس آیت کو علیؑ کی شان میں بیان کیا ہے۔ لیکن یہ آیت موخر ہے اور بعد والی مقدم جو اس تنزیل کے خلاف ہے۔

ہم کو اس سلسلہ میں کہنا یہ ہے کہ یہ تینوں آیات ایک ہی سلسلہ کی ہیں لہٰذا جس طرح آیہ بلغ اور اکملت سے امیرالمومنین کا اولیٰ بالتصرف ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح آیہ انما ولیکم اللہ سے بھی اولیٰ بالتصرف ہونا لازم ہے ورنہ معنی میں انتشار پیدا ہوگا۔ ایک آیت میں مفہوم کچھ ہوگا اور دوسری میں کچھ اور حدیث اور قرآن میں موافقت

نہ رہے گی۔ اگر یہ انما ولیکم اللہ میں سیاق و سباق پر نظر کر کے نصرت کے معنی لیے جائیں تو کیا وجہ کہ بلغ اور آیۂ اکملت کے سیاق و سباق پر نظر کر کے اولیٰ بالتصرف کے معنی مراد نہ لیے جائیں۔

اب رہا اِنَّمَا کلمہ حصر کے متعلق جو کہا گیا ہے تو فصحائے عرب کے کلام میں یہ کلمہ ہر جگہ حصر کے لیے استعمال ہوا ہے ابو علی فارسی جو اعظم علمائے نحو سے ہے لکھتا ہے ان النحاة اجمعوا علی انه کلمته لحصر۔ صاحب کتاب منہاج لکھتا ہے انما للحصر اسی طرح تمام علمائے نحو نے اس کو کلمہ حصر مانا ہے۔ رہا یہ کہنا کہ حصر سے معنی نصرت و محبت میں نہایت غیر معقول بات ہے کیونکہ محبت کا حصر چند مذکورہ صفات والوں پر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ تمام مومن اور مومنات باہم اولیا ہیں۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ حصر تردد اور نزاع کے وقت ہوتا ہے اور چونکہ اس وقت امر ولایت میں کوئی نزاع نہ تھا لہٰذا حصر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ امر امامت میں نزاع اگرچہ اس وقت بظاہر نہ ہو لیکن دلوں میں تو پوشیدہ تھا ہی جو بعد میں ظاہر ہو کر رہا۔ علاوہ بریں اگر اس کا تعلق مستقبل سے بھی سمجھا جائے تو کیا خرابی لازم آتی ہے۔

استعمال صیغہ جمع برائے واحد

کہا جاتا ہے کہ آیہ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ میں تمام صیغے جمع کے ہیں پس اکیلے حضرت علیؑ اس کے مصداق کیسے ہو سکتے ہیں لیکن قرآن میں ایسا کئی جگہ ہے۔ چند آیات اتماماً للحجہ درج ہیں۔

(۱) ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ (سورہ البقر ۲/۱۹۹) (مراد رسول اللہ) (۲) عُلِّمۡنَا مَنۡطِقَ الطَّیۡرِ (سورہ النمل ۲۷/۱۶) (۳) اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا (سورہ آل عمران ۳/۱۷۳) (ناس اول سے مراد ابن مسعود اور ناس ثانی سے مراد ابوسفیان

(۴) حکایۃ عن الخاطئین ربّ ارجعون (۵) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورہ الحجر ۹/۱۵) جب خدائے واحد نے اپنے لیے جمع کے صیغے استعمال کیے تو بندوں کے لیے کیوں ممنوع ہے۔

علاوہ بریں زمخشری نے کشاف میں اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ جمع کے صیغے اس لیے لائے گئے ہیں تاکہ دوسروں کو ایسے عمل کی طرف رغبت ہو۔

اعتراض۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حالت رکوع میں چونکہ حضرت علیؑ کے سوا اور کسی نے سائل کو رکوع میں انگوٹھی نہیں دی اس لیے اس آیت کا مصداق کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تو ان کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ قصہ کہاں مذکور ہے کہ عموم پر اس کا حمل نہ ہو سکے بلکہ هم راکعون معطوف ہے یقیمون الصلوۃ پر جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور زکوٰۃ بھی دینے والے ہیں۔

جواب۔ آیت میں اگر یہ قصہ مذکور نہیں تو احادیث و روایات میں تو موجود ہے جمع بین الصحاح میں ہے۔

انه اذّن بلال الصلوة الظهر فقام الناس يصلون من بين راكع وساجد فاذاسئل سائل فاعطا عليّ عليه السلام خاتمه للسّائل وهوراكع فاخبر السّائل رسول الله صلى الله على واله وسلّم فقراء علينا رسول الله صلى الله عليه واله انما وليكم الله و رسوله

بلال نے نماز ظہر کی اذان دی۔ لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور رکوع و سجود کرنے لگے۔ ناگاہ ایک سائل نے سوال کیا۔ علی علیہ السّلام نے اپنی انگوٹھی اس سائل کو دیدی۔ درانحالیکہ آپ رکوع میں تھے پس سائل نے رسول اللہ کو خبر دی تو حضرت نے آیہ انما وليكم الله کی تلاوت فرمائی۔

اب معترض بتائے کہ اگر یہ آیت علی علیہ السّلام کی شان میں نہ تھی تو حضرت نے عمل اس کو تلاوت کیوں فرمایا شافعی ابن معازلی نے جو روایت عبداللہ بن عباس سے کی ہے وہ اس سے زیادہ واضح ہے۔

مر سائل النبی صلی اللہ علیہ وفی یدہ خاتم قالَ من اعطاکَ قال ذاکَ الراکع وکانَ علیٌّ علیہ السلام یُصلّی فقال الحمد لِلّٰہ الذی جعلھافیَّ وفی اھلبیتی

ایک سائل نبی صلعم کی طرف سے گزرا اور اس کے ہاتھ میں انگوٹھی تھی۔ رسول نے پوچھا یہ تجھے کس نے دی اس نے کہا جو رکوع میں ہے اور علی علیہ السّلام نماز پڑھ رہے تھے۔ رسول نے فرمایا قابلِ حمد ہے وہ ذات جس نے یہ فضیلت مجھ میں اور میرے اہلبیت میں قرار دی۔

وھم راکعون میں واو حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ تاکہ راکعون کے معنی خضوع وخشوع کرنے والوں کے مراد لیے جائیں اگر واو عاطفہ ہوتا تو عبارت یوں ہوتی۔ یقیمون الصلوہ ویوتون الزکوۃ وھم یرکعون تاکہ سب صیغے مضارع کے ہوجاتے لیکن واو حالیہ کی صورت میں تو یہی معنی ہوں گے درانحالیکہ وہ رکوع کرنے والے ہیں۔

اعتراض۔ یہاں رکوع سے مراد خضوع وخشوع ہے نہ رکوع اصطلاحی اور رکوع بمعنی خشوع قرآن میں موجود ہے وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ (سورہ آل عمران ۴۳/۳) حالانکہ بالاجماع ثابت ہے کہ امم سابقہ کی عبادت میں رکوع نہ تھا۔ دوسری جگہ ہے فخرّ راکعاً (سورہ ص ۲۴/۳۸) خرّ کے معنی گر پڑنے کے ہیں۔ اصطلاحی رکوع کو گر پڑنا تو نہیں کہتے ہاں خضوع وخشوع گر پڑنے کے معنی درست ہوسکتے ہیں۔

جواب۔ تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ الفاظ قرآن کے معانی حتی الامکان

مطابق اصطلاح شرعی کرنے چاہئیں۔ رہا وَارْكَعِي مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (سورہ ال عمران ۳/۴۳) کو ثبوت میں پیش کرنا تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہاں رکوع بمعنی خشوع ہے اسی طرح فَخَرَّ رَاكِعًا میں بھی۔ اصطلاح شرعی سے ہٹ کر لغوی معنی کیوں مراد لیے جائیں جبکہ یہ ثابت نہیں کہ سابقین کی نماز میں رکوع نہ تھا۔ قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں آیہ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (سورہ ال عمران ۳/۴۳) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ امرتْ بالصلوة بذكر اركانها مبالغةً فى المحافظ عليها وقدم السجود على الركوع إمالكونه كذلكَ فى شريعتهم او للتنبه على انّ الواؤ لايوجبُ الترتيب او يتصرّف اركعى بالراكعين للايذان بانْ مَن ليس فى صلاتهم ركوع، ليس مصلين (حضرت مریم کو حکم دیا گیا تھا نماز کا اور تاکید کی گئی تھی اس کے ارکان کی محافظت کی اور سجدہ کو رکوع پر یا تو اس لیے مقدم کیا گیا کہ ان کی شریعت میں ایسا ہی تھا یا تنبیہ ہے اس امر پر کہ واو ترتیب کے لیے نہیں ہے یا رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے کا حکم اس امر کی آگاہی کے لیے ہے کہ جن کے یہاں رکوع نہیں ان کی نماز نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ بنی اسرائیل کی نماز میں رکوع تھا۔

زمخشری نے کشاف میں خر راکعا کے متعلق لکھا ہے کہ تعبیر کی گئی ہے راکع کی ساجد سے کیونکہ رکوع کرنے والا جھکتا ہے اور خضوع کرتا ہے مثل سجدہ کرنے والے کے اور اسی سے استشہاد کیا ہے ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے سجدہ تلاوت پر رکوع میں جو قائم مقام سجدہ ہے۔ اور حسن بصری نے کہا ہے کہ انسان سجدہ کرنے والا نہوگا جب تک رکوع نہ کرے اور معنی خر للسجود راکعا کے ہیں مصلیاً کیونکہ رکوع سے مطلب ہے نماز کا۔

اگر ہم راکعون سے مراد نماز میں خشوع کرنے والے لیے جائیں تو ولایت اس

قدر عام ہو جائے گی کہ ایک مرد فاسق کو بھی اس میں خدا و رسول کے ساتھ شرکت کا موقع مل جائے گا۔

اگر هم راکعون کا عطف یقیمون الصلوۃ پر کیا جائے اور آیت کے یہ معنی لیے جائیں کہ تمہارے ولی اللہ اور رسول ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور نماز میں خصوع و خشوع کرتے ہیں تو یقیمون الصلوۃ اور هم راکعون کے درمیان یوتون الزکوۃ کا فصل اجنبی ہو جاتا ہے اور یہ فصاحت کے خلاف ہے جسے عام لوگ پسند نہیں کرتے چہ جائیکہ خلاق عالم اور داد حالیہ ہونے کی صورت میں یہ خرابی لازم نہیں آتی اور ایک واقعہ کا بیان بھی ہو جاتا ہے اور علیؑ کی فضیلت کا اظہار بھی۔

اعتراض۔ زکوٰۃ کا لفظ قرآن میں زکوٰۃ مفروضہ کے لیے استعمال ہوا ہے نہ مطلق صدقہ کے لیے پس انگوٹھی دینا جو بیان کیا جاتا ہے تو اس کا زکوٰۃ مفروضہ سے کیا تعلق۔

جواب: ہم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ زکوٰۃ مفروضہ تھی۔ یہ صدقہ مندوبہ تھا جس پر زکوٰۃ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ مندوب بھی اقسام زکوٰۃ میں سے ہے جیسے زکوٰۃ تجارت اور زکوٰۃ خیل، آیہ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (سورہ الروم ۳۹/۳۰) کے تحت میں امام فخر رازی نے تعلیم کو تسلیم کیا ہے اور یہ مان لیا ہے کہ لفظ کا اطلاق صدقہ مندوبہ پر بھی ہوتا ہے۔ دوسرے فرقہ اہلسنت کے امام زاہد نے آیہ مذکورہ کے تحت میں کھلے لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ لفظ زکوٰۃ کا اطلاق صدقہ تطوع پر بھی ہوتا ہے۔

اعتراض ۔ اگر یہ زکوٰۃ واجب ہو چکی تھی تو حضرت علیؑ کا دینے میں تاخیر کرنا ایک قسم کی معصیت تھی۔

جواب ۔ جب ہم اس کو صدقہ مندوبہ کہتے ہیں تو پھر معصیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اعتراض ۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ زکوٰۃ مندوب تھی تب بھی اس کے ادا کرنے کا کوئی وقت تو ہوتا ہی ہے۔

جواب ۔ خوشنودی خدا کے لیے آدمی اپنا مال ہر وقت دے سکتا ہے اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ زکوٰۃ دینے کا وہی دن ہو۔

اعتراض ۔ فخر الدین رازی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ علیؑ فقیر تھے پس ان پر زکوٰۃ کا وجوب کیسے ہوا یہ تو ایسی ہی بے تک بات ہے جیسے شیعہ کہتے ہیں کہ ایک روٹی سائل کو دینے سے سورہ دہر نازل ہو گئی۔

جواب ۔ معترض فقیر کہہ کر امیر المومنین کی توہین کرنا چاہتا ہے اسے آگاہ ہونا چاہیے کہ اگر وہ فقیر تھے تو ان کا یہ فقر وہی تھا جس پر رسول کو ناز تھا اور فرمایا کرتے تھے الفقر فخری وجوب زکوٰۃ پر معترض کو تعجب کیوں ہے ہو سکتا ہے کہ آپ ایک وقت نصاب زکوٰۃ کے مالک نہ ہوں اور دوسرے وقت ہو جائیں۔ رہا نزول ہل اتی کے متعلق شیعوں کا مذاق اڑانا اور اس کو غلط روایت قرار دینا یہ دلیل حماقت و عصبیت ہے۔ شیعوں کے علاوہ بیشمار اہلسنت بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ اگر اس وقت تہیدست تھے اور فاقہ کی نوبت آگئی تھی تو کیا یہ لازم آتا ہے کہ وہ ہر وقت اسی حالت میں رہے ہوں اور کبھی اس نصاب کے مالک ہی نہ ہوئے ہوں جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ نزول ھل اتیٰ اور انما ولیکم اللہ کا وقت ایک نہیں ہے کہ یہ اعتراض وارد ہو۔

اعتراض ۔ اگر رکوع کے اصطلاحی معنی لیے جائیں تو یقمون الصلوۃ کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ رکوع نماز کا ایک جزو ہے۔

جواب ۔ یہ اعتراض اس وقت ہو سکتا تھا جب ھم راکعون کا عطف یقمون الصلوۃ پر ہوتا۔ لیکن جبکہ یہ حال ہے یوتون الزکوۃ سے تو پھر یہ اعتراض بے محل ہے۔

اعتراض ۔ یہ آیت تمام مومنین سے متعلق ہے نہ کہ صرف حضرت علیؑ سے یہودیوں کی عبادت میں رکوع نہیں پس ان سے احتراز کے لیے یہ فرمایا کہ آپس میں دوست وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں پس یہ یہود کے مقابل ایک امتیازی صورت ہے۔

جواب ۔ اگر یہ عام مومنین سے متعلق ہے تو پھر یہ مخاطبہ ہے کس سے۔

اعتراض ۔ صحیح نماز وہ ہے جس کا تعلق کسی ایسی بات سے نہ ہو جو نماز سے خارج ہو یہ علی علیہ السلام کے استغراق فی الصلوٰۃ کا نقص ہے کہ وہ سائل کی آواز سن لیں اور پھر انگوٹھی دینا عمل کثیر اور مبطل نماز ہے اور یہ علیؑ کی شان کے خلاف ہے۔

جواب ۔ معترض کا یہ اعتراض خدا اور رسول پر ہے۔ خدا نے جو آیت مقام فضیلت میں نازل کی ہے معترض اس کو مقام ذم میں لے رہا ہے اور رسول نے جس چیز کو مقام فضیلت میں بیان کیا ہے معترض کو وہ علی کی منقصت نظر آ رہی ہے معترض کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ عبادت میں فعل عبادت منافی عبادت نہیں۔ سائل کی حاجت براری بھی داخل طاعت باری ہے۔ جب حضرت رجوع قلب کے ساتھ بارگاہ باری میں موجود تھے اور سائل کی آواز بھی بارگاہِ باری میں پہنچی اور امیرالمومنین نے سن لی تو اس سے حضور قلب میں کیا فرق آیا۔ رہا انگوٹھی دینا تو حضرت نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا

اور سایل نے اسے دیکھ کر انگلی سے اُتار لیا اس صورت میں فعل کثیر کیونکر سرزد ہوا۔ اگر یہ سخاوت علیؑ کے حضورِ قلب میں فرق لانے والی ہوتی اگر فعلِ کثیر مبطلِ نماز ہوتا تو علیؑ کے اس عمل کی نہ خدا تعریف کرتا اور نہ رسول مقامِ فخر میں بیان کرتے۔ تعجب ہے کہ ہمارے مخالفین علیؑ کے اس عمل کو تو خلاف حضورِ قلب اور مبطل نماز کہتے ہیں لیکن حضرت عمرؓ کی اس نماز کو صحیح جانتے ہیں جس میں اپنی فوج کے ایک جنرل کو جو محاذِ جنگ پر تھا۔ ساریہ الجبل کہہ کر پہاڑ کی طرف پناہ لینے کی ہدایت فرمائی تھی۔

ہم نے امامت منصوصہ کے ثبوت میں یہ پہلی آیت بیان کرکے اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالدی اور یہ ثابت کردیا کہ خدا و رسول کی طرح حضرت علیؑ بھی اولیٰ بالتصرف ہیں اور امام اور خلیفۂ رسول کی شان ہی یہ ہے کہ وہ تمام امت پر اولیٰ بالتصرف ہو۔ اب ہم اس سلسلہ کی دوسری آیت غور کرتے ہیں۔

دوسری آیت

امامت منصوصہ کے ثبوت میں

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ، وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ، وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (سورہ المائدہ ۵/۶۷)

تیسری آیت

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

(سورہ المائدہ ۵/۳)

ترجمہ آیت اولیٰ ۔ اے رسول جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دو اور اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو گویا اس کی رسالت کا کوئی کام انجام ہی نہ دیا اور اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔

ترجمہ آیت دوم ۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کر دیا اور دین اسلام کو تمہارے لیے پسند کر لیا۔

یہ دونوں آیتیں چونکہ ایک ہی موقع کی ہیں اور فضیلت امیر المومنین کی مظہر ہیں لہٰذا ہم نے دونو کو ایک ساتھ ذکر کر دیا ہے پہلی آیت کے متعلق تفسیر کبیر میں ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ آیہ بلغ ما انزل الیک روز غدیر خم علی بن ابی طالب کے بارہ میں نازل ہوئی۔

تفسیر در منثور وغیرہ میں ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ ہم عہد رسالت میں اس آیت کو یوں پڑھتے تھے یا ایھا الرسول بلغ مَا انزل الیکَ انّ علیاً مولی المومنین اور امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ آیت علی بن ابی طالب کی فضیلت میں نازل ہوئی تھی۔ بلغ مَا انزلَ الیکَ مِن ربک فی علیؑ اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا من کنتُ مولاہُ فعلیؑ مولا ہ چونکہ اہل البیت ادری بما فی البیت ہے لہٰذا اس کی صداقت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس آیت کی شان نزول میں دس صورتیں ذکر کی ہیں۔ دسویں وجہ میں لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے علی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا من کنتُ مولا ہ فعلی مولا ہ اللھم وال من والا ہُ وعا دِمن عاداہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ھنیناً لکَ یابن ابی طالب اصبحت مولای ومولیٰ کل مومنٍ و مومنہ یہ قول ابن عباس و براء ابن عازب اور محمد بن علی ہے۔ اس کے بعد

کہتے ہیں۔ یہ روایات اگرچہ بہ کثرت ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کے معنی یہ لیے جائیں کہ اللہ نے محفوظ رکھا اپنے رسول کو مکر یہود و نصاریٰ سے اور حکم دیا اظہارِ تبلیغ کا بغیر ان دشمنوں کی پرواہ کیے اور یہ اس لیے کہ اس آیت کے ماقبل و مابعد ذکر یہود و نصاریٰ ہے۔ اگر یہ آیت دوسرے مفہوم کی ہو تو ماقبل و مابعد کی آیتوں کے درمیان فصل اجنبی لازم آئے گا۔

ابو القاسم حسکانی نے شواہد التنزیل میں اپنی اسناد کے ساتھ ابن عباس اور جابر ابن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ خدا نے حکم دیا آنحضرتؐ کو کہ معین کریں علیؑ کو لوگوں پر امیر اور خبر دیں ان کو آپ کی ولایت کی۔ پس خوف ہوا آنحضرتؐ کو اس امر کا کہ لوگ کہیں گے کہ حضرت نے اپنے ابن عم کو حاکم بنا دیا۔ ممکن ہے کہ وہ سرکشی کریں خدا نے اس لیے اس آیت کی وحی کی۔ پس یوم غدیر خم حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان حضرت نے فرمایا۔

اسی شواہد التنزیل میں ابن عباس سے یہ روایت بھی کی گئی ہے کہ یہ آیت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے پس رسول نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہُ وعادِ من عاداہ

اس حدیث کو ابو اسحاق ثعلبی نے بھی ابن عباس سے روایت کی ہے اور بروایت اہلبیت سب سے زیادہ مشہور روایت امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کی اپنے نبی کو کہ اپنا جانشین علیؑ کو بنائیں حضرتؐ کو یہ خوف تھا کہ اصحاب کی ایک جماعت پر یہ امر شاق گزرے گا پس خدا نے یہ آیت نازل کی اور قوی دل بنایا حضور کو اس امر پر اور بتاکید کہا کہ اگر تم نے تبلیغ ترک کی اس امر کی جو تم پر نازل کیا گیا ہے یا تم نے اس کو پوشیدہ رکھا تو تم نے تبلیغ کا کوئی

کوئی کام انجام ہی نہ دیا۔

مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوا کہ یہ آیت فضیلت علیؑ میں غدیر خم کے روز نازل ہوئی اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ مولا بمعنی امام و خلیفہ ہے کیونکہ اس امر پر آنحضرت کو تہدید ہے کہ اگر ایسا نہ کیا تو گویا امر رسالت ہی کو انجام نہ دیا اور شر منافقین سے محفوظ رکھنے کے لیے خدا کا ضامن ہونا یہ سب باتیں دلیل ہیں اس کی کہ کسی ایسے امر اہم کی تبلیغ کرانی مقصود ہے جو لوگوں کے لیے اصلاح امور دین و دنیا سے متعلق ہے اور روز قیامت تک شرائع دین اس کی وجہ سے محفوظ رہیں گے اور ان میں تغیر و تبدل کو راہ نہ ہوگی نیز یہ امر لوگوں کی طبیعتوں پر شاق ہوگا۔

لفظ مولا کے معنی میں جو احتمالات لوگوں نے پیدا کئے ہیں وہ محض اس بنا پر ہے کہ لوگوں کے دلوں میں حضرت علیؑ کی طرف سے کینہ تھا مفسرین عامہ کا یہ کہنا کہ ان لم تفعل فما بلغت رسالته کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم نے ایک بات بھی تبلیغ کرنے سے چھوڑی تو گویا تبلیغ کی ہی نہیں۔ یہ کیسی خلاف عقل بات ہے کہ ایک امر کا تارک تمام امور کا تارک قرار پاجاتا ہے اور ایک فروگزاشت کی بنا پر تمام کوششوں کے اجر سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر یہ بھی نہیں بتایا جاتا کہ وہ ایک امر کیا تھا۔ از قسم اوامر و نواہی تمام امور کی تبلیغ حضرت فرما چکے تھے۔ ان میں سے کوئی امر باقی نہ رہا تھا سوائے تعین جانشین کے اور صرف یہ امر خلافت و امامت ہی ایک ایسا امر ہو سکتا ہے کہ اگر یہ باقی رہ جاتا اور اس کی تبلیغ نہ ہوتی تو حفظ قوانین شریعت کا آئندہ کوئی بندوبست نہ رہتا۔ اور قیامت تک اس قانون کے نفاذ کی صحیح صورت باقی نہ رہتی۔ پس اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے امر پر محمول کرنا سراسر تعصب و عناد ہے۔ فخر الدین رازی نے جو دس احتمال پیدا کیے ہیں ان میں سے ایک بھی اس تہدید کا سزاوار نہیں وہ دس احتمال

یہ ہیں۔

اوّل رجم و قصاص۔ دوسرے جب یہود اور دین اسلام کے متعلق ان کا استہزا تیسرے ازدواج کے دنیا اختیار کرنے کا خوف چوتھے زید اور زینب بنت جحش کا معاملہ پانچویں جہاد چھٹے کافروں کے معبودوں کو گالی نہ دینا تاکہ وہ خدا پر سب نہ کریں ساتویں مسلمانوں کو حجۃ الوداع کے موقع شرایع اور مناسک کی تعلیم آٹھویں کسی سفر میں درخت کے نیچے نازل ہوئی۔ نویں یہود و نصاریٰ سے آنحضرتؐ کے خائف ہونے کے بارے میں۔ دسویں فضیلت علیؑ ہیں۔

ارباب عقل و فہم ذرا غور کریں کہ امور مذکورہ بالا میں سوائے دسویں صورت کے اور کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں ہو سکتی جس پر کار تبلیغ کا انحصار ہو۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی تاکید و تشدید کے ساتھ اوّل صراحۃً تبلیغ کا حکم ہے دوسرے فما بلغت رسالته سے اس کا اظہار ہے کہ وہ امر بہت ہی اہم ہے تیسرے والله يعصمك من الناس سے حفاظت کا وعدہ۔ یہ تمام امور جب عند المفسرین مسلم ہیں تو پھر رازی کے پیش کردہ امور میں سے کونسا امر ایسا اہم ہو سکتا ہے جس پر یہ سب باتیں صادق آئیں۔

اب دوسری آیت پر غور کیجئے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورہ المائدہ ۵/۳)

علامہ مجلسی نے حسکانی وغیرہ سے بروایت ابوسعید خدری نقل کیا ہے کہ روز غدیر مجمع منتشر نہ ہونے پایا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا میں خدا کی حمد کرتا ہوں دین کے کامل بنانے اور نعمت کے تمام کرنے اور میری رسالت اور علیؑ کی

ولایت پر اور ایک روایت ہے کہ یہ آیت بھی نازل ہوئی الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشود (آج کافر مایوس ہوگئے تمہارے دین کے باطل کرنے سے یعنی دین کی حفاظت کرنے والے خدا کی طرف سے معین ہوگئے پس دشمنان اسلام اپنی کامیابی سے مایوس ہوگئے پس ان سے مت ڈرو مجھ سے ڈرو۔

سیوطی نے در منثور میں ابن مردویہ، ابن عساکر اور ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب ۱۸ ذی الحجہ روز غدیر حضرت رسولخداؐ نے فرمایا من کنت مولاہ فھذا علیؑ مولاہ تو یہ آیت نازل ہوئی اور صاحب جامع الاصول نے صحیح مسلم سے روایت کی ہے کہ طارق بن شہاب سے مروی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت عمر سے کہا اگر ایسی آیت ہم گروہ یہود پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم ضرور اس دن کو روز عید قرار دیتے۔

بخاری اور مسلم نے اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع میں شب عرفہ نازل ہوئی اور سیوطی نے اتقان میں محمد بن کعب سے روایت کی ہے کہ سورۂ مائدہ حجۃ الوداع میں مکہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئی اور اسی سورہ کی ایک آیت ہے الیوم اکملت لکم دینکم اور ابن مردویہ اور ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ یہ آیت غدیر خم میں نازل ہوئی اور ابو ہریرہ سے بھی یہی مروی ہے روایت میں یہ اختلاف محض اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ واقعہ غدیر کی اہمیت کو ختم کر دیا جائے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا تعین چونکہ اقوام عرب پر عموماً اور خلافت کے خواستگاروں پر نہایت شاق تھا لہٰذا عجیب و غریب چالوں سے کام لیا گیا۔ جن مسلمانوں کے اباء و اخوان اور اولاد اقارب کو حضرت علی علیہ السلام نے غزوات میں قتل کیا تھا وہ اپنے سینوں میں حضرت علیؑ کی طرف سے کینوں کو چھپائے ہوئے تھے اور بدلہ لینے کی فکر میں تھے اور یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا جب تک خاندان رسالت سے حکومت کو ہٹایا نہ جائے اور اس کو نہیں

ہٹایا جاسکتا تھا جب تک قرآن وحدیث کے مفہوم کو بدلا نہ جائے اور ان کا مصداق علیؑ کے سوا اور کسی کو قرار نہ دیا جائے۔

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوم کے ارادوں سے اچھی طرح باخبر تھے لہٰذا آپ کو اعلان جانشینی امیر المومنینؑ میں اس وجہ سے تامل ہو رہا تھا کہ یہ سازشی گروہ اس اعلان کے بعد اپنے قدیم دین کی طرف پلٹ نہ جائے اور کوئی ایسا فتنہ برپا نہ کردے جو دین کی تباہی و بربادی کا باعث بن جائے لیکن جب خدا نے تاکیدی حکم بھیجا اور حضرت کی حفاظت کا ضامن ہوا تو آپ نے حج آخر سے واپسی پر غدیر خم کے میدان میں اس کا اعلان فرمایا۔

ہم حذیفہ کی زبانی اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

خداوند عالم نے اپنے رسول پر وحی کی کہ وہ حج کے لیے مکہ جائیں پس آپ کے حکم سے ایک منادی نے ندا کی کہ اے مسلمانو آگاہ ہو کہ حضرت رسول خداؐ نے اس سال حج کرنے کا ارادہ کیا ہے تاکہ تمام مسلمانوں کو مناسک حج کی تعلیم دیں اور یہ سنت آپ کی قیامت تک دنیا میں جاری رہے۔ پس وہ لوگ جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے وہ سب کے سب ہجرت کے دسویں سال حج کے لیے آمادہ ہو گئے حضور ان سب کے ساتھ مع ازواج مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے یہ حج حجۃ الوداع تھا۔ جب حضرت نے مناسک حج کو ادا فرمایا اور ایام جاہلیت کی رسوم کو زایل کیا تو اس وقت جبکہ آپ مکہ میں موجود تھے جبریل امیں سورہ عنکبوت لے کر نازل ہوئے اور حضرت سے کہا پڑھیے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ○ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ

یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ (سورہ العنکبوت ۲ تا ۴/۲۹) کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے درانحالیکہ ان کی آزمائش نہ کی جائے گی۔ ہم نے ان لوگوں کی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں آزمائش کی ہے پس خدا ملاحظہ کرے گا ان لوگوں کی حالت کا جو جھوٹا دعویٰ ایمان کرتے ہیں کیا جو لوگ برے اعمال کرتے ہیں کہ وہ ہم پر سبقت لے جائیں گے۔ برا ہے جو حکم وہ کرتے ہیں۔

پس حضرت رسولؐ نے پوچھا اے جبریل وہ فتنہ کیا ہے۔ جبریل نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تم سے پہلے جس نبی کو بھی بھیجا اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے مرنے سے پہلے اپنی امت پر کسی کو اپنا خلیفہ بنائے جو اس کی قائم مقامی کرے اور اس کی سنتوں کو جاری رکھے۔ پس اس کے فرمانبردار راست گو اور اس کے مخالف دروغگو ہوتے ہیں دعوی ایمان میں۔ اے محمد اب تمہاری موت کا وقت قریب آگیا لہٰذا خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ اپنے بعد اپنی امت پر اپنا جانشین علی بن ابی طالب کو بناؤ اور لوگوں سے ان کے متعلق عہد لو۔ علی تمہارے بعد تمہاری امت اور تمہاری رعیت پر حکم ہیں پس جو لوگ اس حکم کی نافرمانی کریں گے تو یہ وہ فتنہ ہوگا جس کا ذکر ان آیات میں ہے جن کی میں نے تلاوت کی اور اللہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ جو اس نے آپ کو تعلیم دی ہے آپ اس کی تعلیم علی کو دیں کیونکہ وہ امین و مومن ہے۔ اے محمد میں نے اپنے بندوں میں تمہارا انتخاب کیا اور علیؑ کو تمہارے لیے وصی قرار دیا۔ اس کے بعد حضرت نے علی علیہ السلام کو بلایا اور ایک دن اور ایک رات خلوت میں تعلیم دی اور علم و حکمت کے اسرار ودیعت فرمائے اور منشائے الٰہی سے آپ نے علی کا تعارف لوگوں سے کرایا۔ یہ خلوت کا وقت حضرت عائشہ کی باری میں تھا انہوں نے کہا آپ نے علی سے بڑی دیر خلوت

میں باتیں کیں حضرت نے ان کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ انہوں نے کہا آپ نے ایسا کیوں کیا حالانکہ جو کچھ میں نے کہا میرے حال کی درستی کے متعلق تھا۔ فرمایا یہ صحیح ہے لیکن یہ امر درستی احوال ہے ہر اُس شخص کے لیے جو ایمان لائے۔ میں خدا کی طرف سے مامور ہوا ہوں تمام لوگوں کو اس طرف دعوت دینے کے لیے اور عنقریب تم جان لوگی اس کی ضرورت کو جب میں دعوت دوں گا سب لوگوں کو اس کی طرف۔ عایشہ نے کہا آپ اسی وقت مجھے خبر دیجئے اس امر کے متعلق تاکہ میں سبقت کروں اس عمل میں فرمایا بہت جلد تم کو آگاہی ہوگی پس محفوظ رکھنا اس امر کو تاکہ خدا تیری حفاظت کرے دنیا و آخرت میں اور تیرے لیے سبب فضیلت ہو اور اگر تو نے افشائے راز کیا اور ترک کی رعایت اس امر کی جو میں بتاتا ہوں تو اپنے پروردگار کا کفران نعمت کرنے والی ہوگی اور تیرا اجر محو ہو جائیگا اور زیاں کاروں میں سے ہو جاؤ گی۔ پھر فرمایا اب میری عمر قریب ختم ہے اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ہدایت خلق کے لیے علی کو اپنا قایم مقام بناؤں اور جس طرح مجھ سے پہلے پیغمبر اپنا جانشین بناتے رہے ہیں میں بھی علی کو اپنا وصی بنا دوں۔ اور اپنے رب کے حکم پر عمل کروں۔ یہ راز اپنے دل میں اس وقت تک رکھنا کہ خدا مجھے اس کے اعلان کا حکم دے۔

لیکن یہ راز مخفی نہ رہ سکا عایشہؓ نے حفصہؓ سے بیان کر دیا اور دونوں نے مل کر اپنے اپنے اعزہ کو آگاہ کیا کہ محمد امر خلافت کو اپنے اہلبیت سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں کسریٰ اور قیصر کے طریقہ پر۔ اگر یہ معاملہ علیؑ کے سپرد ہو گیا تو پھر تم کو زندگانی دنیا کا کوئی حق اور لطف حاصل نہ ہوگا۔ محمد تم سے ظاہری اسلام کا سا معاملہ کرتے رہے اور اس کے بعد علیؑ تم سے ویسا ہی معاملہ کریں گے جیسا تمہارے حالات کا تقاضا ہوگا۔ پس تم اس معاملہ میں غور و فکر سے کام لو اور تم کو اپنے لیے جو بات بہتر نظر آئے وہ کرو۔

اس کے بعد لوگوں نے اس پر غور کیا اور اپنے مقام پر یہ طے کر لیا کہ اس ارادہ کو وقوع پذیر نہ ہونے دیں گے۔

الغرض حضرت مکہ میں قیام کے بعد مدینہ کی طرف اس خیال سے روانہ ہوئے کہ وہاں پہنچ کر خلافت علیؑ کا اعلان کریں راہ میں جبریل امیں سورہ حجر لے کر نازل ہوئے اور کہا یہ آیات پڑھیے لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ (سورہ الحجر ۹۲ تا ۹۵/۱۵) (البتہ ہم پرسش کریں گے لوگوں سے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ پس جس امر پر تم مامور ہو اس کو ظاہر کر دو اور مشرکوں کی طرف سے روگردانی کرو ہم استہزا کرنے والوں کے شر کو تم سے دفع کر دیں گے اس کے بعد حضرت نے اس سفر کو اور زیادہ جلد طے کرنا چاہا تاکہ جلد از جلد مدینہ پہنچکر اس ارادہ کو پورا کریں۔ چوتھے روز پھر جبریل امیں آیہ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (سورہ المائدہ ۵/۶۷) لے کر نازل ہوئے حضرت نے فرمایا اے جبریل کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ میں کس تیزی سے مدینہ کی طرف بڑھ رہا ہوں تاکہ شاہد اور غائب پر ولایت علی کو فرض قرار دوں۔ جبریل نے کہا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ کل جب تم منزل پر اترو تو ولایت علیؑ کو فرض قرار دو۔ حضرت نے فرمایا انشاء اللہ کل میں اس فرض کو انجام دوں گا۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت مسلمانوں کو کوچ کا حکم دیا۔ سب حضرت کے ساتھ روانہ ہوئے جب مقام غدیر خم پر پہنچے تو حضرت نے بجماعت نماز ادا کی اور ولایت مولا علیؑ کا اعلان کیا۔

جب اس اعلان کے بعد آنحضرتؐ مع اصحاب آگے بڑھے اور دن تمام ہو کر رات آئی تو عقبہ ہرشی کے قریب پہنچے تو یہ واقعہ پیش آیا کہ کچھ منافق آگے بڑھ گئے تھے اور گھاٹی کے پیچیدہ مقامات پر چھپ رہے تھے اور چمڑے کے ڈھولوں میں سنگریزے بھر لیے تھے

تاکہ لڑھکاتے وقت آواز نکلے اور حضرت کا ناقہ بھڑک جائے اور آنحضرتؐ ناقہ سے گر کر ہلاک ہو جائیں۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ حضرت نے مجھے اور عمار کو بلایا اور حکم دیا کہ وہ ناقہ کو پیچھے سے ہنکائیں اور میں اسے آگے سے کھینچوں پس جب حضورؐ کی سواری عقبہ پر پہنچی تو رات کی تاریکی میں منافق اپنی اپنی جگہ سے نکلے اور چمڑے کے ڈھولوں کو لڑھکایا جب لڑھکتے ہوئے حضرت کے ناقہ کے قریب آئے تو حضرت کا ناقہ بھڑکا قریب تھا کہ حضرت گر پڑیں اور سخت چوٹ کھا جائیں پس آپ نے ناقہ سے فرمایا کہ خبردار میں تیری پشت پر ہوں۔ یہ سنتے ہی ناقہ ٹھہر گیا حذیفہ کہتے ہیں کہ جب منافقوں نے دیکھا کہ یوں کام نہیں چلا تو اس شب تار میں منہ پر ڈھانٹے باندھے ہوئے آگے بڑھے تاکہ حضرت کے اونٹ کو اپنے ہاتھوں سے گرا دیں۔ حذیفہ کہتے ہیں ہم نے یہ دیکھ کر ان کے منہ پر تازیانے مارنے شروع کیے پس وہ مایوس ہو کر بھاگے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ یہ کون لوگ ہیں جنہوں نے ایسا فاسد ارادہ کیا۔ فرمایا یہ لوگ منافق ہیں دنیا اور آخرت میں۔ میں نے کہا پھر حضور کچھ لوگوں کو حکم دیجئے کہ ان کے سر کاٹ لائیں۔ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان سے روگردانی کروں اور برا سمجھوں اس امر کو کہ لوگ کہیں کہ محمد نے پہلے تو لوگوں کو اپنے دین کی طرف دعوت دی اور جب انہوں نے دعوت کو قبول کیا اور مسلمان ہو گئے تو ان کی مدد سے دشمنوں پر غلبہ حاصل کیا۔ بعد اس کے خود ہی ان کو اپنی تلوار سے ہلاک کر دیا۔ اے حذیفہ ان کے حال پر ان کو چھوڑ دو بہت جلد خدا کا عذاب ان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

میں نے عرض کی یارسول یہ لوگ کون ہیں مہاجرین میں سے ہیں یا انصار میں سے ہیں حضرت نے ان سب کے نام مجھے بتا دیئے بعض نام ان لوگوں کے بھی تھے جن کا اس

جماعت میں شریک ہونا مجھے ناگوار ہوا۔ حضرت سے ان کے نام سُنکر میں دم بخود رہ گیا حضرت نے فرمایا اے حذیفہ کیا تمہیں شک ہے ان لوگوں کے بارے میں جن کے نام میں نے لیے ذرا اپنا سر اٹھا کر ان چٹانوں کی طرف دیکھو۔ میں نے ادھر نگاہ کی ناگاہ بجلی چمکی تمام اطراف روشن ہو گئے اور اتنی دیر یہ روشنی رہی کہ میں سمجھا سورج نکل آیا۔ پس میں نے ان کے چہرے دیکھ کر ایک ایک کو پہچان لیا یہ سب چودہ آدمی تھے۔ نو قریش سے اور پانچ انصار سے۔ انصار کے ایک جوان نے جس کو ان لوگوں کے نام معلوم کرنے کی جستجو تھی حذیفہ سے باصرار نام پوچھے انہوں نے سب کے نام بتا دیئے (ہم مصلحتاً نام ذکر نہیں کرتے سمجھنے والے سمجھتے ہیں)

اس کے بعد جب اس گھاٹی سے پار ہوئے تو صبح ہو گئی تھی۔ حضرت اپنی سواری سے اُترے۔ وضو کیا اور اپنے اصحاب کا انتظار کرنے لگے۔ جب سب جمع ہوئے تو حضرت نے بجماعت نماز ادا کی جب فارغ ہوئے تو آپ نے فلاں فلاں کو آواز دی دیکھا کہ وہ ایک دوسرے سے مشورہ کر رہے ہیں۔ حضرت نے مکدر ہو کر حکم دیا کہ منادی ندا کرے کہ تین آدمی ایک جا جمع نہوں۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؑ کی ولایت و خلافت لوگوں پر اس درجہ شاق تھی کہ وہ آنحضرتؐ کو ہلاک کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ایسی صورت میں یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ غدیر خم کے اعلان کو واجب التعمیل جانتے۔

علی بن ابراہیم قمی نے آیہ ذیل کے متعلق اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ یحلفون باللہ ما قالو ولقد قالوا کلمتہ الکفر وکفروا بعد اسلامھم وھموا بما لم ینالوا ھموا بمالم ینالو یہ آیت نازل ہوئی ہے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے حلف کیا کعبہ میں اس بات پر کہ اس امر کو نہ جاری کریں گے بنی ہاشم میں یہ کلمہ کفر ہے پھر بیٹھے

وہ آنحضرتؐ کی گھات میں عقبہ میں اور آنحضرتؐ کے قتل کا ارادہ کیا لیکن اس ارادہ میں ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ یہی معنی ہیں همّوا بمالم ينالو کے

تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب غدیر خم میں حضرت رسولخداؐ نے فرمایا جو کچھ فرمایا پس لوگ اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے مقداد رضی اللہ عنہ کا گزر ایک جماعت کی طرف سے ہوا جو کہہ رہے تھے جب آنحضرتؐ کی موت قریب آئی اور زندگی کے دن ختم ہوئے تو چاہتے ہیں کہ اپنے بعد علی بن ابی طالب کو ہم پر حاکم مقرر کریں۔ بخدا وہ جان لیں گے کہ اس کام کا انجام کیا ہوگا۔ مقداد نے آنحضرتؐ کو اس گفتگو کی خبر دی۔ حضرت نے ان کو وقت نماز جمع ہونے کا حکم دیا آپس میں کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ مقداد نے ہماری باتوں کی خبر دی ہے پس ہم کو چاہیے کہ قسم کھا کر انکار کر دیں۔ جب حضرت کا سامنا ہوا تو کہنے لگے ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ ہم اسی خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں جس نے آپ کو مبعوث برسالت فرمایا ہے کہ جو کچھ آپ نے سنا ہے ہم نے ہرگز نہیں کہا پس حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا، وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ (سورہ التوبہ ۹/۷۴)

اس قسم کی اور بھی بہت سی روایات پائی جاتی ہیں۔ اہلسنت نے اس قصہ کو اس عنوان سے ذکر نہیں کیا بلکہ اس آیت کی شان اور عقبہ کے واقعہ کو غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت لکھا ہے چنانچہ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ قصد کیا انہوں نے قتل رسولؐ کا لیکن کامیاب نہ ہوئے واقعہ یہ تھا کہ پندرہ آدمیوں نے یہ صلاح کی کہ غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت آنحضرتؐ کو سواری سے گرا دیں۔ عمار یاسر حضرت کے ناقہ کی باگ آگے سے کھینچتے تھے اور حذیفہ پیچھے سے ہانکتے تھے۔ اسی اثنا میں حذیفہ نے اونٹوں کے قدموں کی آواز اور ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹ سُنی۔ حضرت نے فرمایا پکڑو پکڑو ان دشمنان خدا کو۔ پس وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ عبداللہ بن ابی کو اپنا سردار بنائیں اور مومنین کو مدینہ سے نکال دیں۔

صاحب روضۃ الاحباب ۹ھ کے واقعات میں ان معجزات کے سلسلہ میں جو غزوۂ تبوک کی آمد و رفت میں ظہور پذیر ہوئے لکھتے ہیں کہ وقت مراجعت ایک معجزہ کا اظہار ہوا آنحضرتؐ نے عقبہ کے قریب پہنچکر ندا کرائی کہ جب تک حضورؐ کی سواری عقبہ سے نہ گزر جائے کوئی شخص عقبہ پر نہ جائے۔ پس حضرت عمار و حذیفہ کے ساتھ گھاٹی پر چڑھے حذیفہ مہار شتر پکڑے تھے اور عمار پیچھے سے ہنکا رہے تھے۔ حذیفہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ بارہ یا چودہ سوار ہماری طرف بڑھے۔ میں نے حضرت سے بیان کیا۔ حضرت نے ڈانٹا تو وہ سب بھاگے۔ مجھ سے فرمایا ان کو تم نے پہچانا۔ میں نے کہا نہیں انہوں نے اپنے چہرے چھپا لیے تھے فرمایا یہ وہ گروہ ہے جو قیامت تک منافق رہے گا۔ تم نے سمجھا بھی یہ کیا کرنا چاہتے تھے۔ میں نے کہا نہیں فرمایا یہ چاہتے تھے کہ میرے اونٹ کو بھڑکا دیں تاکہ میں گر پڑوں اور یہ لوگ مجھے قتل کر ڈالیں میں نے کہا آپ ہر ایک کے قوم و قبیلہ میں یہ خبر بھیجدیجئے تاکہ وہ لوگ ان کے سر کاٹ کر بھیجدیں۔ فرمایا مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میرے متعلق عرب کہیں کہ محمدؐ نے ایک قوم کی مدد سے اپنے دشمنوں پر فتح پائی اب اسی قوم کو قتل کر رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ خداوندا تو ان کو زحمت و ہیلہ میں گرفتار کر۔ میں نے پوچھا زحمت و ہیلہ کیا ہے فرمایا شعلۂ آتش ہے جو ان کے دلوں میں پیدا ہو کر ان کو ہلاک کرے گا۔

اس کے بعد حضرت نے ان کے نام اور ان کے باپ کے نام عمار اور حذیفہ کو بتائے اور فرمایا اس کا اظہار نہ کرنا اور ان لوگوں کو رسوا نہ کرنا۔

بیہقی اور دیگر علمائے اہلسنت نے اس واقعہ کی تصدیق کی ہے لیکن اس واقعہ کو تبوک سے واپسی کے موقع پر بیان کیا ہے جو علمائے امامیہ کی تحقیق کے خلاف ہے لیکن منافقوں کی حالت اور حذیفہ کو ان سب کے نام معلوم ہونا مشترک ہے۔ پس اب حسب ذیل سوالات جواب طلب ہیں۔

(۱) ایسا ناپاک منصوبہ ان لوگوں نے کیوں بنایا؟

(۲) رسول سے اس درجہ عداوت کا کہ حضرت کے قتل کے درپے ہوئے کیا سبب تھا؟

(۳) جب مخصوص صحابہ کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو انہوں نے جمع ہو کر حضورؐ سے ان کے نام مصر ہو کر کیوں نہ پوچھے اور ان کے قتل کے درپے کیوں نہ ہوئے۔

(۴) منافقوں کا یہ گروہ کیونکر اس طرح چھپا کہ ان کی سازش کا پتہ نہ آنحضرتؐ کی زندگی میں چلا نہ بعد کو۔ آخر یہ کس طرح مخلصین کے گروہ میں گھل مل گیا۔

(۵) ایک دو نہیں پندرہ آدمیوں کے نام حضورؐ نے حذیفہ کو بتائے تھے۔ حذیفہ نے اگرچہ تعمیل حکم رسول ان کے نام نہ بتائے لیکن ناممکن ہے کہ حذیفہ کو ان سے خلوص باقی رہا ہو۔ پس حذیفہ کے برتاؤ سے ان لوگوں کا پتہ کیوں نہ چلایا گیا اور ان کو اس زبوں کرداری کی سزا کیوں نہ دی گئی۔

(۶) واقعہ کی نوعیت بتاتی ہے کہ یہ گروہ اس حد تک ذی اثر تھا کہ لوگ ان کا نام بتاتے اور ان کے خلاف ایکشن لیتے ڈرتے تھے۔

(۷) جو گروہ اتنا کر سکتا تھا کیا وہ واقعہ غدیر کی نوعیت کو نہیں بدل سکتا تھا عقبہ کا واقعہ آگے پیچھے نہیں کر سکتا تھا۔

(۸) بعض لوگ حذیفہ سے یہ کیوں پوچھتے تھے کہ میرا نام تو حضرت نے نہیں لیا تھا۔

ہم نے واقعہ غدیر کے خاص خاص پہلوؤں پر روشنی ڈالدی ہے۔ یہ واقعہ امامت منصوصہ پر حسب ذیل امور کے تحت روشنی ڈال رہا ہے۔

(۱) اعلان ولایت امیرالمومنین کا حکم پے درپے کئی بار نازل ہوا۔

(۲) مخالفت قوم کے خوف سے آپ اس اعلان میں تاخیر فرما رہے تھے۔

(۳) آخری حکم کی تاکید بتاتی ہے کہ رسالت کی ترویج کا بڑا دارومدار اس اعلان پر تھا۔

(۴) خدا نے آنحضرتؐ کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔

(۵) غدیر خم کے موقع پر یہ اعلان ہوا۔

(۶) عین نماز ظہر آفتاب کے وقت تپتی ہوئی زمین پر مسلمانوں کو روک کر یہ اعلان کرنا بتاتا ہے کہ بہت اہم اعلان تھا۔

(۷) پالان شتر کے منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کرنا اس غرض سے تھا کہ ہر شخص اعلان کرتے حضرت کو دیکھ لے اعلان کے الفاظ سن لے۔

(۸) الستُ اولی بکم من انفسکم فرما کر قوم سے اپنی اولویت کا اقرار کرانا اور پھر من کنتُ مولاہ فھذا علی مولاہ فرمانا اس کی واضح دلیل ہے کہ مولا بمعنی اولیٰ بالتصرف ہے نہ بمعنی دوست و ناصر۔

(۹) علیؑ کا بازو پکڑ کر اٹھانا اور سب کو ھذا علی مولاہ کہہ کر دکھانا اس کی دلیل ہے کہ حضرت حجت کو پوری طرح تمام کرنا چاہتے تھے تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ ہم علی کو پہچانتے نہ تھے یا ہم نے علیؑ سے یہ سمجھا کہ علیؑ عظیم یعنی خدا مراد ہے ھذا سے اشارہ کر کے بتا دیا کہ وہ علی نہیں یہ علی مراد ہے۔

(۱۰) خیمہ میں جا کر بیٹھنے کا حضرت علیؑ کو حکم دینا اور لوگوں کا جا جا کر بیعت کرنا یہاں تک کہ ازواج کا بھی بیعت کرنا اس کا ثبوت ہے کہ حضرتؐ نے اپنا جانشین حضرت علیؑ کو بنایا تھا۔

(۱۱) حضرت عمر کا مبارکباد دینا بھی اسی کا ثبوت ہے کہ انہوں نے بھی مولاؑ کے معنی اولیٰ بالتصرف

ہی سمجھے تھے ورنہ اگر دوست کے معنی لیے جائیں تو حضرت عمر کے اس قول کا اصبحت مولایَ وَمولا کل مومن و مومنہ کا مطلب یہ ہوگا کہ نہ آج تک حضرت عمر حضرت علی کے دوست تھے اور نہ حضرت علیؑ کسی مومن و مومنہ کے اور یہ صراحتہً غلط ہے۔

(۱۲) حسان بن ثابت کا اس موقع پر پرزور قصیدہ پڑھنا اور اس میں یہ کہنا کہ آپ امام وہادی ہوگئے اس کا ثبوت ہے کہ یہ اعلان خلافت تھا ورنہ قصیدہ خوانی کی ضرورت نہ تھی۔

(۱۳) یہ اعلان سُن کر حرث بن نعمان فہری کا غضبناک ہونا اور اپنے لیے نزول عذاب کی دُعا کرنا اس کی دلیل ہے کہ اس نے مولا کے معنی اولیٰ بالتصرف ہی سمجھے تھے۔

(۱۴) آنحضرتؐ کی وفات کے بعد امیر المومنینؑ کا خلافت کے بارے میں احتجاج کرنا اور واقعہ غدیر یاد دلانا اس کا واضح ثبوت ہے کہ واقعۂ غدیر خلافت سے متعلق تھا۔

چوتھی آیت

(امامت منصوصہ کے ثبوت میں)

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (سورہ التوبہ ۱۱۹/۹)

(اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ) اس آیت میں صادقین علی الاطلاق مراد ہیں اور ایسے صادق غیر معصوم نہیں ہوسکتے اور نہ خدا کے لیے یہ زیبا ہے کہ وہ غیر معصوم کی اطاعت مطلقہ کا حکم دے۔

مولانا طبرسی مجمع البیان میں فرماتے ہیں۔ پھر خدا نے مخاطبہ کیا ان مومنین سے جو تصدیق کرنے والے ہیں امر خدا کی اور اقرار کرنے والے ہیں نبوت محمد مصطفےٰ کا اور فرمایا

اے ایمان لانے والو خدا کی نافرمانی سے ڈرو اور اس سے پرہیز کرو اور ان لوگوں کے مذہب پر ہو جاؤ۔ جو صدق کا استعمال کرتے ہیں اپنے قول و فعل میں ان کی صحبت میں بیٹھو اور بہ نرمی اور مراعات ان سے پیش آؤ اور امور دین میں ان کی اقتدا کرو۔ سورہ بقر میں صادقین کے اوصاف یوں بیان کیے گئے ہیں۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (سورہ البقرہ ۱۷۷/۲)۔ ان صفات جلیلہ کا مصداق اور مطاع مطلق اور واجب الاتباع سوائے ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام کے دوسرا نہیں ہو سکتا۔

زمخشری کی کشاف میں ہے کہ صادقین سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو دین خدا میں صادق رہے از روئے نیت اور قول و عمل۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ وہ صادق ہوں اپنی قسموں اور عہدوں میں یا دین خدا میں از روئے نیت اور قول و عمل۔ اور یہ ظاہر ہے کہ صدق نیتوں اور ارادوں اور قول و عمل میں طاعت معبود کے پیش نظر مقتضی عصمت ہے اور ایسے لوگوں کا وجود ہر زمانہ میں لازم اور بالاتفاق امت محمدی میں کوئی معصوم نہیں، سوائے علی بن ابی طالب اور ائمہ اطہار کے تفسیر صافی میں کافی سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ صادقین سے مراد ہم ہیں اور مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ مع الصادقین سے مراد ہے مع آل محمد۔

مرزا محمد بدخشی نے مفتاح النجات میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ کونوا مع الصادقین سے مراد ہے مع علیؑ اور علی بن ابراہیم قمی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے

کہ صادقین سے مراد ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔

کتاب اکمال الدین میں امیر المومنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے وقت خلافت عثمان تمام مہاجرین و انصار کے مجمع میں فرمایا کہ میں تم سے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سلمان نے عرض کی یا رسول اللہ یہ آیت عام ہے یا خاص۔ فرمایا جن کو ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا ہے وہ عام مومنین ہیں اور صادقین سے مراد ہیں۔ میرے بھائی علی بن ابی طالب اور ان کے اوصیاء جو روز قیامت تک ہوں گے۔ کیا تم میں سے کسی نے نہیں سنا؟

ابن حجر نے صواعق محرقہ میں تحت آیہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا سورہ ال عمران ۳/۱۰۳ ثعلبی سے اور اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا یہ حبل اللہ جس کا ذکر اس آیت میں ہے ہم ہیں اس کے بعد لکھا ہے کہ آپ کے جد امام زین العابدین علیہ السلام جب آیہ كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ کی تلاوت فرماتے تھے تو ایک طویل دعا کرتے تھے جو مشتمل ہوتی تھی درجہ صادقین میں ملحق ہونے کی طلب پر اور درجات عالیہ پانے کی خواہش پر۔ لہٰذا صادقین میں داخل نہیں۔

ان دونوں آیتوں کی تفسیر سے واضح ہو گیا کہ صادقین اور حبل اللہ سے مراد ائمہ طاہرین کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا امام زین العابدین علیہ السلام کا کونوا مع الصادقین کی تلاوت کے وقت اس درجہ رفیعہ کے پانے کی آرزو کرنا بطریق تواضع تھا بارگاہ باری میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں خود پیغمبر آخر الزماں جو افضل انبیاء و مرسلین تھے ہمیشہ بارگاہ باری میں اپنے لیے درجات عالیہ پانے کی دعا فرمایا کرتے تھے۔

صادقین کی معیت سے مراد ہے ان کی معیت گفتار و کردار میں نہ کہ جسمی معیت کیونکہ

یہ بے فائدہ ہے۔ چونکہ اس آیت میں خطاب تمام امت سے ہے جو قیامت تک ہونے والی ہے لہٰذا ہر زمانہ میں ایک صادق کا ہونا ضروری ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس آیت میں صادقین سے مراد فی الجملہ نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ ہر شخص جو صرف ایک بار سچ بول دے اس کی اطاعت واجب ہو اور یہ بالاتفاق باطل ہے لہٰذا لازم آیا کہ صادق جمیع اقوال و افعال میں ہو اور ایسا شخص نہیں ہوگا مگر معصوم۔ اس سے ثابت ہوا کہ وجودِ معصوم ہر زمانہ میں ضروری ہے اور اس کی متابعت ہر مسلمان پر فرض۔

تفسیر درمنثور اور تفسیر ثعلبی میں ابن عباس اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ مراد صادقین سے محمد و علی ہیں اور امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ صادقوں سے مراد ہم عترتِ رسول ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صادقین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (سورہ الاحزاب ۲۳/۳۳) بعض مومنین ایسے بھی ہیں کہ جو ثابت قدم رہے اس عہد پر جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا پس بعض اس میں سے مر گئے اور بعض شہادت کا انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے نہ اپنے دین کو بدلا اور نہ اپنے عہد کو)

احادیث عامہ اور خاصہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت اہلبیت علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور مراد حمزہ و جعفر اور امیر المومنینؑ ہیں جنہوں نے عہد کیا تھا کہ جب تک قتل نہ ہوں رسول کی نصرت سے دست کش نہ ہوں گے۔ شہید ہونے والوں میں حمزہ اور جعفر ہیں اور انتظار موت کرنے والوں میں امیر المومنینؑ ہیں اور انہوں نے دین خدا میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ بعض مفسرین عامہ نے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا میں انتظار شہادت کر رہا ہوں اور میں نے

دین میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

زمخشری نے صادقین کے متعلق لکھا ہے یہ وہ ہیں جو سچے ثابت ہوئے اپنے ایمان میں اور اس معاہدہ میں جو اللہ و رسول سے کیا تھا ان ہی کی شان میں ہے صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ۔

فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حکم دیا ہے مومنوں کو کہ صادقوں کے ساتھ رہیں پس اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صادق ہر زمانہ میں موجود رہیں کیونکہ کسی شے کے ساتھ ہونا مشروط ہے اس کے وجود سے مراد صادقین سے اجماع امت ہے کیونکہ امت کا اجماع باطل پر نہ ہوگا اور یہ دلیل ہے اس پر کہ اجماع امت حجت ہے اور یہ آنحضرتؐ ہی کے زمانہ سے مخصوص نہیں کیونکہ یہ ثابت ہے کہ قرآنی خطابات متعلق ہیں تمام مکلفین سے روز قیامت تک اور آیت میں چونکہ تخصیص بعض ازمنہ کی نہیں لہٰذا اس کے حکم کا تعلق کسی خاص زمانہ سے ثابت نہیں اس کے علاوہ خدا نے تقویٰ کا حکم دیا ہے اور یہ اسی کے لیے ہو سکتا ہے جو صاحب تقویٰ نہ ہو اور خطا کا صدور اس سے جایز ہو پس یہ آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ جو جایز الخطا ہے اس پر واجب ہے پیروی کرنا اس کی جس کے لیے عصمت واجب ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے صادق کہا ہے اور اس کے لیے معصوم ہونا لازم ہے اور یہ نہیں ہے مگر تمام امت۔ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ معصوم امت کا ایک شخص ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ قول باطل ہے کیونکہ اگر ایسا ہے تو چاہیئے کہ ہم اسے پہچانیں کہ وہ کون ہے تاکہ اس کی پیروی کر سکیں اور جب اس کو پہچانتے ہی نہیں تو اس کی اطاعت کریں گے کیسے۔ یہ ہے خلاصہ رازی کی تحریر کا۔

ہمارا جواب۔ جب بقول رازی یہ ثابت ہے کہ ہر زمانہ میں معصوم کا ہونا

ہونا ضروری ہے خطا سے بچانے کے لیے تو یہ بات بعید از عقل ہے کہ ایسی حالت میں کہ ہر زمانہ میں امت محمدی مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے کسی کے لیے کیسے ممکن ہے کہ تمام علمائے امت کے اقوال کو حاصل کر سکے اور یہ پتہ چلا سکے کہ اس مسئلہ میں کسی نے خطا و مخالفت نہیں کی خصوصاً ایسی حالت میں کہ علمائے امت کی رائیں ہر مسئلہ میں مختلف ہیں اور اغراض نفسانی سے کام لیا جا رہا ہے امام رازی جن کو اپنے تجربہ کا بڑا دعویٰ ہے اور تمام علما سے بڑھ کر اپنے کو جانتے ہیں ان کو فرقۂ امامیہ کے دس مسئلے بھی صحیح طریقے سے معلوم نہیں چہ جائے کہ تمام فرق اسلامیہ کی ان کو معلومات ہو ایسی صورت میں اس قسم کے علما کا اجماع کیا فائدہ دے گا اور بالفرض اگر کوئی شخص تمام علما سے مل بھی لے اور سب کی سن بھی لے تو اس پر یقین کیسے حاصل ہوگا کہ جو کچھ کہا ہے وہ واقعی ہے ہو سکتا ہے کہ تقیہ میں کہہ دیا ہو جیسا کہ مذہب امامیہ میں جائز ہے اور اس کا یقین بھی کیونکر حاصل ہوگا کہ وہ مرتے وقت تک اسی عقیدہ پر قائم رہے ہیں۔

اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اسلام میں بہت سے فرقے ہیں اور سب کے مسلک جدا جدا ہیں پس کسی مسئلہ پر ان کا اجماع کس طرح ممکن ہے اور ایسی حالت میں ہر فرقہ والے کا اتباع کیونکر ہو سکے گا۔ شیعوں کے نزدیک ایسا اجماع باطل ہے جس میں معصوم داخل نہو۔ اگر بغیر معصوم ایک لاکھ آدمیوں کا بھی اجماع ہو جائے تو شیعوں کے نزدیک وہ باطل ہے کیونکہ خطا و غلطی جس طرح ایک سے ممکن ہے ہزار سے بھی ممکن ہے کیونکہ ہر ایک ان میں غیر معصوم ہے۔

رازی کو اس کا اقرار ہے کہ یہ آیت ہر زمانہ والوں سے متعلق ہے اور اس کا بھی اقرار ہے کہ تقوی کا حکم جائز الخطا لوگوں کو دیا گیا ہے اور جائز الخطا ہونے کی وجہ سے صادق معصوم کی پیروی لازم ہے پس اجماع فرضی جو نادر الوقوع ہے۔

اس کو بھی بہ سبب ہر فرد کے غیر معصوم ہونے کے بغیر معصوم کی طرف رجوع کیے چارہ کار نہیں۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ جن کو صادقین کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا ہے وہ غیر صادقین ہیں اور ایک دوسرے سے جدا ہیں پس تمام امت صادقین کیسے بن جائے گی لہٰذا صادقین کی تفسیر اجماع امت سے کرنا غلط ہے ورنہ مطیع اور مطاع کا ایک ہونا لازم آئے گا۔

زمخشری نے کشاف میں چند قول نقل کیے ہیں اوّل صادقین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچائی کا اظہار کیا دین خدا میں از روئے نیت از روئے قول اور از روئے عمل دوسرے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا سے جو عہد کیا تھا اسے پورا کیا۔ تیسرے مراد وہ تین شخص ہیں جنہوں نے توبہ کی یعنی ان کے ساتھ صدق و ثبات میں ہو جاؤ۔ چوتھے ابن عباس سے منقول ہے کہ خطاب کونوا مومنین اہل کتاب سے ہے یعنی مہاجرین و انصار کے ساتھ ہو جاؤ صدق و ثبات میں پانچویں مخاطبہ ہے ان لوگوں سے جنہوں نے تخلف کیا تھا غزوۂ تبوک میں طلقا گروہ میں سے۔ چھٹے ابن مسعود سے مروی ہے کہ روا نہیں ہے دروغ جد و ہزل دونوں میں نہ یہ کہ کوئی اپنے اطفال سے کسی چیز کے دینے کا وعدہ کرے اور اسے پورا نہ کرے۔ ایک مبصر پر ان تمام اقوال کی رکاکت ظاہر ہے۔

تفسیر بیضاوی اور تفسیر کبیر میں ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ صادقین یعنی نبی اور ان کے اصحاب کے ساتھ ہو جاؤ غزوات میں اور روگردانی کرنے والوں میں سے نہ بنو اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ابو بکر و عمر کے ساتھ ہو جاؤ۔ اور ضحاک سے مروی ہے کہ علی بن ابی طالب کے ساتھ ہو جاؤ۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جب ایک لفظ صادقوں کی اتنی تفسیریں ہیں تو اس اختلاف کو کون مٹائے اور امت کون سے قول پر عمل کرے اور کیوں کرے اگر کتاب خدا کافی ہے

تو اس اختلاف کو مٹاتی کیوں نہیں۔ اجماع ارباب حل و عقد اس کو دور کیوں نہیں کرتا۔

شیعوں کی تردید میں کہا جاتا ہے کہ جب ان کے امام کو ہم پہچانتے ہی نہیں تو ساتھ ہونا کیسے ممکن ہے۔ یہ بات بالکل ایسی ہی ہے جیسے اہل کتاب کہتے ہیں کہ نبوت حضرت رسولِ خدا باطل ہے اگر حق ہوتی تو ہم ان کو پہچان لیتے یا یہود کہتے ہیں کہ اگر عیسیٰ حق پر ہوتے تو ہم ان کو ضرور جانتے۔ حالانکہ صورت یہ ہے کہ نہ جاننا ان کے تصورِ فہم باعث ہے اگر وہ تعصب کو چھوڑ دیتے اور دلایل و آثار میں غور و فکر کرتے تو حق ان پر ظاہر ہو جاتا۔ حق ضرور ان پر ظاہر ہو گیا ہے مگر حبِ دنیا چونکہ غالب ہے اور اغراض آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اس لیے حق کا اظہار کرتے نہیں۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ سے کسی نے سوال کیا کہ آیہ کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِین کس کی شان میں نازل ہوئی ہے جواب میں فرمایا کہ حضرت امیرالمومنینؑ کی شان میں اور کا حکم ان کی اولاد امجاد میں جو پیشوایان دین ہیں جاری ہوا ہے اس بارے میں بیشما احادیث ہیں اور سیاق آیت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا لوگوں کو کہ صادقوں کے ساتھ رہیں اور ان سے جدا نہوں اور جن لوگوں کو حکم دیا ہے وہ یقیناً ان کے غیر ہیں جن کی متابعت کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ ایک شخص کو خود ہی اس کی اپنی متابعت کا حکم دیا جائے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صادقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہر بات میں صادق ہوں نہ کہ بعض میں۔ کیونکہ یوں تو ہر مومن باعتبار ایمان صادق ہے اور اس دعویٰ میں راست گو ہے۔ اور اگر ان کے بعض مراد ہیں یا بعض معہو معلوم مراد ہیں کیونکہ الصادقین پر الف لام عہد خارجی کا ہے یا یہ کہ بعض غیر معہود مراد ہیں تو بنا بر اول کے وہ جماعت معلوم و معروف ہونی چاہیے اور مخاطبوں کو انہیں پہچاننا چاہیے

اور روایات ان کے نام و نسب کے متعلق ہونی چاہئیں اور لوگوں کو انہیں سننا چاہیے پس اس جماعت کے سوا جو دعویٰ کرے وہ باطل ہوگا کیونکہ دوسرے کے لیے یہ مراتب ثابت نہیں نیز خود اہلسنت کو اس کا اعتراف ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے زمانہ میں کسی معیّن نہیں کیا لہٰذا یہ لوگ معہود نہیں ہوسکتے اور اگر بعض غیر معہود مراد ہوں تو ان بعض کی تعیین و تخصیص ہونی چاہیے ورنہ امر مجہول کی تکلیف لازم آئے گی۔ یہ تو معلوم ہے کہ ہمارے ائمہ کے سوا کسی کی تعیّن و تخصیص نہیں ہوئی لہٰذا ان کے سوا صادقین سے مراد دو ا ہو ہی نہیں سکتا۔

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ ثابت ہوگیا کہ صادقین سے مراد آئمۂ معصومین ہیں اور ان کے ساتھ رہنے کا فائدہ نجات آخرت ہے۔ اسی مفہوم کو بالفاظ دیگر حدیث سفینہ میں بیان کیا گیا ہے مثل اهلبیتی کمثل سفینة نوحٍ مَن رکبها نجیٰ وَمَن تخلف عنها غرق و هوی ۔ یہ نجات کی صورت اسی وقت ہوسکتی ہے جب یہ معیت ایسے لوگوں سے ہو جو معصوم ہیں چونکہ آیت میں مطلق متابعت کا حکم ہے لہٰذا غیر معصوم مراد ہونے کی صورت میں معاصی میں بھی اطاعت لازم آئے گی اور یہ خلاف عقل ہے اور اس صورت میں نجات ناممکن ہوگی۔

صادقین کے جو اوصاف قرآن میں مذکور ہیں وہ سب من حیث المجموع سوا جناب امیر اور کسی میں نہیں پائے جاتے۔

اور وہ یہ ہیں (۱) ایمان باللہ (۲) ایمان روز قیامت پر (۳) ایمان ملائکہ پر (۴) ایمان کتاب پر (۵) ایمان نبیوں پر (۶) خدا کی محبت میں مال دینا (۷) ذوی القربیٰ کو (۸) یتیموں کو (۹) مسکینوں کو (۱۰) مسافروں کو (۱۱) سائلوں کو مقروضوں کو (۱۲) نماز کو قائم کرنا (۱۳) زکوٰۃ کا دینا (۱۴) عہد کا وفا کرنا (۱۵) صبر کرنا فقر و بدحالی اور

جنگ میں یہ لوگ سچے اور متقی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان خصلتوں میں ان صادقین کا اتباع کرو۔

اب رہا مذکورہ بالا امور پر امیر المومنین علیہ السلام کا ایمان اور عمل تو اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اللہ۔ روز قیامت اور رسول کی رسالت وغیرہ پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ خاصہ اور عامہ کی روایات شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اور آپ کی دعوت کو قبول کرنے والے علی علیہ السلام ہیں۔ حضرت رسولخداؐ نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا میں نے تیری تزویج کی ہے اس شخص سے جو اسلام میں صحابہ سے سابق تر ہے اور میری اطاعت میں سب سے زیادہ اور امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خدا کا بندہ اور رسول کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں میرے بعد اس کا کوئی دعویٰ نہ کرے گا مگر کاذب و مفتری میں نے سب سے سات سال پہلے رسول کے ساتھ نماز پڑھی۔ علیؑ کا سا ایمان کس کو نصیب کبھی آنِ واحد کے لیے شک آپ کے دل میں آیا ہی نہیں۔ علیؑ کے ایمان کا اسی سے اندازہ کرنا چاہیے کہ رسول نے جنگِ خندق کے موقع پر جب آپ عمرو بن عبد ود سے لڑنے کو نکلے تو حضرت رسولخداؐ نے فرمایا برز الایمان کله الی الکفر کله (آج پورا پورا ایمان پورے پورے کفر کے مقابل جا رہا ہے۔

اب رہا محبت خدا میں مال دینا تو اس پر سورہ دہر کی یہ آیت شاہد ہے وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (سورہ الدہر ۸/۷۶) تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت بلکہ پورا سورہ دہر علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی شان میں نازل ہوا ہے۔ دوسری آیت ہے اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

(سورہ البقرہ ۲/۲۷۴) (وہ لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے اموال رات اور دن میں مخفی اور علانیہ پس ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور ان کے لیے نہ خوف ہے نہ حزن) علمائے امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اور اس میں بھی اختلاف نہیں کہ جناب امیر نے اتنے غلام راہ خدا میں آزاد کیے جن کا شمار نہیں اور آپ نے بہت سے باغات اور زمینیں وقف کیں جن کو اپنی محنت سے سرسبز کیا تھا اور راہِ خدا میں اپنا مال کثیر دیا منجملہ اس کے وہ زکوٰۃ تھی جو راہِ خدا میں دی بحالتِ رکوع۔ رہا وفائے عہد تو صحابہ میں تو کوئی ایسا نہ تھا جس نے نقض عہد نہ کیا ہو اور آنحضرتؐ پر جاں نثاری سے گریز نہ کی ہو۔ برخلاف حضرت علیؑ کے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی نصرت میں ہمیشہ اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالا اور سخت سے سخت مصائب کو برداشت کیا اور کبھی کسی جنگ میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھائی اور نہ کسی معرکہ میں بھاگے اور کسی دشمن سے ڈرے۔

خدا نے ان خصائل کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (سورہ البقرہ ۲/۱۷۷)۔ پس یہ ہیں وہ صادق جن کی معیت کا خدا نے حکم دیا ہے۔ چونکہ ہمارے تمام ائمہؑ ان صفات میں شریک ہیں لہٰذا صادقون کا لفظ بصیغہ جمع استعمال کیا گیا۔

تفسیر بیضاوی میں آیہ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (سورہ البقرہ ۲/۱۷۷) کے تحت میں لکھا ہے کہ اس آیت میں کمالاتِ انسانیہ کو جمع کیا گیا ہے اگرچہ وہ بکثرت ہیں لیکن اصولاً وہ تین حصوں میں تقسیم ہیں اوّل صحت اعتقاد دوسرے حسن معاشرت تیسرے تہذیب نفس۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کمال ایمان

علم وعمل کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا مگر معصوم کو پس اولئک الذین صدقوا سے اہلبیت کے سوا دوسرا مراد نہیں ہو سکتا یہی وہ صادقین ہیں جن کے اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مولانا طبرسی مجمع البیان میں فرماتے ہیں۔ ہمارے اصحاب نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس آیت میں صادقین سے مراد ہیں امیر المومنین علیہ السلام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ ان تمام خصائل کے جامع تھے اور ان کے سوا کسی غیر میں یہ سب باتیں نہیں پائی جاتیں۔ اسی لیے زجاج نے کہا ہے کہ یہ سب باتیں مخصوص ہیں انبیا علیہم السلام سے کیونکہ ان صفات کا اظہار کما حقہ انبیا کے سوا دوسرے سے ممکن ہی نہیں۔

اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ ائمہ اہلبیت کے سوا اور کوئی معصوم نہیں اور ان میں سے کوئی صادق علی الاطلاق اور مذکورہ صفات کا حامل نہیں ہے لہذا واجب الاتباع بھی نہیں ہو سکتا۔

سیوطی نے در منثور میں ابن عباس سے تفسیر آیہ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (سورہ الزمر ۳۹/۳۳) جو صدق کو لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی متقی ہیں) کے متعلق روایت کی ہے کہ صدق لانے والے حضرت رسولؐ ہیں اور تصدیق کرنے والے حضرت علیؑ ہیں لہذا متقی بھی وہی ہوئے۔

احمد حنبل نے آیہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۚ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ (سورہ الحدید ۵۷/۱۹) کی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں ہے۔ وہ ایمان لائے اللہ پر اور رسولوں پر اور وہ بڑے راست گو

ہیں اور تصدیق کرنے والے اور پیغمبر کے گواہ ہیں اس پر کہ انہوں نے تبلیغ رسالت کی ہے اور اس تصدیق کا اجر ان کے خدا کے پاس ہے اور ان کا نور صراط پر ہوگا پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (سورہ النساء ۴/۶۹) (جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والے ہیں وہ قیامت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اپنا انعام کیا ہے اور وہ انبیا ہیں صدیق ہیں اور شہدا اور صالحین ہیں اور وہ اچھے ساتھی ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صدیقوں کا مرتبہ شہدا و صالحین سے زیادہ ہے اور یہی درجہ مصداق امامت و وصایت ہے عامہ اور خاصہ نے بطرق متواترہ روایت کی ہے کہ اس امت کے صدیق علی بن ابی طالب ہیں۔ رازی نے تفسیر کبیر میں ثعلبی اور احمد بن حنبل نے مسند میں حضرت رسولخداؐ سے روایت کی ہے کہ صدیق تین ہیں حبیب نجار جو مومن آل یٰسین ہیں اور حزقیل جو مومن آل فرعون ہے اور علی بن ابی طالب جو اُن سے افضل ہیں اور ثعلبی نے بسند معتبر روایت کی ہے کہ سبقت کرنے والے تین ہیں جنہوں نے آن واحد کے لیے بھی کفر نہیں کیا وہ علی بن ابی طالب اور صاحب آل یٰسین اور مومن آل فرعون ہے یہ صدیق بھی ہیں اور علیؑ ان سے افضل ہیں۔ ابونعیم نے عباد بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ میں نے امیرالمومنینؑ کو یہ کہتے سُنا کہ میں صدیق اکبر ہوں نہ کہے گا میرے بعد اس کو مگر دروغگو اور مفتری۔ میں نے سب سے سات سال پہلے نماز پڑھی اور صدیق کا لفظ لغت اور عرف میں مرادف معصوم ہے یا اس کے نزدیک۔

صاحب صحاح نے کہا ہے کہ صدیق کے معنی ہیں دایم التصدیق اور وہ وہ ہے

جو اپنی گفتار و کردار سے تصدیق کرے اور حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کا وصف اس لفظ سے بیان کیا ہے۔ حضرت ادریس کی شان میں فرماتا ہے اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا (سورہ مریم ۱۹/۵۶) اور حضرت یوسف کے لیے ہے یُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ (سورہ یوسف ۱۲/۴۶) پس جو کوئی ان آیات کا مصداق اور ان صفات کا مالک ہو البتہ وہ امامت و خلافت کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

مرزا محمد بدخشی نے مفاتح النجا میں لکھا ہے اور طبرانی نے سلمان اور ابوذرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت کے متعلق یہ وہ ہے جو سب سے پہلے ایمان لایا اور یہ وہ ہے جو روزِ قیامت سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کرے گا یہ صدیق اکبر ہے یہ اس امت کا فاروق ہے جو حق کو باطل سے جُدا کرے یہ یعسوب المومنین اور قاتل ظالمین ہے اور نسائی نے عباد بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت علیؑ کو فرماتے سُنا انا الصديق الاكبر لا يقولها بعدى الا كاذب صليت قبل الناس سبع سنين

فاضل دہلوی نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے صدیق وہ ہے جس کی قوتِ نظری انبیا کی قوت نظری کی طرح کامل ہو اور ابتدائے عمر سے جھوٹ بولنا اور دورُخی بات کہنا اس کی شایانِ شان نہ ہو اور مقدمات دینی میں پورا پورا خلوص اس سے ظاہر ہو اور قطعاً ثبوت حظ نفس اس میں نہ پایا جائے اور علامت صدیق یہ ہے کہ اپنے ارادہ میں تردد نہ کرے۔ اور نماز میں چاہے کوئی مصیبت پیش آئے ہرگز کسی طرف التفات نہ کرے اور اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو اور کسی پر لعن نہ کرے اور علم تعبیر خواب اچھی طرح جانتا ہو۔" اگر نظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو یہ سب صفات حضرت علیؑ میں بدرجہ اتم پائی جاتی اور دوسروں میں ناقص صورت میں بھی نہیں ملتیں۔ فاعتبروا يا اولى الابصار

پانچویں آیت

امامت منصوصہ کے ثبوت میں

آیہ مباہلہ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (سورہ الِ عمران ۳/۶۱) (پس جو کوئی تم سے جھگڑا کرے عیسیٰ کے بارے میں اس کے بعد کے تمہارے پاس علم آچکا تو تم کہہ دو تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں۔ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر لعنت قرار دیں۔)

جب نصارائے نجراں نے لشکر اسلام سے جنگ کرنے کی قوت اپنے میں نہ پائی تو مناظرہ کا چیلنج کیا اور اپنے گروہ کے عقلمندوں اور مذہبی پیشواؤں کو آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا انہوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں بڑی غلو آمیز باتیں کیں حضرت نے ہر چند سمجھایا مگر وہ اپنی ہٹ پر جمے رہے آخر خدا کی طرف سے مباہلہ کا حکم ہوا۔

علامہ مجلسی نے حق الیقین میں بحوالہ تفسیر کشاف لکھا ہے کہ جب حضرت نے مباہلہ کی دعوت دی تو نصاریٰ نے کہا آپ ہمیں مہلت دیں تاکہ ہم اس معاملہ میں غور کرلیں اور کل آپ کو جواب دیں۔ اس کے بعد انہوں نے باہم مشورہ کیا اور اپنے عالم عبدالمسیح سے پوچھا کہ اس معاملہ میں تیری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا اے گروہ نصاریٰ میں سمجھتا ہوں کہ محمد نبی مرسل ہیں انہوں نے عیسیٰ کے بارے میں حجت قاطعہ تم سے بیان کردی جس قوم نے اپنے پیغمبر سے مباہلہ نہ کیا تو اس کے خورد و بزرگ سلامت رہے۔ اگر مباہلہ کروگے

تو روئے زمین پر ایک نصرانی بھی باقی نہ رہے گا اگر اپنے دین سے تمہیں محبت ہے اور اس پر باقی رہنا چاہتے ہو تو صلح کر لو اور اپنے شہروں کو لوٹ جاؤ۔

یہ سُن کر وہ حضرت رسولِ خداؐ کے پاس آئے۔ حضرت اپنے گھر سے اس طرح برآمد ہو چکے تھے کہ حضرت امام حسینؑ گود میں تھے اور امام حسنؑ کی اُنگلی پکڑے ہوئے تھے آپ کے پیچھے حضرت فاطمہؑ تھیں اور ان کے پیچھے حضرت علیؑ تھے۔ آنحضرتؐ ان سے فرماتے جاتے تھے جب میں بددُعا کروں تو تم آمین کہنا۔

ان کو آتا دیکھ کر اسقف نجراں نے کہا اے گروہ نصاریٰ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ کو جگہ سے ہٹا دے تو ضرور ہٹا دے گا ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور کوئی نصرانی روئے زمین پر باقی نہیں رہے گا۔

انہوں نے کہا اے ابوالقاسم ہم نے یہ طے کیا ہے کہ آپ سے مباہلہ نہ کریں گے آپ اپنے دین پر رہیں ہم اپنے دین پر۔ حضرت نے فرمایا اگر مباہلہ سے انکار کرتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ تاکہ ان رعایتوں میں شریک ہو جاؤ جو مسلمانوں کے لیے ہیں انہوں نے کہا ہمیں اپنا آبائی دین چھوڑنا منظور نہیں۔ حضرت نے فرمایا تو میں تم سے جنگ کروں گا انہوں نے کہا ہم آپ سے لڑ نہیں سکتے بلکہ آپ سے صلح چاہتے ہیں تاکہ آپ ہم سے نہ تو جنگ کریں نہ ہم کو جبراً مسلمان بنائیں ہم ہر سال آپ کو جزیہ میں دو ہزار حلے ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں دیا کریں گے اور ہر سال تیس زرہیں۔ حضرت نے ان سے صلح کر لی اور فرمایا بخدا اگر یہ مباہلہ کرتے تو یہ سب بندر اور سور کی صورت میں مسخ ہو جاتے اور این وادی ان کے لیے کرہ نار بن جاتی اور نجراں کے تمام نصرانی ہلاک ہو جاتے۔

ہمارے علماء نے بہت سی دلیلیں اس آیت کے تحت فضائل و امامت

اہل عصمت کے متعلق لکھی ہیں ہم سب سے پہلے صاحب تحفہ اثنا عشریہ کے خیالات لکھ
ان کے جوابات دینا چاہتے ہیں۔

صاحب تحفہ کی تحریر۔ آیہ مباہلہ کے سلسلے میں شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت اپنے گھر سے علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو نکلے لہٰذا معلوم ہوا کہ ابناءنا سے مراد حسنؑ و حسینؑ اور انفسنا سے مراد حضرت امیرؑ ہیں اور چونکہ کسی شخص کا اپنے نفس کو بلانا محال ہے لہٰذا جناب امیرؑ ہی نفس رسول ہوئے اور جب نفس قرار پائے تو فضل و اولیٰ بالتصرف ہونے میں مساوی رسول ہوئے اور اپنے غیر سے افضل ہوئے پس جو اولیٰ بالتصرف کے مساوی ہو وہ بھی اولیٰ بالتصرف ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں علمائے شیعہ کے منتشر بیانات ان کی کتابوں میں قابلِ دید ہیں۔ حضرت علیؑ کو مساوی رسول قرار دیا ہے حالانکہ غیر نبی مساوی نبی نہیں ہوتا

جواب۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ حق الیقین میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں انفسنا سے مراد نفس نبی نہیں لے سکتے کیونکہ کسی کو بلانا مقتضی مغائرت ہے کوئی شخص اپنے کو نہیں بلایا کرتا پس لامحالہ جس کو بلایا جائے گا وہ غیر ہی ہوگا اور باتفاق مخالف و موالف مباہلہ میں جانے والے علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے سوا کوئی نہ تھے پس ابناءنا و نساءنا و انفسنا سے ان کے سوا دوسرا مراد نہیں ہو سکتا لہٰذا انفسنا سے مراد علی علیہ السلام ہی ہیں۔

اب رہا مساوات کا معاملہ تو یہ ظاہر ہے کہ دو نفسوں میں اتحاد حقیقی تو محال ہے لہٰذا مساوات و اتحاد مجازی ہوگا اور اصول میں یہ مقرر ہو چکا ہے کہ حمل کرنا لفظ کا اقرب مجازات بحقیقت پر بہتر ہوتا ہے ابعد مجازات پر حمل کرنے سے اور اقرب مجازات مساوی ہونا ہے تمام امور میں اور شریک ہونا ہے تمام کمالات میں مگر جو دلیل سے

خارج ہو اور اجماع نے اس کا استثنا کر دیا ہو اور وہ نبوت ہے کہ علیؑ اس میں شریک نہیں۔ ہاں دیگر کمالات میں شریک ہیں اور منجملہ دیگر کمالات کے ایک کمال آنحضرتؐ کا یہ ہے کہ وہ افضل ہیں تمام پیغمبروں اور تمام صحابہ سے پس جناب امیرؑ بھی ان سے افضل ہیں۔

رازی نے لکھا ہے کہ اس پر اجماع صحابہ ہے کہ محمدؐ افضل ہیں علیؑ سے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ پیغمبر افضل ہوتا ہے غیر پیغمبر سے علیؑ چونکہ پیغمبر نہیں لہٰذا وہ پیغمبروں سے افضل نہیں ہو سکتے۔ لیکن رازی نے افضلیت امیر المومنینؑ بر صحابہ کے متعلق کچھ نہیں کہا گویا یہ افضلیت ان کو مسلم ہے اور اس مسئلہ میں لاجواب ہیں۔ اب رہا حضرت علیؑ کا انبیاء سے افضل نہ ہونا تو شیعہ اس اجماع کو قبول نہیں کرتے اور اہلسنت کا تنہا اجماع کوئی معنی نہیں رکھتا اور نہ جمیع امت کا اس پر اجماع کرنا تسلیم نہیں کیونکہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ جناب امیرؑ اور تمام ائمہؑ سوائے حضرت رسول خداؐ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ انہوں نے اس بارے میں متواتر اور متعدد احادیث اپنے ائمہؑ سے روایت کی ہیں۔ لہٰذا امامت جناب امیر علیہ السلام اس آیت سے بھی ثابت ہے اس لیے کہ کمالات محمدی میں سے امامت اور وجوب اطاعت بھی ہے۔ یہ غیر پیغمبر کے لیے جو معصوم نہو ثابت نہیں۔

علمائے سوادِ اعظم کو اس کا اقرار ہے کہ مباہلہ کے لیے آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو بلایا درانحالیکہ حضرت کے بہت سے رشتہ دار اور اصحاب موجود تھے یہ دلیل ہے اس کی کہ ان میں کوئی علیؑ کے مرتبہ کا نہ تھا ورنہ اس کو بھی ساتھ لے لیتے۔ کسی تاریخ سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ کسی نے مباہلہ میں چلنے کی خواہش حضرت پر ظاہر کی ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی کامیابی کا یقین نہ تھا اور نصاریٰ کی ریاضت، رہبانیت اور

عبادت سے مرعوب ہو رہے تھے اور یہ خدشہ تھا کہ اگر نصاریٰ کی بددعا سے عذاب آگیا تو ان پانچوں کے ساتھ ہم بھی لپیٹ میں آجائیں گے۔

جن لوگوں نے انفسنا کے تحت میں فاطمہؑ اور حسنین کو داخل کیا ہے وہ غلطی پر ہیں یہ تو ابناء نا و نساء نا میں داخل ہیں اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ انفسنا سے نفس رسول مراد ہے انہوں نے بھی دھوکا کھایا ہے کیونکہ کوئی شخص اپنے نفس کو نہیں بلاتا اور جب یہ ثابت ہے کہ اس گروہ میں علی کے سوا کوئی دوسرا موجود نہ تھا تو انفسنا سے علیؑ کے سوا کوئی دوسرا مراد ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ کہنا بھی درست نہیں کہ مباہلہ سے آنحضرتؐ کی غرض اپنے دین کی حقیقت کا اظہار تھا اور یہ اس کا مقتضی تھا کہ حضرت کے ساتھ کچھ ایسے لوگ ہوں جن پر آپ کی شفقت اور مہربانی زیادہ ہو اور آپ کے خاندان کے خاص افراد ہوں ورنہ منافق کہتے کہ اگر حضرت کو اپنے دین کی صداقت کا یقین ہوتا اور اپنے دعوی نبوت کو سچا جانتے ہوتے تو ضرور اپنے محبوب ترین اقارب کو اپنے ساتھ لے کر نکلتے۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو علیؑ کے ساتھ عقیل و عباس کو بھی ساتھ لے کر نکلتے اور جب ایسا نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ اس کا باعث شفقت اور خاندانی قربت ہی نہ تھی بلکہ وہ ان کا فضل و شرف تھا تمامی امت پر اور جب آنحضرتؐ نے علی علیہ السلام کو اپنا نفس قرار دیا تو ضروری ہوا کہ جو مدارج عالیہ آنحضرتؐ کو حاصل تھے وہ علی علیہ السلام کے لیے بھی تھے۔

صاحب تحفہ اثنا عشریہ نے بڑا زور اس بات پر دیا ہے کہ انفسنا سے مراد خود نفس پیغمبر ہے کیونکہ کلام عرب میں اپنے نفس کو دعوت دینا ثابت ہے جیسے کہتے ہیں دعوتُ نفسی الی کذا میں نے اپنے نفس کو فلاں امر کی طرف بلایا اور دعوتُ نفسی الیٰ کذا (میں نے اپنے نفس کو فلاں امر کی طرف بلایا) فطوّعت له نفسه' قتل اخیه اس

کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل پر آمادہ کیا امرت نفسی (میں نے اپنے نفس کو حکم دیا) اشاورت نفسی (میں نے اپنے نفس سے مشورہ کیا) پس ندع انفسنا کے معنی ہوئے ہم اپنے نفس کو حاضر کریں۔ اگر جناب امیر کو نفس پیغمبر قرار دیا جائے تو اس کے مقابل مصداق انفسکم کفار میں سے کس کو قرار دیا جائے گا جبکہ ندع کا صیغہ مشترک ہے دونوں میں لہٰذا معلوم ہوا کہ جناب امیرؑ ابناء نا میں داخل ہیں حقیقۃً نہیں بلکہ حکماً کیونکہ عرف میں داماد بھی بیٹا ہی ہوتا ہے۔ علاوہ بریں نفس کا لفظ قریب و ہم نسب اور ہم دین کے معنی میں بھی آیا ہے جیسے یخرجون انفسھم من دیارھم میں اھل دینھم مراد ہیں۔ چونکہ جناب امیرؑ اتصال نسب و قرابت و مصاہرت اتحاد دین و ملت اور کثرت معاشرت و الفت اس حد پر تھی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا علیٌّ منی و انا من علی ایسی صورت میں اگر نفس رسول کہا جائے تو کیا بے جا ہے لیکن اس سے مساوات لازم نہیں آتی۔

جواب۔ تعصب کا تو کوئی علاج نہیں ورنہ مشاہیر علمائے اہلسنت نے انفسنا کا مصداق امیر المومنینؑ کو قرار دیا ہے۔

سیوطی نے تفسیر دُر منثور میں لکھا ہے قال جابر انفسنا رسول اللّٰہ و علیؑ و ابناء نا الحسن و الحسین ونساؤنا فاطمۃ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں جناب امیرؑ کو انفسنا میں داخل لکھا ہے۔ رازی نے بھی یہی تفسیر لکھی ہے۔

فضل بن روزبہان جیسے متعصب نے لکھا ہے والمراد بالانفس ھھُنا الرّجال کانہ امرّ بانْ یجمع اولادہ ونسائہ ورجال اھلبیتہ فکان النساء فاطمۃ والاولادہ الحسن والحسین والرّجال رسول اللہ و علیؑ (نفس سے مراد یہاں مرد ہیں گویا حضرت کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ جمع کریں اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کو اور اپنے اہلبیت کے مردوں کو پس عورتوں میں فاطمہ تھیں، اولاد میں حسنؑ و حسینؑ اور مردوں میں حضرت

رسولخدا اور علیؑ۔

ابن حجر نے صواعق محرقہ میں دار قطنی سے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام یوم شوریٰ احتجاجاً فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں سے ازراہ قرابت مجھ زیادہ رسول اللہ سے قریب ہے اور تم میں کون ایسا ہے جس کے نفس کو رسو اپنا نفس اور جس کی اولاد کو اپنی اولاد اور جس کی نساء کو اپنی نساء کہا ہو۔ انہوں نے کہا قسم نہیں۔

جمیع جوامع الکبیر میں عمرو بن عاص سے منقول ہے کہ جب میں غزوہ ذات السلا سے واپس آیا تو میں نے رسول اللہ سے پوچھا آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ن ہے فرمایا عائشہ۔ میں نے کہا میں عورتوں کے متعلق سوال نہیں کرتا فرمایا اس کا باپ ابو بکر میں نے کہا اور ابو بکر کے بعد فرمایا حفصہ کو میں نے کہا میں عورتوں کو نہیں پوچھتا فرمایا اس کے بعد عمر کو میں نے کہا یا رسول اللہ اور علیؑ کہاں رہے۔ پس حضرت اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا یہ شخص مجھ سے میرے نفس کے متعلق سوال کر رہا ہے۔

ابو بکر نقاش نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے حضرت اس طرح برآمد ہوئے حسن کی انگلی پکڑے ہوئے تھے اور حسین کو گود میں لیے ہوئے اور علیؑ اور فاطمہؑ ان کے پیچھے تھے یہ فضیلت مخصوص ہوئی حسنؑ و حسینؑ سے تمام ابنائے اہلبیت رسول میں اور فا یہ فضیلت حاصل ہوئی تمام بنات رسول میں اور حاصل ہوئی یہ فضیلت علی علیہ السلام تمام اقارب رسول اور اہلبیت اور امت میں کیونکہ حضرت نے ان کو مثل اپنے قرار دیا۔

عبدالجبار معتزلی نے مغنی میں لکھا ہے کہ انفسنا سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔

جواہر العقدین میں عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ جب آنحضرتؐ نے مکہ فتح کیا تو طائف کی طرف لوٹے اور اس کا محاصرہ کرلیا جو سترہ یا انیس روز تک رہا اسی مدت میں آپ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا میں وصیت کرتا ہوں تم کو اپنی عترت کے ساتھ نیکی کرنے کی اور تمہاری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ کو ادا کرو ورنہ تم پر ایسے شخص کو مسلط کروں گا جو مجھ سے ہے اور مثل میرے نفس کے ہے تاکہ تمہاری گردن مار دے پھر علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا وہ یہ ہے۔

اسی طرح اور علمائے اہلسنت نے بھی لکھا ہے پس اگر کسی ایک نے یہ لکھ دیا کہ انفسنا سے مراد نفس رسول ہے تو یہ روایت شاذ ہوگی جو اجماع کے مقابل ساقط الاعتبار ہے۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ حق الیقین میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے اور علمائے عامہ اور خاصہ نے اس کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت آلِ عبا کی شان میں ہے چنانچہ صاحب مشکوٰۃ اور جامع الاصول وغیرہ میں سعد ابن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ جب آیہ مباہلہ نازل ہوئی تو حضرت رسولخداؐ نے علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو بلایا اور فرمایا اللّٰھم ھولاء اھلبیتی اور ترمذی نے اپنی صحیح میں عامر بن سعید سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ جب آیہ مباہلہ نازل ہوئی تو حضرت رسولخداؐ نے علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا اللّٰھم ھولاء اھلبیتی

رہا یہ امر کہ عرب میں دعوت نفسی کا محاورہ ہے اس لیے انفسنا سے مراد نفس رسول ہے نہ علیؑ تو اس کا جواب علامہ مجلسی نے حق الیقین میں یہ دیا ہے کہ اطلاق نفس کا مجازاً بہ نسبت دوسرے مجازوں کے زیادہ شایع ہے عرب و عجم میں عموماً بولا

جاتا ہے تو بمنزلہ جان منی (تو مثل میری جان کے ہے) خصوصاً جناب امیر کے بارہ میں یہ معنی بہت سی روایتوں میں بطریق خاصہ اور عامہ پائے جاتے ہیں چنانچہ صحاح ستہ میں منقول ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے امیرالمومنینؑ سے فرمایا انت منی و انا منك (تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے اور فردوس الاخبار میں روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا علیؑ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو سر کو بدن سے ہوتی ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ علی مثل میری روح کے ہے اور منافقوں کے ایک گروہ سے خطاب فرماتے ہوئے کہا نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو ورنہ میں تمہاری طرف ایسے شخص کو بھیجوں گا جو مثل میرے نفس کے ہے یعنی علی علیہ السلام۔ اس قسم کی بہت سی احادیث موجود ہیں جو سب قرینۂ مجاز ہیں۔

ہمارا یہ کہنا کہ کوئی شخص اپنے نفس کو نہیں بلاتا صحیح ہے کیونکہ دعوت نفس، علی الحقیقت ایک بے معنی بات ہے کیونکہ طالب و مطلوب اور داعی اور مدعو کا مغایر ہونا لازم ہے۔ اپنے نفس کو بلانا مجازاً ہوگا اور غیر کو بلانا حقیقت کہا جائے گا۔ مگر اپنے کو بلانا جو مجازاً ہے بغیر کسی قرینہ کے درست نہ ہوگا۔ جناب امیر کا انفسنا میں داخل ہونا کمال اتحاد کی بنا پر ہے۔ اگر پیغمبر خدا اور جناب امیر دونوں انفسنا سے مراد ہوں تو دو مجاز ہوں گے اور اگر حضرت تنہا مراد ہوں تب بھی دو مجاز غیر متعارف لازم آئیں گے ایک دعوت نفس میں اور دوسرا ابناء نا میں کیونکہ ابن کا اخلاق داماد پر کلام عرب میں غیر مشہور و متعارف ہے یہ جو کہا گیا کہ اگر انفسنا میں علی کو نفس رسول قرار دیا جائے تو پھر کفار میں سے کس کو نفس قرار دیا جائے گا تو ہم کہتے ہیں اگر ایسا ہے تو ابناء نا و انفسنا کا مصداق کفار میں کس کو قرار دیا جائے گا۔

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام داخل ابناء نا ہیں کیونکہ کسی نے

صحابہ میں سے آپ کو ابن رسول اللہ نہیں کہا البتہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو ضرور ابن رسول اللہ کہتے تھے۔ جناب امیرؑ کو تو لوگ برادر رسول کہتے تھے اور خود حضرت علیؑ بھی فرمایا کرتے تھے انا اخو رسول اللہ ۔ اگر بالفرض ابناء نا میں داخل ہوں تو بھی امیر المومنینؑ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اس صورت میں بھی ہمارا مقصود جو اثبات فضیلت ہے ثابت ہے۔

اگر داماد پر لفظ ابن بولا جاتا تو بعقیدۂ معترض عثمانؓ بھی تو داماد سمجھے جاتے ہیں داخل ابناء نا ہوتے اور مباہلہ میں ان کو بھی بلانا چاہیے تھا حالانکہ کسی نے بھی ان کا بلانا نہیں لکھا۔ سیوطی نے جو ایک روایت لکھی ہے وہ شاذ ہے اور معاویہ شاہی ٹکسال کا سکہ ہے۔

یہ کہنا کہ حسنین علیہما السلام حکماً داخل ابناء نا ہیں نہ کہ حقیقتاً۔ اسی طرح بنی امیہ اور بنی عباس بھی ابنیت سے انکار کرتے رہے اس کا جواب کافی کلینی اور احتجاج طبرسی میں یوں ہے کہ ابو جارود سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا لوگ حسنؑ اور حسینؑ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا وہ ان کے فرزند رسول ہونے سے انکار کرتے ہیں حضرت نے پوچھا پھر تم نے کیا جواب دیا۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کے بارے میں فرماتا ہے وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ (سورہ الانعام ۶/۸۴) كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (سورہ الانعام ۶/۸۵) اس آیت میں عیسیٰ کو ذریت ابراہیم میں قرار دیا ہے پس اگر لڑکی کی نسبت سے حضرت عیسیٰ ذریت ابراہیم میں داخل ہو سکتے ہیں تو حسنؑ و حسینؑ کیوں نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد میں نے آیہ مباہلہ پڑھی۔ امام یہ سن کر خوش ہوئے۔

فخر الدین رازی نے بھی تفسیر کبیر میں یہی دلیل بیان کی ہے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے

کہ حسنؑ و حسینؑ فرزندانِ رسول ہیں کیونکہ آنحضرتؐ نے اپنے فرزندوں کی جگہ ان کو لیا پس واجب ہے کہ وہ دونوں آپ کے فرزند ہوں بیٹی کے بیٹے، بیٹے کہلاتے ہیں بطور حقیقت نہ بطور مجاز اسمیں علمائے اسلام نے اختلاف کیا ہے مگر بہت سے علماء نے اس انتساب کو صحیح مانا ہے مثلاً فقال نے جو علمائے اہلسنت سے ہیں بیٹی کی اولاد کو نانا کی اولاد ماننا صحیح قرار دیا ہے اور صاحب تلخیص نے تو اس کو خصائص نبی میں سے لکھا ہے ابن حجر نے صواعق محرقہ میں صاحب تلخیص کا یہ قول نقل کیا ہے۔ قال اصحابنا ان من خصائصہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم انّ اولادَ بناتہ ینسبون الیہ صلعم و اولاد بنات غیرہ لا ینسبون الی جدّھم ابن حجر نے اس کے بعد لکھا ہے آنحضرتؐ کی خصوصیات سے ہے کہ وہ حسنین کے باپ ہیں اور وہ ان آنحضرتؐ کے بیٹے ہیں اور وقف علی الاولاد اور وصیت ان کے لیے ہے نہیں جائز ہیں ان کے غیر کے لیے یہ احکام۔

فقال کے نزدیک یہ خصوصیت نہیں بلکہ بیٹی کی اولاد اپنے نانا کی طرف منسوب ہوتی ہے بہرحال امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے اولاد رسول ہونے کا اقرار اکثر علما کو ہے۔

ابوالجارود سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کی کہ لوگ حسنینؑ کو ابنائے رسول بہ سبب بیٹی کی اولاد ہونے کے نہیں مانتے فرمایا اے ابوالجارود میں کتاب خدا سے ایک ایسی دلیل بتاتا ہوں کہ جس سے صلبی اولاد ہونا ثابت ہوتا ہے اور سوائے کافر کے کوئی اس سے انکار نہ کرے گا۔ میں نے کہا یا ابن رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ضرور فرمائیے۔ فرمایا خدا فرماتا ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ الی قولہ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ (سورہ النساء ۴/۲۳) یعنی حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں یہاں تک کہ فرمایا اور تمہارے بیٹوں کی بی بیاں جو بیٹے تمہارے صلب سے ہوں۔ پس مخالفوں سے پوچھو کہ آیا حلال ہے رسولخداؐ پر نکاح کرنا حسنین کی ازواج سے یا نہیں۔ اگر کہیں حلال ہے تو

جھوٹے ہیں اور اگر کہیں کہ حلال نہیں تو حسنین کا فرزند رسول ہونا ثابت ہو گیا قسم بجد رسولخدا پران کی ازواج کی تحریم نہیں مگر اس لیے کہ وہ صلبی ابنا کی ازواج ہیں۔

دوسرے اجداد مادری کے اصلاب کی طرف اولاد بنات کو نسبت نہ دینا غالباً اس وجہ سے ہے کہ ہمارے مخالف عورتوں کو ظرف محض اور نطفہ کو مختص صلب ماد سے سمجھتے ہیں حالانکہ اولاد زن و شوہر دونوں کے نطفوں سے ہوتی ہے آیات قرآنی اس پر وارد ہیں مثلاً يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ (سورہ الطارق ۸۶/۷) (منی نکلتی ہے صلب اور ترائب سے صلب مرد اور ترائب عورت سے دوسری آیت مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ (سورہ الدہر ۷۶/۲) ہے یعنی مرد و عورت کا مخلوط نطفہ۔ اگر نطفہ مرد غالب ہوتا ہے تو بچہ باپ سے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو ماں سے مشابہ ہوتا ہے۔

تیسرے ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کہا تم نے یہ کیونکہ جائز سمجھا ہے کہ خاص اور عام تم کو ابن رسول اللہ کہیں حالانکہ تم اولاد علیؑ ہو۔ ہر شخص اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا اگر نبی تمہاری لڑکی کو پیغام عقد دیتے تو تم اس کو قبول کرتے یا نہیں اس نے کہا میں ضرور قبول کر لیتا اور فخر کرتا عرب و عجم قریش پر حضرت نے فرمایا نہ حضرت ہماری لڑکی کو پیغام دیتے اور نہ ہم اپنی لڑکی کی تزویج حضرت سے کرتے۔ اس نے کہا کیوں فرمایا اس لیے کہ ہم ان کی اولاد ہیں تم نہیں ہو پھر حضرت نے مذکورہ بالا دونوں آیتوں کی تلاوت فرمائی۔

چوتھے ابن حجر نے صواعق محرقہ میں بخاری سے بروایت ابو بکرہ نقل کیا ہے کہ حضرت رسولخدا منبر پر تھے اور امام حسنؑ آپ کی گود میں بیٹھے تھے آپ کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی امام حسنؑ کی طرف اور فرماتے تھے ان ابنی هذا سید یہ میرا بیٹا سردار ہے اللہ اس

کے ذریعہ سے صلح کرائے گا مسلمانوں کے دو گروہوں میں۔

ترمذی نے اسامہ سے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو دیکھا کہ حسنؑ و حسینؑ آپ کے دونوں زانوں پر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے خداوندا میں ان کو دوست رکھتا ہوں تو بھی ان کو دوست رکھ اور اسے بھی دوست رکھ جو ان دونوں کو دوست رکھے۔

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ آنحضرتؐ کے متبنّیٰ تھے زید ابن حارثہ کی طرح۔ کیونکہ مذکورہ بالا روایات سے کہیں متبنّیٰ ہونے کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ صرف بغض اہلبیت کی وجہ سے کہا جا رہا ہے۔ تبنیت کی صورت میں آنحضرتؐ یہ نہ فرماتے ان کا گوشت میرا گوشت اور ان کا خون میرا خون ہے اور وصیت و وراثت کا قانون بھی ان میں نہ چلتا

پانچویں آیہ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ (سورہ النساء ۴/۱۱) سے ظاہر ہے کہ یہ شامل ہے اولاد ابن اور بنت دونوں کو جس سے معلوم ہوا کہ اولاد بنت بنت بھی مثل اولاد ابن ہوتی ہے۔

چھٹے کافی میں ہے کہ ہارون روضۂ رسول میں داخل ہوا اور امام موسیٰ کاظمؑ بھی تشریف لائے اور فرمایا السلام علیک یا ابت۔ ہارون نے عیسیٰ سے کہا سن رہا ہے انہوں نے کیا کہا اس نے کہا جی ہاں سن رہا ہوں ہارون نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرتؐ واقعی ان کے باپ ہیں۔

ساتویں۔ کمال الدین ابن طلحہ شافعی نے روایت کی ہے کہ شعبی آل رسول کی طرف مائل تھا اور ہمیشہ ان کو ابنائے رسول اللہ اور ذریت کہا کرتا تھا اس نے اپنی کتاب مطالب السئول فی مناقب آل رسول میں لکھا ہے کہ شعبی کے اس عقیدہ کا حال حجاج بن یوسف کو بھی معلوم ہو گیا۔ حجاج نے اسے بلایا اس وقت اس کے پاس اعیان و علمائے مصر کا مجمع

تھا۔ جب شعبی آئے تو حجاج نے کہا میں نے سنا ہے کہ تو حسن و حسینؑ کو ابنائے رسول کہتا ہے کیا تو اتنا بھی نہیں جانتا کہ اولاد اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے پس تو ماں کے رشتہ سے کیوں ان کو ابنائے رسول کہتا ہے۔ شعبی نے یہ سنکر ذرا دیر کے لیے اپنا سر جھکایا۔ پھر حجاج سے مخاطب ہو کر کہا۔ یہ کلام تیرا کلام خدا اور حدیث رسول سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ وہ غضبناک ہو کر کہنے لگا تو مجھ جیسے شخص کے لیے ایسا کہتا ہے۔ شعبی نے کہا یہ علمائے مصر موجود ہیں ان سے پوچھ کیا خدا نے نہیں فرمایا یا بنی آدم یا بنی اسرائیل اور ابراہیم کے لیے نہیں کہا ومن ذریتہ عیسیٰ کیا حضرت عیسیٰ کا اتصال آدم و اسرائیل و ابراہیم سے اپنی ماں کی طرف سے نہیں تھا اور یہ حدیث رسول تو نے آج تک نہیں سُنی کہ حضورؐ نے حسنؑ و حسینؑ کے لیے فرمایا ہذا ابنی۔ یہ سُن کر حجاج نے اپنا سر جھکا لیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کو لوگ ابن الصدیق بھی کہا کرتے تھے کیونکہ ان کی والدہ ماجدہ بنت قاسم بن محمد ابن ابی بکر تھیں۔ اگر ماں کا نسب قابلِ اعتبار نہیں تھا تو لوگ ان کو ایسا کیوں کہتے تھے۔

اگر ماں کو نسب میں اشتراک نہیں تو علی کی مدح میں یہ کیوں کہا گیا کہ یہ پہلے ہاشمی ہیں جن کے باپ اور ماں دونوں ہاشمی ہیں۔ اہل سیر نے لکھا ہے علیؑ کے سوا کوئی خلیفہ ایسا نہیں ہوا جو ماں باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی ہو۔

انبیت کے لیے ایک صورت شرافت نفس اور اعمال صالحہ کی بھی ہے۔ نوح کا بیٹا عمل غیر صالح کی بنا پر ابنیت نوح سے خارج اور سردار جواناں صوری اور معنوی قربت کی بنا پر ابنیت رسول پر فایز ہوئے۔ اگر بلحاظ طینت دیکھا جائے تو جو طینت رسول تھی وہی طینت حسنین تھی۔

علامہ سبط ابن جوزی نے قصہ مباہلہ میں جابر ابن عبداللہ سے روایت

کی ہے کہ رسول اللہ جب مباہلہ کو نکلے تو علیؑ سامنے تھے حسنؑ داہنی طرف اور حسینؑ بائیں طرف اور فاطمہؑ پیچھے آپ نے فرمایا آؤ۔ یہ میرے بیٹے ہیں اور اشارہ کیا حسنؑ و حسینؑ کی طرف اور یہ میری عورتیں ہیں اور اشارہ کیا فاطمہؑ کی طرف اور یہ میرا نفس ہے اور اشارہ کیا علیؑ کی طرف۔

محدث دہلوی کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ نفس کے معنی قربت و ہم نسب و ہم دین و ملت بھی ہوتے ہیں۔ اگر یہ معنی مراد ہوں تو عقیل و عباس اور تمام اہل مذہب داخل انفسنا ہو جائیں گے حالانکہ مباہلہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں اگر صرف قرابت اور ہم مذہبی مراد ہو تو اس سے فائدہ کیا۔

اعتراض۔ اگر انفسنا سے مراد حضرت علیؑ ہوں تو لازم آتا ہے کہ وہ مساوی ہوں رسول کے تمام صفات میں جیسے نبوت رسالت، خاتمیت اور کافہ انام کی طرف بعثت اور چار سے زیادہ نکاح کرنا اور قیامت میں شفاعت اور مقام محمود اور نزول وحی وغیرہ جو خصائص پیغمبر سے ہیں اور یہ باطل ہے اور اگر بعض باتوں میں مساوات مراد ہے تو یہ اولیٰ بالتصرف ہونے کے لیے مفید نہ ہوگا۔

جواب۔ مساوات سے مراد تمام فضائل میں مساوات ہے سوائے ان کے جن کو دلیل نے خارج کر دیا ہو چونکہ ادلہ سے حضرت کا اختصاص ختم نبوت اور نو بیبیوں کی حلت اور وجوب تہجد وغیرہ پر ثابت ہے لہٰذا یہ مستثنیٰ ہیں باقی میں مساوات ہے۔ شفاعت روز قیامت مذہب شیعہ میں ہمارے تمام ائمہ کے لیے ثابت ہے۔

ختم نبوت کے متعلق یہ ہے کہ چونکہ بالنص نبوت کا حضرت پر خاتمہ ہو گیا اور آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں لہٰذا اطلاق نبی امیر المومنین پر نہیں ہو سکتا ورنہ ؎

اگر جہاں میں نبی بعد مصطفےٰ ہوتے
قسم خدا و پیمبر کی مرتضیٰ ہوتے

اعتراض ۔ اگر کہا جائے کہ یہ دلیل امامت ہے تو لازم آتا ہے کہ جناب امیر حیات نبی میں امام ہوں اور یہ بالاتفاق باطل ہے اور اگر قید کسی وقت غیر معین کی ہو تو مفید مدعا نہیں کیونکہ ایک وقت میں تو ہم بھی مانتے ہیں۔

جواب :۔ حدیث منزلت سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی حیات ہی میں حضرت علی علیہ السّلام امام تھے۔

دوسرے مراد عموم سے بحسب اوقات ہو اور خارج ہوگا وہ وقت جو دلیل سے خارج ہو۔

تیسرے اگر بعض اوقات مراد ہو تو یہ حضرات اہلسنت کے لیے مفید نہیں کیونکہ ان کے نزدیک وہ موافق نص نہیں اور یہاں قول بالنص ہے اور مراد امامت بلا فصل ہے۔

بہرحال اس آیت سے اصحاب کسا کی وہ فضیلت ثابت ہوتی ہے جو دوسرے کے لیے نہیں جیسا کہ زمخشری نے اس کا اقرار کیا ہے اور جناب عائشہ سے مروی ہے کہ رسول ایک اُدنی منقش چادر اوڑھے ہوئے تھے کہ حسنؑ آئے آپ نے ان کو چادر میں داخل کر لیا پھر حسینؑ آئے ان کو بھی داخل کر لیا پھر فاطمہؑ آئیں پھر علیؑ آئے ان کو بھی داخل کیا پھر فرمایا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (سورہ الاحزاب ۳۳/۳۳) اس سے بڑھ کر اصحاب کسا کی فضیلت پر اور کیا دلیل ہوگی کیونکہ آیت تطہیر ان ہی حضرات کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات حضرت رسولخداؐ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز اور محبوب تھے لہٰذا ان کا بہترین خلق ہونا ماننا پڑے گا کیونکہ ہر شخص اتنا سمجھ سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی یہ محبت بلحاظ روابط بشریت نہ تھی بلکہ جو خدا

کے نزدیک زیادہ محبوب تھے وہی آنحضرتؐ کے نزدیک بھی زیادہ محبوب تھے۔ آیات و اخبار میں ایسی اولاد و آباء و قرابت داروں کی محبت کی مذمت ہے جن سے دینی تعلق نہ ہو اور آنحضرتؐ کی سیرت سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ ان عزیزوں کو اپنے سے دور رکھتے تھے جو خدا کے دوست نہ تھے اور اُن دور والوں سے محبت کرتے تھے جو خدا کے دوست تھے جیسے سلمان و مقداد وغیرہ چنانچہ سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام آنحضرتؐ کی تعریف میں فرماتے ہیں ووالی فیك الابعدین وعادی فیك الاقربین (آپ سے دور والوں نے محبت کی اور پاس والوں نے عداوت رکھی۔

پس جب یہ حضرات خدا کے نزدیک محبوب ترین خلق ہوئے اور امت میں سب سے بہتر تو ان پر دوسروں کو ترجیح دینا۔ عقلا کے نزدیک مذموم ہوگا۔

علمائے نصاریٰ۔ نجران کا ان کی صورتیں دیکھ کر یہ کہنا کہ ان سے مباہلہ نہ کرنا میں ایسی صورتیں دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ خدا سے دعا کردیں کہ پہاڑ کو جگہ سے ہٹادے تو ضرور ہٹادے گا اس کا مزید ثبوت ہے کہ یہ حضرات مقربان بارگاہ ایزدی میں سے تھے اور ان کا تقرب ان کے چہروں سے ظاہر ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات کے علاوہ کوئی دوسرا اس مرتبۂ عظمیٰ پر فایز نہیں ہوا اگر دوسرا کوئی ایسا ہوتا تو ضرور حضرت اسے شریک مباہلہ کرتے ان حضرات کی جلالت شان اس واقعہ سے اس طرح روشن ہوئی کہ زمخشری کو کہنا پڑا لاشیٔ اقوی منہ علی فضل اصحاب الکساء اس سے زیادہ قوی اصحاب کسا کی فضیلت اور کیا ہوگی اور فضل بن روز بہاں نے فرمایا امیر المومنین علی کے لیے اس آیت میں بہت بڑی فضیلت ہے۔ پس سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ان حضرات کو فضیلت تسلیم ہے تو پھر مفضول کو فاضل پر ترجیح دینا کیا معنی۔

علامہ حلی علیہ الرحمہ نے کشف الحق میں بیان فرمایا ہے کہ یہ آیت دلیل ہے علو مرتبت

امیر المومنینؑ پر کیونکہ اس میں حکم مساوات ہے نفس رسول سے اور خدا نے ان کو معین کیا رسول کی دعا میں مدد کرنے کے لیے اور اس سے بڑی فضیلت اور کونسی ہو سکتی ہے کہ خدا اپنے نبی کو حکم دے کہ وہ ان حضرات سے بددعا میں مدد چاہیں اور ان کو وسیلہ بنائیں قبولیت دعا میں۔

اعتراض۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت رسولخداؐ نے ان حضرات کو آمین کہلانے کے لیے ساتھ لیا تھا سمجھ میں نہیں آتا کہ وفد نصارائے نجران کا ہلاک کرنا ایسا کیا امر اہم تھا کہ آنحضرتؐ کو ان لوگوں سے مدد کی ضرورت پیش آئی آنحضرتؐ اس سے پہلے بڑی بڑی مشکلات کا سامنا ہو چکا تھا کبھی ان حضرات سے دعا میں مدد نہ چاہی اور یہ متفق علیہ ہے کہ پیغمبر کی دعا کفار کے مقابلہ میں مستجاب ہوتی ہے ورنہ پیغمبر کی تکذیب لازم آئے گی اور غرض بعثت میں نقص ظاہر ہوگا۔

جواب۔ یہ سوال تو خدا سے کرنا چاہیے کہ اس نے ان حضرات کو ساتھ لیجانے اور مباہلہ میں شریک کرنے کا حکم کیوں دیا۔ ابنھل جمع کا صیغہ ہے اگر واحد کا صیغہ ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ مباہلہ میں ان حضرات کی شرکت نہ تھی یوں ہی بے ضرورت ساتھ لے لیا تھا اگر استجابت دعا میں ان کی مداخلت ضروری نہ تھی تو جمع کا صیغہ لایا کیوں گیا اور ان کو مباہلہ میں شریک کیوں کیا گیا کیسی عجیب بات ہے کہ نصاری نے باوجود کافر ہونے کے ان مقربان ایزدی کو پہچان لیا لیکن نہ پہچانا تو مسلمانوں نے۔

سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں جناب ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا اگر خدا کے علم میں علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ سے زیادہ مکرم بندہ ہوتا تو مجھے حکم دیتا کہ میں اس کو ساتھ لے کر مباہلہ کروں لیکن خدا نے تو مجھے فقط انہی کی معیت میں مباہلہ کا حکم دیا ہے اور وہ افضل خلق ہیں ان کی وجہ سے یہود و نصاری مغلوب ہوئے

یہ حدیث اصحاب کسا کی افضلیت کے لیے کافی ہے۔

اعتراض۔ آنحضرتؐ صلعم جو اپنے ساتھ علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو لے گئے وہ رسم کفار کی بنا پر تھا اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ مباہلہ میں اپنے بال بچوں کو قسم کھانے کے لیے لے جاتے تھے۔ پس اس میں ان حضرات کی فضیلت کیا ہے۔

جواب۔ مورخین اور علمائے اسلام نے کہیں یہ بیان نہیں کیا کہ وہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جب تک داماد اور اولاد حاضر نہوں مباہلہ صحیح نہوگا اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ یہ آیت مستلزم فضیلت اہلبیت ہے اگر ایسا نہوتا تو نصاریٰ کا عالم ہرگز یہ نہ کہتا انی لاری وجوھا اگر اولاد و داماد کی حاضری مباہلہ میں ضروری ہوتی تو خدا اس آیت کو یوں نازل فرماتا ندع اولادنا وازلادکم واصھارنا واصھارکم اس کی بجائے لفظ ابناء نا و نساء نا و انفسنا کہنا خواہ مخواہ کلام کو طویل کرنا قرار پاتا ہے۔ نساء نا اس کا مقتضی تھا کہ اپنے ساتھ ازواج کو لے جاتے مگر چونکہ ان میں قابلیت نہ تھی لہٰذا ان کو حضرت نے دعوت شرکت ہی نہ دی۔ اگر داماد کو لیجانے کی رسم ہوتی تو حضرت ذوالنورین کو ضرور ساتھ لے جاتے کیونکہ بعقیدہ اہلسنت آپ ڈبل داماد تھے۔ رہا قسم کھانے کا معاملہ تو اس کا ثبوت کہیں نہیں ملتا اور نہ مباہلہ میں اس کو دخل تھا بلکہ مباہلہ کا مقصد تو دعائے بد کرنا تھا اگر قسم کھانا مراد ہوتا تو نبتھل کا لفظ استعمال نہوتا اور جمع کے صیغہ میں نہ فرمایا جاتا کیونکہ اولاد و داماد کی قسم کھانے کا تعلق تو صرف آنحضرتؐ کی ذات سے ہوتا نہ کہ دوسروں سے۔

رہا یہ کہنا کہ ہلاکت نصاریٰ کا معاملہ کوئی اہم نہ تھا اس سے زیادہ اہم معاملے حضرت کو پیش آئے مگر آپ نے کبھی دعا نہ چاہی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ یقیناً اور معاملات سے اہم تھا اس پر حضورؐ کی صداقت اور بقائے اسلام کا دارومدار

تھا اس لیے کہ اگر نصاریٰ اپنی بددعا میں کامیاب ہو جاتے تو حضرت کا اور ان کے ساتھیوں کا ہلاک ہو جانا اور اسلام کے نام کا مٹ جانا یقینی تھا اور اگر حضرت کامیاب ہوتے تو نصاریٰ کی پوری قوم ہلاک ہو جاتی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ محاربہ لسانی محاربات سنانی سے بدرجہا اہم تھا۔ جنگ میں جو کامیابیاں ہوئیں تو ایسی کامیابی سلاطین روزگار کو بھی ہوتی ہے مگر مباہلہ میں جو کامیابی ہوئی اس کی نظیر تاریخ میں ڈھونڈی نہیں ملتی۔

اب رہا مدد چاہنے کا معاملہ تو کون سا امر دین ایسا تھا کہ امیر المومنینؑ نے اس میں مدد نہیں کی آپ نے ہمیشہ کفار کے خرمنِ حیات کو اپنی ذوالفقار شعلہ بار سے جلایا اور ہر مصیبت میں رسول کے ساتھ رہے جہاں سیف و سنان سے مدد کی ضرورت تھی سیف و سنان سے کی اور جہاں لسان و زبان سے ضرورت تھی وہاں لسان و زبان سے کی۔

مدد چاہنا انبیاء کے لیے ثابت ہے جناب موسیٰ نے خدا سے دعا کی تھی وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَارُونَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي (سورہ طٰہٰ ۲۹ تا ۳۱/۲۰) جب حضرت موسیٰ کا ہارون سے مدد چاہنا ثابت ہے تو اگر سید المرسلین نے مدد چاہی تو کیا خرابی لازم آئی حالانکہ حضرت علیؑ کی منزلت آپ کے نزدیک وہی تھی جو ہارون کی منزلت حضرت موسیٰ کے نزدیک تھی آیا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (سورہ الاحزاب ۵۶/۳۳) سے ثابت ہے کہ عوام مسلمین سے حضرت پر درود بھیجنے کو کہا گیا ہے تو کیا اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت درود بھیجنے میں لوگوں کے محتاج ہیں چونکہ آنحضرتؐ مستحق رحمت الٰہیہ ہیں تو ہماری دعائیں بزعم معترض عبث ہونی چاہئیں۔ پس حضرت کا دعا میں مدد چاہنا اس وجہ سے تھا

کہ آمین اہلبیت سبب تاکید اور تعجیل استجابت ہو اور اس سے یہ بھی فائدہ تھا کہ لوگوں پر بارگاہ باری میں اہلبیت کی قربت کا اظہار ہو۔

نزد اہلسنت ہلاک امت کے متعلق پیغمبر کی دعا کا کلیۃً قبول ہونا ثابت نہیں بلکہ انبیا کی صرف ایک بددعا قبول ہوتی ہے جیسے نوح و صالح و شعیب و موسیٰ وغیرھم کی بددعائیں قبول ہوئیں اور آنحضرتؐ کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ کبھی ہلاک امت کی بددعا آپ نے کی ہی نہیں اس کے بدلہ میں آپ کو حق شفاعت دیا گیا پس ایسی حالت میں یہ کہنا ہی بے معنی ہے کہ حضرت کو بددعا کرنے کے لیے کسی معاون کی ضرورت نہ تھی۔

چھٹی آیت

امامت منصوصہ کی دلیل

اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (سورہ الاحزاب ۳۳/۳۳) (بے شک اللہ کا ارادہ ہے کہ اے اہلبیت تم سے ہر قسم کے رجس کو دُور رکھے اور پاک رکھے حق پاک رکھنے کا)

علامہ حلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابو عبداللہ محمد بن عمران مرزبانی نے ابوالحمرا سے روایت کی ہے کہ میں نے رسولِ خداؐ خدمت نو یا دس ماہ کی میں نے دیکھا کہ وقت صبح جب حضرت نماز کے لیے تشریف لاتے تو علیؑ کے دروازہ پر آ کر فرماتے السلام علیکم و رحمته الله و برکاته۔ حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ جواب میں کہتے وعلیکم السلام یا نبی الله و رحمته الله برکاته پھر فرماتے الصلٰوة رحمکم الله انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس ویطهرکم تطهیرا اور پھر نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے۔

علامہ احمد اردبیلی طاب ثراہ حدیقۃ الشیعہ میں فرماتے ہیں کہ امام کے لیے چاہیئے کہ صفت عصمت و طہارت سے متصف ہو اور گناہانِ کبیرہ و صغیرہ سے عمداً و سہواً اور آلودگی ظاہر و باطن سے اور ہر اس چیز سے جو موجب نقص و عیب ہو پاک و صاف ہو تب ہی وہ مستحق خلافت رسول اور حقدار خلافت الٰہیہ ہو سکتا ہے۔

آیہ تطہیر باجماع مفسرین شیعہ و سنی حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی شان میں

نازل ہوئی ہے۔ اللہ نے اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ رجس یعنی ہر قسم کی نجاست ظاہری ہو یا باطنی۔ گناہوں کا صدور چھوٹے ہوں یا بڑے۔ وہ ناشائستہ اور ناروا امور جو خدا سے دوری کا سبب ہوں جیسے حسد، کینہ۔ نفاق۔ دوستی دنیا۔ حب جاہ و ریاست۔ خود پرستی و ریاکاری وغیرہ نجاسات باطنی سے یہ حضرات دور ہیں من المھد الی اللحد ان حضرات کا تعلق ان چیزوں سے ہوگا ہی نہیں اور ان کو ایسا پاک صاف کیا گیا جو حق پاک صاف کرنے کا ہے۔

صاحب تحفہ اثنا عشریہ نے اپنی متعصبانہ طبیعت کے اقتضاء سے اس موقع پر بھی نیش زنی کی ہے کہتے ہیں شیعہ اس آیت کو فضیلت اہلبیت میں بیان کرتے ہیں لیکن چند امور ایسے ہیں کہ ان کا مدعا ثابت نہیں ہونے دیتے اوّل مفسرین کا اس پر اجماع نہیں ہے کہ اہلبیت رسول کی شان میں ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ آیت ازواج نبی کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ وہ بازار میں ندا کرتا پھرتا تھا کہ یہ آیت نساء نبی کی شان میں نازل ہوئی اور سیاق و سباق بھی یہی بتاتا ہے کیونکہ اس آیت کے اوّل و آخر ذکر ازواج نبی ہے اور امر و نہی کا تعلق انہی سے ہے پس ان کے درمیان دوسروں کا ذکر چھیڑ دینا بلاغت کلام کے خلاف ہے۔

جواب۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اجماع مفسرین نہیں بلکہ تمام علمائے شیعہ اور اکثر علمائے اہلسنت یہی بیان کر رہے ہیں کہ یہ آیت علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پھر اس کے خلاف اجماع کہاں رہا۔

اس آیت کے متعلق چار قول ہیں۔

ایک گروہ کہتا ہے حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ ازواج نبی کی شان میں ہے۔

تیسرا گروہ کہتا ہے یہ صرف حضرت رسولخداؐ کی شان میں ہے۔

چوتھا گروہ کہتا ہے ازواج اور اہلبیت دونوں کی شان میں ہے۔

اِن چاروں قولوں میں زیادہ تر لوگ پہلے قول کے موید ہیں یہ کہنا کہ ابن عباس اور ان کے غلام عکرمہ نے اس کا اعلان کیا کہ مراد ازواج ہیں۔ ایسی شاذ روایات ناقابلِ اعتماد ہیں جو محض خلفائے جور کو خوش کرنے کے لیے وضع کی گئی ہیں۔ خصوصاً عکرمہ کی روایت کہ وہ دروغگوئی میں مشہور ہے وہ ابن عباس پر جھوٹ بولتا ہے اس نے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اور بہت سے جھوٹ بولے ہیں لہٰذا وہ ساقط الاعتبار ہے ثعلبی نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ خدا نے اپنی مخلوق کو دو حصّوں میں تقسیم کیا اصحاب یمین و اصحاب شمال یہاں تک کہ حضرت نے فرمایا خدا نے مجھے بہترین قلبیہ میں پیدا کیا اور بہترین گھر میں اس کے بعد آیہ تطہیر کی تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ بنی ہاشم تمام قبایل عرب میں ممتاز ہیں چونکہ نساء بنی ہاشم سے نہ تھیں لہٰذا اس فضیلت میں شریک رسول نہیں ہوسکتیں۔ سوائے ان کے جو بنی ہاشم سے ہوں اور وہ علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ ہیں۔

جواہر العقدین میں ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ نے خطبہ پڑھا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا میں اُن اہلبیت سے ہوں جن سے اللہ نے رجس کو دور رکھا اور پاک کر دیا حق پاک کرنے کا۔ میں ان اہلبیت سے ہوں جن کی محبت خدا نے فرض کر دی ہے۔

صحیح بخاری میں جناب عایشہؓ سے مروی ہے کہ رسولخداؐ نے ایک اُدنی منقش چادر میں حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو لے کر فرمایا۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا

اسی طرح اکثر مورخین اہلسنت نے یہی شانِ نزول لکھی ہے پس اگر دو روایات موضوعہ ان اخبار متفق علیہا کے خلاف ہوں تو علمائے امامیہ کی متفق علیہا روایات کے مقابل ان کی کیا وقعت۔

حمیدی نے جمع بین الصحیحین مسند عائشہ سے یہی روایت بیان کی ہے۔ سنن ابوداؤد اور موطا میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ اس آیت کے نزول سے تقریباً چھ ماہ بعد تک آنحضرتؐ کا یہ معمول رہا کہ جب صبح کی نماز کے لیے گھر سے نکلتے تو دروازۂ فاطمہؑ پر آکر فرماتے۔ الصلوہ اھل البیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا ثعلبی نے یہ مدت نو ماہ یا دس ماہ بیان کی ہے۔

رہا معترض کا یہ کہنا کہ اس آیت کے اول و آخر ازواج کا ذکر ہے لہٰذا یہ آیت بھی انہی کی شان میں ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس آیت سے ماقبل و مابعد جو آیات ہیں ان سب میں جمع مونث کے صیغے ہیں برخلاف اس آیت کے کہ اس میں تمام ضمیریں جمع مذکر کی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کہیں اور کی ہے۔ یہ تو ظاہر بات ہے کہ قرآن کی ترتیب موافق تنزیل نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آیات مختلف مواقع پر نازل ہوئی ہیں۔ ایسی صورت میں ارتباط بھی ہر جگہ ضروری نہیں۔

قاضی نوراللہ شوشتری نے جواباً فرمایا ہے کہ کیا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ آیات دفعتاً واحدہ اسی ترتیب سے نازل ہوئی ہیں یا لوح محفوظ میں اسی شان سے تھیں۔ کیا چیز مانع ہے اس امر میں کہ آیت تطہیر کا وقت نزول ماقبل و مابعد والی آیات سے علیحدہ ہو اور جامع القراں نے غلطی سے یہاں رکھدی ہو یہ خیال کرکے کہ مراد اس سے ازواج ہیں۔ اس سے انکار ممکن نہیں کہ یہ ترتیب اجتہادی ہے اور اس کے متعلق بین العلماء اہل سنت اختلاف

کثیر ہے کہ آیات موافق تنزیل نہیں ایسی صورت میں آیت تطہیر کے متعلق اس یقین کو کیسے برطرف کیا جاسکتا ہے کہ یہ آیت اس سلسلہ کی نہیں ہے ہمارے معترضین کو آیت تطہیر کی اہلبیت ہونے میں فصل اجنبی نظر آتا ہے لیکن آیہ وضو میں جب ارجلکم کا عطف وجوھکم پر بیان کرتے ہیں تو وامسحوبرؤسکم کا فصل بھلا معلوم ہوتا ہے اس پر غور نہیں کیا جاتا کہ وہ ازواج جن پر اللہ کی سرزنش قرآن میں موجود ہے وہ معصوم اہلبیت کے گروہ میں کیونکر شامل ہو جائیں گی۔ آیت تطہیر سے پہلے اور بعد میں ازواج کو جو توبیخ کی گئی ہے اگر اہلبیت ان سے الگ نہوں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ وہ عیوب ان میں بھی ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلبیت کو رجس ظاہری اور باطنی سے دور رکھا گیا ہے۔ ازواج کے لیے ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہ تھی نہ تو وہ رجس ظاہری سے پاک تھیں اور نہ باطنی سے حیض ونفاس واستحاضہ سے مستثنیٰ نہ تھیں اور باطنی طہارت کے متعلق صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ بعض ازواج کی شان میں ہے۔ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (سورہ التحریم ۶۶/۴)

جب علمائے اہلسنت قرآن میں تحریف کے قایل ہیں تو پھر کیوں نہ یہ سمجھا جائے کہ آیت تطہیر یہاں بے محل ہے اور ازواج سے اس کا کوئی تعلق نہیں اپنے اہلبیت کو رسول سے زیادہ سمجھنے والا کون ہو سکتا ہے۔ اگر ازواج کی شان میں یہ آیت نازل ہوتی تو آنحضرت چھ ماہ یا نو ماہ تک علیؑ و فاطمہؑ کے دروازہ پر جاکر اہلبیت کہہ کر سلام نہ بھیجتے۔

کہا جاتا ہے کہ آیت تطہیر میں عنکم کی ضمیر جو جمع مذکر کی ہے وہ لفظ اہل کی مناسبت سے ہے اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کو جو فی الحقیقت مونث ہو مذکر پاتے ہیں تو صیغہ مذکر اس کے لیے استعمال کرتے ہیں جیسا کہ جناب سارہ سے خطاب ہے اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ

اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○ (سورہ ہود ۷۳/۱۱) اس میں علیکم کی ضمیر جناب سارہ کے لیے ہے۔ یہی صورت آیت تطہیر میں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کہنا علمائے اہلسنت کی اکثریت کے خلاف ہے جیسا کہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں کہا ہے اکثر المفسرین علیٰ انها نزلت فی علی و فاطمته والحسن و الحسین ۔ بسبب ذکر کیے جانے عنکم کی ضمیر مذکر کے شیعوں کی تائید کے لیے ابن حجر کی یہ تحریر کافی ہے۔ اور معترض کا یہ کہنا غلط ہے کہ لفظ اہل کے لحاظ سے ضمیر مذکر لائی گئی ہے کیا اس سے اپنے ہی علماء کی مخالفت لازم نہیں آتی ہے۔

دوسرے ظاہر سے صرف نظر کرنا بدون ضرورت روا نہیں اور جو ضرورت بیان کی گئی ہے وہ غیر مسلّم ہے۔ علمائے سواد اعظم کے اذہان میں یہ وجہ ہے ہی نہیں جو معترض نے بیان کی ہے۔ جس کی طرف ذہن آسانی سے منتقل ہو وہ حقیقت کہلاتی اگر لفظ اہل کے اعتبار سے ضمیر مذکر ہوتی تو وہ یہ نہ لکھتے کہ یہ علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی شان میں ہے۔ علاوہ بریں نص کے مقابلہ میں اجتہاد و قیاس کی کیا ضرورت ہم علمائے اہلسنت کے بیان سے ثابت کر آئے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو تحت کساء لے کر فرمایا اللھم ھولاء اھلبیتی فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا اس سے اہلبیت کا حصر صرف علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ ہی میں معلوم ہوتا ہے۔ شیعوں نے اپنی خواہش نفسانی سے یہ بات نہیں کی بلکہ نص کی روشنی میں یہ کہا ہے۔ ازواج کا داخلہ بدون نص محتاج دلیل ہے۔ اگر علیؑ و فاطمہؑ اور حسنینؑ کے سوا ازواج بھی داخل ہوتیں تو آنحضرتؐ بجائے اللھم ھولاء اھلبیتی کے یوں فرماتے من اھلبیتی۔ یعنی میرے بعض اہلبیت یہ ہیں

اور جب مِن تبعیضیہ نہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اہلبیت یہی ہیں ازواج نہیں۔ حضرت نوح نے فرمایا تھا اللھم اِن ابنی من اھلی یعنی میرا بیٹا منجملہ میرے اہل کے ہے۔ مگر آنحضرتؐ نے اس طرح نہیں فرمایا۔ پس رازی کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ لفظ اہلبیت میں علیؑ و فاطمہؑ و حسنین کے علاوہ ازواج بھی ہیں۔

صاحب تحفہ اثنا عشریہ نے جن کے قلم سے اس قسم کے لایعنی اعتراضات نکلے ہیں خود ہی دوازدہم کے مقدمہ ثانیہ میں لکھا ہے کہ خواص امت تین فرقوں میں منقسم ہیں۔ اہل بیت، ازواج اور اصحاب۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہلبیت کا گروہ ازواج سے جدا ہے ابن حجر نے صواعق محرقہ کے باب دہم میں لکھا ہے کہ صحیح مسلم میں زید بن ارقم سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا میں تم کو اپنے اہلبیت کے بارے میں یاد دہانی کرتا ہوں۔ لوگوں نے زید سے پوچھا کیا ازواج اہلبیت میں ہیں۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم نہیں۔ عورت اپنے مرد کے ساتھ ایک وقت معین تک رہتی ہے۔ پھر طلاق پانے کے بعد اپنے باپ اور قوم کی طرف پلٹ جاتی ہے اور یہاں آیت میں آنحضرتؐ کے وہ رشتہ دار مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ ابن اثیر نے جامع الاصول میں بھی یہی عبارت نقل کی ہے۔ معلوم ہوا کہ اطلاق لفظ اہلبیت ازواج پر وضع لغوی نہیں ہے بلکہ اطلاق مجازی ہے۔ لفظ اہل بیت سن کر سب معنی چھوڑ کر جس مفہوم کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے وہ کسی شخص کے اقارب اور اس کی ذرّیت ہوتی ہے نہ کہ ازواج اور تبادر ذہن دلیل حقیقت ہے۔

لفظ اہل بیت کا اطلاق دو موقعوں پر ہوتا ہے ایک بمعنی اضافی۔ جیسے اہل بمعنی صاحب اور بیت بمعنی گھر۔ پس جو بھی کسی گھر میں رہتا ہو۔ عورت مرد۔ بچہ نوکر چاکر وہ سب لغوی اعتبار سے اہلبیت ہیں جیسے اہل قریہ کسی گاؤں کے سب چھوٹے بڑے

کہلاتے ہیں۔ دوسرے معنی عرفی ہیں اور اہل بیت رسالت و نبوت ہیں۔ وہ بیت جو اینٹ مٹی سے بنایا جائے اس میں سب شریک ہیں اس کی جمع بیوت ہے اسی لیے قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (سورہ الاحزاب ۳۳/۳۳) آیا ہے۔ رہا بیت روحانی اس سے تعلق رکھنے والے اہل اللہ ہیں۔ اہل قرآن ہیں اور اہل نبوت ہیں اور اس کا دار و مدار اہلیت اور استعداد پر ہے اور وہ مقتضی عصمت ہے اور عصمت ازواج غیر مسلم لہٰذا اُن کا شمول اہلبیت النبوہ و معدن الرسالہ میں ناممکن۔ ان کے لیے اتنا ہی شرف کافی ہے کہ وہ ازواج رسول ہیں۔

حضرت سارہ سے خطاب کے متعلق جو استدلال کیا گیا ہے وہ بھی غلط ہے آیہ اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ (سورہ ہود ۱۱/۷۳) میں اہل بیت سے مراد صرف سارا نہیں ورنہ جمع مذکر کی ضمیر عنکم نہ لائی جاتی بلکہ یہ مخاطبہ حضرت ابراہیم اور ان کے خاندان نبوت سے ہے کیونکہ رحمت و برکت کا نزول تو تمام خاندان ہی پر تھا نہ کہ صرف حضرت سارہ پر یہی وجہ ہے کہ ضمیر جمع لائی گئی خطاب کا تعلق چونکہ صرف جناب سارہ سے تھا لہٰذا وہاں واحد مونث حاضر کا صیغہ استعمال کیا گیا۔

علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ امیر المومنین علیہ السّلام نے ایک جماعت کو سلام کیا انہوں نے جواب دیا وعلیک السلام و رحمتہ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ و رضوانہ۔ حضرت نے فرمایا اس سے تجاوز نہ کرو جو ملائکہ نے ہمارے جدا براہیم سے کہا تھا رحمتہ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت" یہ خطاب سارے خاندان سے ہے بنا بر قاعدہ تغلیب جناب سارہ اس میں داخل ہیں۔ اسی طرح بقاعدۂ تغلیب جناب فاطمہ آیت تطہیر میں داخل ہیں۔ آیہ انما ولیکم اللہ

میں تو معترض کو واحد کے لیے جمع کا صیغہ خلافِ قواعد عرب معلوم ہوتا تھا لیکن یہاں ایک سارہ کے لیے جمع کی ضمیر عنکم خلاف قاعدہ نظر نہیں آتی۔

اعتراض۔ صحاح میں جو یہ روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے چار اشخاص رداء میں لے کر دعا فرمائی۔ اللھم ھولاء اھلُ بیتی فاذھبَ عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا اور ام سلمہ نے کہا مجھے بھی شریک کر لیجئے حضرت نے فرمایا انتِ علی خیر وانتِ علیٰ مکانك اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کا نزول ازواج کے حق میں ہوا ہے اور علیؑ و فاطمہؑ وغیرہ کو تحت کسا فقط اس لیے لیا تھا کہ ان کے متعلق دعا فرمائیں کہ خدا ان سے رجس کو دور رکھے۔ اگر ان کے حق.. یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو اس دعا کی ضرورت ہی کیا تھی اور آنحضرتؐ کیوں تحصیل حاصل فرماتے۔ ام سلمہ کو اس دعا میں اسی لیے شریک نہ کیا کہ تحصیل حاصل تھی وہ تو اس آیت کے حکم میں داخل تھیں ہی۔

جواب۔ معترض بے بصیرت نے نص کے مقابل اپنا اجتہاد ظاہر کیا ہے ہم پہلے کتب اہلسنت سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ بہ کثرت راویوں کا یہ بیان ہے کہ یہ آیت اہلبیت علیہم السّلام کی شان میں نازل ہوئی ہے پس معترض کا اعتراض اجماع کے خلاف ہے۔ آنحضرتؐ کا دعا کرنا منافی نزول آیت نہیں بلکہ غرض اس سے یا تاکید ہے یا وعدہ پورا کرنے کی درخواست جیسا کہ حضرت نوح نے فرمایا تھا ووعدك الحق یعنی خدا نے نوح کی اہل کو بچانے کا جو وعدہ کیا تھا اس کا اظہا جناب نوح نے بطور اپنی درخواست کے کیا یا یہ کہ ان حضرات کا مشخص کرنا مقصود تھا یا تمام لوگوں پر ان کو فضیلت دینا اور معین کرنا کسی سابق وعدہ کے مطابق رسول نے یہ درخواست کی پھر غیر کا داخل کرنا کیونکر ممکن تھا۔

ابن حجر نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اِن الله جعل القبائل بيوتاً وجعلنى فى خيرهم بيتاً و ذلك قوله عزّوجلّ اِنما يريد الله ليذهب اس سے معلوم ہوا بیت سے مراد قبیلہ اور خاندان نبوی ہے نہ کہ ازواج جو دوسرے خاندانوں سے آتی ہیں۔ یہ روایت اتنی مشہور و معتبر ہے کہ ابن حجر نے اہلبیت علیہم السّلام کو خارج کرنے کی جرأت نہ کی اور اسی لیے اس نے دونوں روایتوں کو جمع کرکے کہا کہ اہلبیت میں ازواج بھی داخل ہیں۔

آنحضرتؐ نے جو دُعا فرمائی تھی وہ اذہاب رجس کے متعلق تھی نہ کہ اہلبیت میں داخلہ کے لیے۔ اگر ام سلمہ اپنے کو اہل بیت میں جانتیں تو یہ خواہش ہی نہ کرتیں اور اور آنحضرتؐ بجائے انتِ علی الخیر کہنے کے انت منهم قطعاً کیوں نہ فرماتے۔ ام سلمہ نے تحصیل حاصل کیوں چاہی۔

اعتراض۔ اگر بخیال شیعوں کے رجس اوّل عمر سے زائل تھا تو پیغمبر کو دُعا کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔

جواب۔ پیغمبر صراط مستقیم پر تھے پھر یہ دُعا ہر نماز میں کیوں کرتے تھے۔ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ (سورہ فاتحہ ۱/۵) اور جب وہ خزانۂ رحمت تھے تو یہ دُعا کیوں کرتے تھے اللهم صلّ على محمدٍ وال محمدٍ۔ یہی سوال ازواج کے متعلق بھی ہو سکتا ہے کہ آیا وہ زوجیت رسول میں آنے سے پہلے ہی رجس ظاہری و باطنی سے پاک تھیں یا زوجیت میں آنے کے بعد ہوئیں۔ اگر پہلے ہی سے تھیں تو یہ طہارت کئی خاندانوں میں پھیل جائے گی اور کوئی خصوصیت نبی کے گھر کی باقی نہ رہے گی اور اگر آنحضرتؐ کی زوجیت میں آنے کے بعد وہ ہر قسم کے رجس سے پاک ہوئیں تو اس کا ثبوت درکار ہے۔ ان کے حالات گواہ ہیں کہ نہ رجس ظاہری سے پاک تھیں نہ رجس باطنی سے

حیض ونفاس واستحاضہ سے بھی پاک نہ تھیں اور گناہوں سے بھی ان کا دامن پاک نہ تھا۔

اگر اس آیت کو ازواج کی شان میں مان لیا جائے تو اخبار صحاح وغیرہ صحاح کتب اہلسنت کی مخالفت لازم آئے گی۔

احمد حنبل نے ام سلمہ سے جو روایت بیان کی ہے اس سے بھی ازواج کا کوئی تعلق اس آیت سے نہیں معلوم ہوتا۔

وہ لکھتے ہیں جناب ام سلمہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ صلعم میرے گھر میں تھے ناگاہ فاطمہؑ آئیں درانحالیکہ ان کے ہاتھ میں ایک کاسہ حریرے سے بھرا ہوا تھا آنحضرتؐ نے فرمایا اپنے شوہر اور اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ جب سب آگئے تو انہوں نے وہ حریرہ کھانا شروع کیا۔ خدا نے یہ آیت نازل کی۔ انما یرید الله پس رسول اللہ نے اپنی چادر سب پر ڈال دی اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاکر فرمایا اللھم ھولاءِ اھلبیتی وخاصتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا۔ میں نے اس چادر میں یہ کہہ کر داخل ہونا چاہا انا منکم یارسول الله (میں بھی تو یا رسول اللہ تم ہی میں سے ہوں حضرت نے فرمایا انکِ علیٰ خیر انک علیٰ خیر (تم بیشک نیکی پر ہو) اس سے صاف ظاہر ہے کہ آیت کا تعلق علیؑ و فاطمہؑ اور حسنینؑ سے ہے نہ کہ ازواج سے۔

ثعلبی نے حضرت رسولخداؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا یہ آیت پانچ کے بارے میں نازل ہوئی ہے فیّ وفی علیّ وفی فاطمه وفی الحسن والحسین یعنی میرے بارے میں اور علیؑ کے بارے میں اور حسنؑ وحسینؑ کے بارے میں۔ پس جب حضرت نے خود ایک ایک کا نام بتا دیا تو اب ان کے سوا کسی اور کے داخلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

احمد حنبل نے اپنی مسند میں ام سلمہ سے جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ جناب ام سلمہ کہتی ہیں جب میں نے چادر میں داخل چاہا تو حضرتؐ نے چادر میرے ہاتھ سے کھینچ لی اور فرمایا انتِ علی الخیر ۔ پس اگر اُم سلمہ داخلِ اہلبیت ہوتیں تو حضرتؐ چادر کو نہ کھینچتے اور اپنی محبوب بی بی کو داخلہ سے منع نہ کرتے۔

ابن اثیر نے جامع الاصول میں جو روایت اُم سلمہ سے لکھی ہے اس سے اور زیادہ توضیح اس امر کی ہوتی ہے کہ ازواج داخل اہلبیت نہیں۔ اُم سلمہ نے جب چادر میں داخلہ چاہا اور حضرت نے اجازت نہ دی تو ام سلمہ نے کہا کیا میں اہلبیت میں سے نہیں ہوں فرمایا انکِ علی الخیر انتِ من ازواج رسول اللّٰہ اس سے پوری وضاحت ہوگئی کہ ازواج اہلبیت نہیں۔ ابن حجر کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ اہلبیت کا اطلاق گھر کے رہنے والوں پر بھی ہوتا ہے اور نسبی رشتہ داروں پر بھی جس میں بتمام بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب داخل ہیں۔ ابن حجر کی اس تحریر سے یہ تو واضح ہے کہ ہر صورت میں علی علیہ السلام تو داخل ہیں رہے دوسرے حضرات تو یوں زبانی جمع خرچ سے تو کام نہیں چلتا تاوقتیکہ طہارت کاملہ جس کا ذکر آیت میں ہے ان کے اندر ثابت نہ ہو۔ اگر ان لوگوں میں طہارت ہوتی تو یہ سب معصوم ہوتے اور اگر معصوم ہوتے تو حضور ضرور ان کو مباہلہ کے لیے اپنے ساتھ لے کر نکلتے۔

ہم ایسی روایات نقل کر چکے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہ کو دخول کساء سے روکا گیا۔ اب ایک روایت یہ بھی سنیئے جس سے ام المومنین زینب کا علیحدہ رکھا جانا ثابت ہوتا ہے۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن جعفر سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا آخر یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اللھمّ اِن لکُلّ نبی اھلاً و ھولاءِ اھل بیتی

فانزل اللہ انما یرید اللہ الخ فقالت زینب یا رسول اللہ الا ادخل معکم فقال مکانک انک علی خیر (یا اللہ ہر نبی کے لیے اہل ہوتے ہیں اور یہ میرے اہلبیت ہیں) پس خدا نے آیہ انما یرید اللہ نازل فرمائی۔ زینب نے کہا یا رسول اللہ کیا۔ تمہارے ساتھ داخل ہوں فرمایا تم اپنی جگہ رہو بے شک تم نیکی پر ہو) اس کے بعد روایت بھی سُن لیجئے جس سے ام المومنین عائشہ کا علیحدہ کیا جانا بھی ثابت ہوتا ہے۔

ثعلبی نے مجمع سے روایت کی ہے کہ میں اپنی ماں کے ساتھ عائشہؓ کی خدمت میں گیا۔ میری ماں نے علیؑ کے مقابل جنگ جمل کے لیے خروج کرنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا انہ کان قدراً من اللہ ۔ میں نے دیکھا علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ کو حضرت رسولخداؐ نے ایک چادر کے نیچے جمع کیا ہے اور فرمایا حضرت نے "ا ا یہ میرے اہلبیت ہیں ان سے رجس کو دور رکھ اور پاک رکھ پاک رکھنے کا حق۔ میں چاہا کہ اس ردا میں بھی داخل ہو جاؤں حضرت نے فرمایا تم دُور رہو۔

غور کیجئے اِن روایات سے چوٹی کی تین ازواج کا خارج ہونا تو ثابت ہو گیا ایسی صورت میں اس آیت کا مصداق ازواج کو کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔ ا... میں سے کسی کے متعلق کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی ایسی نہیں پائی جاتی جس سے دُو[ر] رکھنا ثابت ہو برخلاف ازواج کے کہ ان کا دور رکھنا ثابت ہے کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ بی بیوں کے تین گروہ تھے ایک عائشہؓ کا دوسرے اُم سلمہؓ کا اور تیسرے زینب کا۔ جب ان گروہوں کی سردار ازواج کو حضورؐ نے داخلہ کی اجازت نہ دی تو دوسری ازواج تو ذکر ہی کیا۔

نیز یہ بھی ہم ثابت کر چکے کہ آنحضرتؐ اس آیت کے نزول سے چھ ماہ جناب فاطمہؑ کے دروازہ پر جا کر آیہ تطہیر کی تلاوت فرماتے رہے۔ اگر یہ آیت ازوا[ج]

کی شان میں ہوتی تو کم سے کم اپنی محبوبہ بی بی حضرت عائشہ کے دروازہ پر جاکر تلاوت فرماتے۔

خوارزمی نے اپنی کتاب مناقب میں لکھا ہے کہ امیرالمومنین علیہ السّلام فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم میں سے کسی کے بارے میں آیت تطہیر نازل ہوئی ہے۔ سب نے کہا اللھم لا۔ اگر ازواج بھی شامل ہوتیں تو لوگ ان کا ذکر کرتے۔ اگر یہ آیت ازواج کے حق میں ہو تو ایک اور خرابی لازم آتی ہے۔ وہ یہ کہ یہاں رجس سے مراد رجس ظاہری نہیں بلکہ اس سے مُراد حرمت صدقہ اور نجاست عصیان سے پاک ہونا ہے اور یہ دونوں امر ازواج کے لیے ثابت نہیں نہ ان پر صدقہ حرام تھا اور نہ وہ محفوظ عن الخطایا معصوم تھیں۔

بیہقی نے لکھا ہے کہ اہل بیت میں عباس اور ان کے صاحبزادے بھی داخل ہیں۔ آنحضرتؐ کا مقصد یہ تھا کہ اپنے تمام اقارب کو لفظ اہلبیت میں جو خطاب الٰہی وارد ہوا ہے داخل کرلیں۔ یہ امر ایسا ہی ہے جیسے ایک بادشاہ کریم اپنے مصا کہ اپنے گھر والوں کو بلاؤ تاکہ میں ان کو خلعت دوں اور انعام واکرام شاہی سے ان نوازوں۔ یہ سُن کر یہ عالی ہمت مصاحب اپنے تمام متوسلین کو ساتھ لے جاکر یہ سب میرے خاندان والے ہیں تاکہ نوازش خسروی سے کوئی محروم نہ رہے۔

بیہقی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا تم مع اپنے لڑکوں کے میرے پاس آنا میری تم سے ایک حاجت ہے۔ دوسرے روز جب وہ آئے تو حضرت نے فرمایا السلام علیکم انہوں نے جواب میں کہا علیک السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت نے فرمایا کیا حال ہے انہوں نے کہا الحمد للہ پھر حضرت نے ان کو اپنے اور اعزہ کے ساتھ بٹھا کر فرمایا۔

یارب هذا عمی و صنوابی وهولاء اهلبیتی استرهم من النار کستری ایاهم قال فامنتُ اسکفه الباب وحوایط البیت قالت امین امین (اے میرے رب یہ میرا چچا ہے یہ میرے باپ کا بھائی ہے اور یہ میرے اہلبیت ہیں ان کو آتش جہنم سے میری طرح بچانا۔ اس پر در و دیوار نے آمین کہی۔) ابن ماجہ نے یہ قصہ مختصراً نقل کیا ہے اس کے علاوہ اعلام الوری میں اور راویوں سے بھی یہ واقعہ نقل ہوا ہے

یہ سلاطین بنی عباس کے عہد کے ٹکسالی سکے ہیں جس طرح معاویہ شاہی ٹکسال کے کھوٹے سکے آج تک چل رہے ہیں انہی کے ساتھ ساتھ عباسی ٹکسال بھی اپنے سکوں سے ہواخواں کے دامن بھر رہی ہے اس بے تکی روایت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اصل میں اس آیت کے مصداق عباس اور ان کے بیٹے ہی تھے۔ یہ دروغ بے فروغ کس قدر قابل مضحکہ ہے۔

اگر عباس وغیرہ آیت تطہیر کا مصداق ہیں تو طہارت کاملہ بھی ان میں ہونی ضروری ہے۔ اور جو فتح مکہ کے وقت ایمان لائے اور ساری عمر بحالت کفر گزارے یطھر کم تطھیرا سے اس کا کیا تعلق۔ اگر یہ کسی قابل ہوتے تو آنحضرتؐ ان کو بھی عشرہ مبشرہ کے زمرہ میں شامل کر لیتے۔ جب غیر معصوموں کی بزم میں جگہ نہ ملی تو بھلا معصوموں کی محفل قدس میں ان کا گزر کہاں۔ رہا ان جناب کا نسب رسول اور خاندان رسول میں سے ہونا تو ہمارے نزدیک ان کا فرزند عبدالمطلب ہونا ہی ثابت نہیں۔ ہم اس کے بہت سے ثبوت اپنی کتاب دینی کہانیاں حصہ ۴ میں لکھ چکے ہیں۔ ایسی صورت میں اہلبیت سے ان کا کیا تعلق۔

بیہقی کی اس بے سر و پا روایت کا کیا مقابلہ ان روایات سے جو متواتر اور موثق ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ حضورؐ نے ذہاب رجس کے لیے دعا فرمائی ہے اور رجس پر الف

لام استغراق داخل ہے جس کے تحت میں ظاہری اور باطنی ہر قسم کا رجس ہے اور اس قسم کی طہارت عباس اور اولاد عباس کو حاصل ہی نہ تھی۔

ازواج کا داخلہ ہو یا عباس کا مقصد اس سے یہ ہے کہ عصمت کی قید نہ رہے تاکہ آیندہ امر خلافت کے متعلق معاملہ صاف ہو جائے اور معصوم اور غیر معصوم میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے۔

صاحب تحفہ کی عجیب بحث

اِس آیت کی دلالت عصمت پر ہے یا نہیں اس کے متعلق چند بحثیں ہیں۔

اوّل کلمۂ لِیُذھِبَ عنکم الرّجس ترکیب نحوی میں کیا واقع ہے۔ آیہ یرید کا مفعول لہٗ ہے یا مفعول بہ دوسرے معنی اہلبیت کیا ہیں۔ تیسرے رجس سے کیا مراد ہے ان تینوں امور کے متعلق تفاسیر میں طولانی بحث ہے۔ اگر لیذھب مفعول بہ ہے اور اہلبیت بھی چار آدمیوں ہی میں منحصر ہوں اور رجس سے مراد مطلق گناہ ہو تو بھی اس آیت کی دلالت عصمت پر مُسلّم نہیں بلکہ عدم عصمت کی دلیل ہے۔ کیونکہ جو چیز پاک ہو اس کے لیے یہ نہیں کہا جاتا کہ میں پاک کرنا چاہتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ چند حضرات اس ارادہ الٰہی کے بعد رجس اور گناہ سے محفوظ ہو گئے۔ لیکن یہ بھی اصول اہلسنت کی بنا پر نہ بلحاظ اصول شیعہ۔ کیونکہ مُراد الٰہی کا واقع ہونا ارادہ الٰہی کے لیے لازم نہیں۔ بہت سی چیزیں ہیں کہ خدا ارادہ کرتا ہے اور شیطان و بنی آدم اس کو پورا نہیں ہونے دیتے اگر خدا کو افادہ معنی عصمت منظور ہوتا تو یوں فرماتا اِنّ اللّٰہ اَذھبَ عنکم الرّجس اھلَ البیت وطھر کم تطھیرا یعنی بیشک اللہ نے دور کر دیا تم سے رجس کو اے اہلبیت اور پاک کر چکا تم کو جو حق پاک کرنے کا ہے۔

جواب۔ جب بہ کثرت روایات معتبرہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنین کی شان میں ہے تو اس کے خلاف کہنا اپنے مذہب کے علما کو جھٹلانا ہے۔ یہاں ارادہ سے مراد ازالہ رجس ہے اور یہ ایسا ارادہ ہے جو وقوع مُراد کی علت تامہ ہے اور وجود علت کے بعد وجود معلول واجب ہوتا ہے ورنہ مطلق ارادہ جس کے بعد مراد کا وقوع ہو تمام مکلفین کے لیے ثابت ہے پھر اہلبیت سے اس کی خصوصیت کیا رہی اور انما کلمہ حصر کا فائدہ کیا ہوا دوسرے بالاتفاق یہ آیت مدح اہلبیت میں وارد ہے لیکن ایسا ارادہ جس کے بعد فعل کا وقوع نہو مستلزم مدح نہیں ہوتا۔

بعض اخبار سے ثابت ہے کہ اس آیت کا نزول آنحضرتؐ کی اس دعا کے بعد ہوا جو آپ نے اہلبیت سے اذہاب رجس کے متعلق فرمائی تھی نہ کہ فقط اس کا ارادہ تھا۔ پس لامحالہ حضرت کی دُعا نے شرف قبولیت حاصل کیا پس ازالہ رجس کا وقوع ثابت ہوا۔ اور رجس سے مراد چونکہ گناہ ہے لہٰذا معصوم ہونا ثابت ہوا۔

ارادہ الٰہی دو قسم کا ہے تکلیفی اور تکوینی۔ تکلیفی ارادہ کا تعلق مخلوق کے عمل سے ہوتا ہے اگر وہ کر گزرتے ہیں تو ارادہ الٰہی پورا ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ مثلاً سورہ مائدہ میں ہے اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا کسی کو پائخانہ نکل آئے یا عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تم کو پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو اس سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ خدا نہیں چاہتا کہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرے بلکہ اس کا ارادہ ہے کہ تم کو پاک و پاکیزہ کرے یہ ارادہ تکلیفی ہے اگر بندے ایسا کریں گے تو ارادہ الٰہی پورا ہوگا ورنہ نہیں۔ برخلاف ارادہ تکوینی کے کہ فعل مخلوق سے اس کا تعلق نہیں ارادہ کے ساتھ وقوع لازم

اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (سورہ یٰسین ۳۶/۸۲)

مولانا طبرسی نے مجمع البیان میں فرمایا ہے کہ اس آیت میں ارادہ محضہ مُراد نہیں

بلکہ وہ ارادہ ہے جس کے اتباع میں تطہیر واذہاب رجس ہے۔ ورنہ اگر پہلی صورت مراد ہو تو اس قسم کا ارادہ تو خدا ہر مکلف کے ساتھ کرتا ہے اہلبیت سے اس کی خصوصیت پھر کیا رہی ارادہ مجردہ قابل مدح نہیں۔ پس جب دوسری صورت معین ہوئی تو اس کے لیے عصمت لازم علامہ اردبیلی طاب ثراہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے اہلبیت کی عصمت ثابت ہوتی ہے کیونکہ جب ہر قسم کے رجس کی ان سے نفی ثابت ہو گئی تو اسی کا نام عصمت ہے یعنی رجس کی کوئی صورت بھی خواہ ظاہری ہو یا باطنی۔ کم ہو یا زیادہ جب ان میں نہیں پائی جاتی تو یقیناً اس امت میں معصوم قرار پائے۔ اسی کی تائید کرتی ہے حدیث ثقلین کیونکہ لن تضلوا بعدی سے ثابت ہوتا ہے کہ عترت یعنی اہلبیت معصوم ہیں ورنہ ان سے تمسک رکھنا گمراہی سے بچانے والا قرار نہ پاتا۔

اب ہم معترض کی ایک ایک بات پر غور کرتے ہیں۔

معترض کہتا ہے کہ اگر اس آیت سے عصمت مراد لی جائے تو چند بحثیں آکر پڑتی ہیں۔

اوّل لیذھب عنکم رجس ترکیب نحوی میں کیا واقع ہے مفعول لہٗ ہے یا مفعول بہ۔ جواب یہ ہے کہ ہر دو صورتوں میں ہمارا مطلب حاصل ہے یہ کہنا خواہ مخواہ مغالطہ میں ڈالنا ہے کہ یہ بحث مبسوط تفاسیر میں ملے گی۔ ہم نے تو بہت سی تفسیروں کو الٹ پلٹ کر دیکھا کہیں اس کے متعلق کوئی خاص بحث نظر نہ آئی۔ یہاں تک کہ اہلسنت کی سب سے بڑی تفسیر رازی کی تفسیر کبیر ہے وہ بھی اس بحث سے خالی ہے لیذھب میں لام تاکید مراد لے کر اس کے بعد ان مصدریہ مقدر مانا جائے اور یہ معنی مصدری میں تبدیل ہو کر مفعول بہ ہو جائے اس سے ہمارے دعویٰ میں کیا کمزوری پیدا ہوتی ہے۔

دوسری بحث اہل بیت کی بتائی ہے تو ہم بتا چکے کہ اس سے اہل بیت نبو مراد ہیں نہ کہ اہل بیت سکنی۔ اس بنا پر اس فضیلت میں ازواج کا کوئی حصہ
تیسری بحث ہے رجس کے متعلق۔ اس کے متعلق بھی ہم لکھ چکے کہ فریقین نے رجس سے مراد گناہ لی ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے الرجس الذنب المدنس اور زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ رجس سے گناہ کا استعارہ ہوتا ہے اور تقوی سے طہارت کا۔ تفسیر کبیر میں لیذهب عنکم الرجس کے معنی بیان یزیل عنکم الذنوب و یطهرکم ای یلبسکم خلع الکرامه (تاکہ دور تم سے گناہوں کو اور پہنا دے تم کو طہارت و کرامت کا لباس) نیشاپو اپنی تفسیر میں لکھا ہے ذنوب سے استعارہ ہے رجس کا اور تقوی سے طہارت اور صاحب مجمع اللغۃ نے لکھا ہے تطہیر پاک ہونا ہے ہر گناہ اور امر قبیح اور راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ تطہیر سے مراد ہے پاکیزگی اجسام اخلاق او افعال سب کی ظاہر ہے کہ یہاں تطہیر لباس و بدن مراد نہیں بلکہ طہارت مراد ہے۔

فضل ابن روز بہان کا یہ کہنا کتنا حقیقت سے دور ہے کہ رجس سے مراد شرک اور گناہان کبیرہ ہے اور بعض نے رجس سے زنا جیسے فواحش مراد لیے ہیں۔ اگر ایسا تو وہ تمام مسلمان اس آیت کا مصداق ہو گئے جو کافر سے مسلمان ہوئے تھے چو یہ رائے مسلمات عامہ اور خاصہ کے خلاف ہے لہٰذا ساقط الاعتبار ہے۔

معترض کا یہ کہنا کہ یہ آیت عدم عصمت پر دال ہے کیونکہ جو شے پاک ہو اس کے لیے یہ نہیں کہتے کہ اس کو میں پاک کرنا چاہتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ان حضرات کا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رجس اور گناہ سے محفوظ رہنا ثابت ہو

ہے اور وہ بھی بنا بر اصول اہلسنت۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اہل سنت کے اصول کے مطابق محفوظ ہونا معنی عدالت کے قریب ہے جیسا کہ امام فخر رازی نے کہا ہے کہ ذہاب رجس عدالت میں بھی متصور ہے اور عصمت کے لیے لازم نہیں۔

جب رجس پر الف لام داخل ہے تو یہ برائے جنس ہے یا برائے استغراق دونوں صورتوں میں تمام اصناف رجس کی نفی لازم آتی ہے اور یہی معنی عصمت کے ہیں یہ کہنا کہ ارادہ الٰہی کے لیے یہ لازم نہیں کہ وقوع میں آجائے کیونکہ شیطان اور بنی آدم اس کو واقع نہیں ہونے دیتے اگر ارادہ عصمت ہوتا تو یوں فرماتا ان اللہ اذھبَ عنکم الرجس اھل البیت وطھر کم تطھیرا کس قدر حقیقت سے دور ہے یہ کلام کیونکہ جب اس آیت کا مصداق حضرت رسول خدا بھی ہیں تو یہ طعن آنحضرتؐ پر بھی ہوئی اور یہ لازم آیا کہ سرور انبیا بھی رجس سے محفوظ نہ ہوں۔ اگر ایک منافق کہدے کہ یہ آیت آنحضرتؐ کی عدم عصمت کی دلیل ہے کیونکہ جو چیز پاک ہو اس کے لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ میں اس کو پاک کرنا چاہتا ہوں۔ پس معترض اسے کیا جواب دے گا اہلسنت کے اصول کے مطابق تو قبل بعثت انبیا بھی محفوظ عن الخطا نہیں ہوتے لہٰذا اگر اس آیت کے نزول کے بعد محفوظ عن الخطا ہونا مانا جائے تو یہ آیت چونکہ بعثت کے کئی سال بعد نازل ہوئی لہٰذا اصول اہلسنت اور معترض کے اس خیال کے مطابق آنحضرتؐ کا اس تمام مدت میں رجس سے دور نہ رہنا لازم آتا ہے عیاذاً باللہ۔

معترض کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اگر رجس کا تعلق ان سے پہلے نہ ہوتا تو بجائے لیُذھب کے اذھب کہا جاتا اس لیے کہ ارادۂ الٰہی جس کا تعلق خود اس کے

افعال سے ہو متکلمین امامیہ کے نزدیک اس سے مراد نفسِ علم بمصلحت ہوتا ہے لہٰذا ارادہ اذہاب رجس جو اس کا فعل ہے اس کے علم سے الگ نہیں اور لیذھب چونکہ معنی مصدری میں ہے لہٰذا اس کا تعلق ہر زمانہ سے ہوگا اور کسی وقت بھی مراد کا ارادہ سے جدا ہونا لازم نہ آئے گا۔ ارادہ اور ایجاد ایک ہی چیز ہے اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (سورہ یٰسین ۸۲/۳۶)۔ پس جب ارادہ کے ساتھ ایجاد ہے تو پھر ہر زمانہ سے اس کا تعلق ہوگا۔

مولانا اردبیلی کا استدلال

فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ یہ ضروری نہیں جس چیز سے ارادہ الٰہی متعلق ہو وہ فعلیت میں بھی آجائے پس ہو سکتا ہے کہ اللہ نے اذہاب رجس کا ارادہ تو کیا ہو لیکن وہ وقوع میں نہ آیا ہو۔ مولانا اردبیلی علیہ الرحمہ نے حدیقۃ الشیعہ میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ فرق ہے ان دو باتوں کے درمیان کہ ارادہ الٰہی کا تعلق دوسرے کے فعل سے ہو اور اپنے فعل سے پہلی صورت میں یہ ممکن ہے کہ فعلیت میں نہ آئے کیونکہ اس صورت میں بندہ کے ارادہ کو بھی دخل ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں یہ ممکن نہیں کیونکہ اگر ارادہ الٰہی متعلق ہو کسی امر کو فعلیت میں لانے سے تو ضروری ہے کہ وہ چیز فعلیت میں آجائے کیونکہ اس صورت میں محض ارادہ الٰہی فعل کے وجود پانے کی علت تامہ ہے اور معلول کا تخلف علت تامہ سے محال ہے۔ لہٰذا عصمت ایک فعل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص میں اپنے ارادہ سے پیدا کرنا چاہتا ہے چونکہ بندہ کے ارادہ کو اس کے عدم و وجود میں کوئی دخل نہیں لہٰذا بے تامل اور تاخیر اس کو عمل میں آجانا چاہیے۔

دوسرے جب خدا کا ارادہ اذہاب رجس سے متعلق ہوا تو البتہ فعل میں آنا چاہیے ورنہ خدا کا عجز لازم آئے گا۔

صاحب تحفہ کا یہ کہنا کہ شیعوں کے عقیدہ میں بہت سی چیزیں ہیں کہ خدا ان کے وقوع کا ارادہ کرتا ہے مگر بندے اور شیطان اسے ایسا نہیں کرنے دیتے۔" سراسر بہتان ہے۔ کس کی طاقت ہے کہ خدا کے ارادہ حتمی کو روک سکے۔ شیعوں کا یہ عقیدہ نہیں اور کیونکر ہو سکتا ہے درانحالیکہ خدا خود فرماتا ہے وَلَوْشَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا (سورہ یونس ۱۰/۹۹) (اگر اللہ چاہتا تو زمین پر بسنے والے سب کے سب ایمان لے آتے)

اگر اس سے یہ مراد ہے کہ ارادہ بمعنی طلب کو مطلوب سے جُدا جانتے ہیں تو اس کی صداقت ظاہر ہے۔ کون نہیں جانتا کہ شیاطین اور سرکش لوگ اوامر الٰہیہ کی مخالفت کیا کرتے ہیں۔

رہا اس کا جواب کہ پاک ہونا بعد ارادہ تطہیر ہے نہ اس کے قبل بلکہ وجود رجس اس سے قبل ثابت ہوتا ہے۔

محاورات عرب سے وقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ ایسی عبارت عدم وجود رجس کے لیے مستعمل ہوتی ہے اور اس کی بنیاد تخیّل ذہنی ہے۔ کیا کسی سے اس طرح کلام نہیں کیا جاتا اذهب الله عنك كلّ مرض (خدا تجھ سے ہر مرض کو دور رکھے حالانکہ وہ بیمار نہیں ہوتا لہٰذا لیذهب عنكم الرجس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس سے پہلے ان میں رجس تھا۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نزول آیت کے بعد رجس دور ہوا تو ان لوگوں کو اہلبیت کا مصداق ازواج کو قرار دیتے ہیں یہ ماننا پڑے گا کہ ازواج

ہر قسم کے رجس سے ظاہری ہو باطنی آغشتہ تھیں حتی کہ شرک و کفر سے بھی کیونکہ فضل بن روزبہان نے کفر و شرک کو بہ جس کہا ہے پس جو جواب تمہارا ہے وہی ہمارا ہے۔

اعتراض ۔ اگر کلمہ یطھرکم تطھیرا مفید عصمت ہو تو تمام صحابہ بالخصوص جنگ بدر میں شریک ہونے والے تو بالکلیہ معصوم ہوں گے کیونکہ ان کی شان میں خدا فرماتا ہے وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (سورہ المائدہ ۵/۶) اور وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ (سورہ الانفال ۸/۱۱) ظاہر ہے کہ اتمام نعمت بغیر گناہوں سے محفوظ رہنے کے ممکن نہیں لہٰذا پہلے ذکر طہارت کیا پھر ذکر نعمت

جواب ۔ آیت تطہیر میں جو طہارت ہے اس کا قیاس ان طہارتوں پر کرنا جو بسلسلہ اعتراض درج ایک غلط قیاس ہے خود تفاسیر اہلسنت سے یہ فرق ظاہر ہے ولکن یرید لیطھر کم میں جو طہارت ہے اس سے مراد صفائی ہے یا ایسے گناہوں سے تطہیر جن کا کفارہ وضو ہے نہ کہ مطلقاً طہارت از ذنوب و معاصی کیونکہ یہ دونوں آیتیں طہارت از آب و خاک سے متعلق ہیں نہ کہ طہارت ذنوب و معاصی سے۔ چنانچہ قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں لیطھرکم کے متعلق لکھا ہے لینظفکم اولیطھر کم عن الذنوب فان الوضوء یکفر الذنوب اولیطھر کم بالتراب اذا اعوذکم التطھیر بالماء یعنی لیطھرکم کے معنی یہ ہیں کہ تم کو نجاست سے پاک صاف کردے یا یہ مراد ہے کہ گناہوں سے پاک کردے کیونکہ وضو کفارہ ہے ذنوب کا یا مراد ہے خاک سے طہارت پانی کے بدلے۔ لہٰذا یہ طہارت بمعنی عصمت نہیں ورنہ جو کوئی وضو یا غسل کرے وہ معصوم ہو جائے اور بیضاوی نے لیتم نعمتہ علیکم کی تفسیر میں کہا ہے لیتم بشرعیۃ ماھو مطھرۃ لابدانکم ومکفرۃ لذنوبکم نعمتہ علیکم فی الدین اولیتم رخصتہ الغامہ علیکم بغرائمہ (تاکہ تمام کردے بلحاظ شریعت ان چیزوں

کو جو پاک کرنے والی ہیں تمہارے ابدان کی اور کفارہ ہیں تمہارے ذنوب کی یہ تمہارے لیے نعمت ہے دین میں۔ پس کس قدر غلط قیاس ہے معترض کا اس طہارت پر جس کا تعلق طہارت مطلقہ سے ہے جو بمنزلہ عصمت ہے ورنہ محض لفظ طہارت تو ابدان کو نجاست سے پاک کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے جیسے۔ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهِ (سورہ الانفال ۸/) اس کی تفسیر میں صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ یہاں مراد ہے پانی سے طہارت حدث اور جنابت سے۔ یہ طہارت ظاہری ہے۔

رہا یہ کہنا کہ اتمام نعمت بغیر معاصی سے حفاظت کے متصور نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اتمام نعمت بنحو خاص ہے جو مفید عصمت نہیں۔ اکمال دین اور اتمام نعمت کی پوری تکمیل تو اس روز ہوئی جس روز آیہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ (سورہ المائدہ ۵/۳) نازل ہوئی اور وہ دن تھا اعلانِ ولایت امیر المومنینؑ کا۔ یہ عصمت جو مفید نبوت و امامت ہے ایک وہبی فضیلت ہے جس کا اکتساب سے تعلق نہیں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ (سورہ الحدید ۲۱/۵۷)

اگر حدث اور جنابت سے طہارت اتمام نعمت ہے تو اس کا کیا تعلق اس طہارت سے جس کا ذکر آیت تطہیر میں ہے وہاں طہارت مراد ہے ہر رجس ظاہری و باطنی سے۔

طینت جام جم از طینت کانِ دگر ست — تو توقع زگلِ کوزہ گراں مے داری

جن طہارتوں کا ذکر معترض نے کیا ہے وہ مقام مدح میں نہیں ہے بر خلاف آیت تطہیر کے کہ وہ کچھ مخصوص لوگوں کی مدح میں نازل ہوئی ہے۔ ابن حجر نے صواعق میں لکھا ہے کہ یہ آیت منبع فضائل اہلبیت ہے۔

نور الدین سمہودی نے لکھا ہے کہ آیت تطہیر کے متعلق جب میں نے غور کیا تو یہ

بات مجھ پر ظاہر ہوئی کہ یہ آیت منبع فضائل اہل بیت نبوی ہے اس لیے کہ یہ چند ایسے امور عظیمہ پر مشتمل ہے کہ میں نے کسی کو ان سے تعرض کرتے نہیں پایا۔

اوّل۔ خداوند عالم کا ان کے حال کی طرف توجہ کرنا اور ان کی بلندی قدر کی طرف اشارہ کرنا کیونکہ ان کی شان میں نازل کیا۔

دوسرے۔ کلمہ اِنّما سے جو مفید حصر ہے ذکر کرنا۔ جس سے مقصد یہ ہے کہ یہ فضیلت اہلبیت رسول کے سوا غیر کی طرف تجاوز نہیں کر سکتی۔

تیسرے۔ تاکید کرنا خدا کا ان کی تطہیر کے متعلق بایں طور کہ مصدر کا ذکر کرنا تاکہ یہ بات جان لی جائے کہ یہ تطہیر انواع تطہیر کے اعلیٰ مراتب میں ہے۔

چوتھے۔ نکرہ لانا اس مصدر کا یعنی تطھیرا کہنا جس سے اشارہ ہے کہ جو تطہیر ان سے متعلق ہے وہ ایک عجیب و غریب قسم کی تطہیر ہے جو مخلوق کی جانی ہوئی اور سمجھی ہوئی نہیں اور نہ لوگ اس کا ادراک کر سکتے ہیں کیونکہ یہ طہارت ایسی طہارت کاملہ ہے کہ انبیائے ماسبق کو بھی حاصل نہ ہوئی۔ وہاں امکان ترک اولیٰ تھا یہاں یہ بھی نہیں۔

اس شعر سے اس مطلب کی توضیح ہوگی۔

ادم قد اکلَ الحنطته و اللّٰہ نھیٰ	وَعلیٌ ترکَ الاکل لقصدِ القُربُ
آدم نے گیہوں کھایا درانحالیکہ قدرت نے منع کیا تھا۔	اور علیؑ نے کھانا ترک کیا بلحاظ قربت

پانچویں۔ پیغمبر کا ان کی طرف شدت سے متوجہ ہونا اور یہ فرمانا خدایا یہ میرے اہلبیت ہیں اور میرے خاص عزیز ہیں یعنی مقصود حضرت یہ درخواست کرنا ہے کہ بار الہا میرے اہلبیت کے بارہ میں جو تیرا ارادہ تطہیر ہے اس کو جاری رکھ اور اپنے احسان

سابق کو احسان لاحق سے ملا دے۔ مطلب یہ تھا کہ بارگاہ باری میں التجا بھی ہو جائے اور اہلبیت کی خصوصیت اور فضیلت کا اظہار ہو جائے۔

چھٹے۔ آنحضرتؐ کا ان کے درمیان اپنے کو رکھنا۔ ابوسعید خدری نے روایت کی ہے نزلت فی خمسته النبی صلی اللہ علیه وسلم الخ یعنی یہ آیت پانچ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے ان میں سے ایک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں بلکہ حافظ جمال الدین رزندی مدنی نے تو سات کا ذکر کیا ہے چنانچہ ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی میرے گھر میں سات ذاتوں کے متعلق جبریل، میکائیل۔ رسول اللہ حضرت علیؑ۔ حضرت فاطمہؑ۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ۔

نورالدین سمہودی جس کا کلام ہم نے اوپر نقل کیا عالم مذہب اہلسنت ہے اس نے یہ خصوصیات تو ذکر کر دیں مگر اپنے مذہب کی پچ میں کوشش یہی کی ہے کہ عصمت اہلبیت ثابت نہ ہو لیکن پیغمبر اور جبریل و میکائیل کا شمول اس ثبوت کے لیے کافی ہے کہ اہلبیت معصوم تھے اس لیے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول کی تطہیر اور قسم کی ہو اور اہلبیت کی اور قسم کی۔

ساتویں۔ آنحضرتؐ کا دعا کرنا رجس کو دور رکھنے اور پاک کرنے کے لیے اور خدا کی صلوٰت و برکات اور مغفرت اور رضوان کو اپنے لیے بھی چاہنا اور اپنے اہلبیت کے لیے بھی۔

آٹھویں۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ حضورؐ کے اہلبیت کی قدر و منزلت بلند ہو کیونکہ اس معاملہ میں حضرت نے اپنے اہلبیت کو اپنے ساتھ برابر کیا ہے۔

نویں۔ حضرت نے ان سب کو ایک چادر میں جمع کر کے یہ بتا دیا کہ اس چادر کے جو باہر ہیں وہ دائرہ عصمت سے باہر ہیں اور جو اس کے اندر ہیں وہ آنحضرتؐ کی

طرح معصوم ہیں۔

ہم نے امامت منصوصہ کے اثبات میں صرف پانچ آیتیں بیان کرکے ان تمام اعتراضات کے جوابات بھی دیدیئے ہیں جو عموماً ہمارے مخالف ان آیات کے سلسلہ میں کیا کرتے ہیں۔

بلحاظ اختصار ہم نے صرف پانچ آیتوں ہی کو ذکر کیا ہے ورنہ ان کے علاوہ اور بہت سی آیات ہمارے اس مدعا کی دلیل ہیں۔

مذکورہ بالا آیات کے علاوہ عقلی ثبوت بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ نبوت ایک ایسا عہدہ ہے جس کا تعلق براہ راست خدا سے ہے۔ آدم سے لے کر خاتم الانبیا تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم نے اپنا نبی یا رسول خود بنایا ہو اور ایسا بھی نہیں ہوا کہ خدا نے کبھی کسی نبی کو نبوت سے معزول کیا ہو۔ چونکہ اپنے بندوں کی ہدایت کرنا خدا کے ذمہ ہے لہٰذا نبی یا رسول بنانا بھی اسی کے ذمہ ہونا چاہیے اور چونکہ وہ علام الغیوب ہے اس لیے وہ جن لوگوں کو انتخاب کرتا ہے ان سے کبھی اس کی منشا کے خلاف کوئی امر سرزد نہیں ہوتا۔ پس جب جانشین نبی کا کام وہی ہے جو ایک نبی کا ہوتا ہے تو یقیناً اس کا تعین بھی خدا کی طرف سے ہی ہونا چاہیے ورنہ خلاف ہوگی یہ بات کہ جس امر کے لیے تو یہ اہتمام کیا جائے کہ بندوں کو اس انتخاب میں کوئی دخل ہی نہ ہو اور بعد میں وہی امر اہم عام لوگوں کی سپرد کر دیا جائے کہ جسے چاہو بنالو۔

امم سابقہ میں کبھی کسی نبی نے اپنا جانشین خود معین نہیں کیا بلکہ جس کے لیے امر الٰہی ہوا انہوں نے اسی کی جانشینی کا اعلان کیا جب کوئی نبی اپنی جانشینی کا اعلان کرتا تھا تو اپنی امت کو بتا دیتا تھا کہ میں بحکم خدا ایسا کر رہا ہوں اور اعلان جانشینی اعلان نبوت کے ساتھ ساتھ ہی ہوتا تھا۔ کسی نبی کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ خود اپنا جانشین

منتخب کرے۔ ہاں بارگاہِ باری میں کسی کا نام پیش کر سکتا تھا جیسے جناب موسیٰ نے حضرت ہارون کا نام پیش کیا۔ وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَارُونَ أَخِي (سورہ طٰہٰ ۲۰/۲۹) (خداوندا میرا وزیر میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو بنا دے خدا نے ان کی یہ سفارش منظور کر لی۔

نبوت اور رسالت کا تو ذکر ہی کیا جو بادشاہتیں تحت نبوت ہوتی تھیں ان کے بادشاہوں کا تعین اور تقرر بھی من جانب اللہ ہی ہونا تھا مثلاً جب حضرت یوسف بادشاہِ مصر قرار پائے تو وحی ہوئی۔ یوسف تم نے اپنا وزیر کسے بنایا؟ عرض کی خداوندا میں تیرے حکم پر کیسے سبقت کر سکتا ہوں۔ خدا نے فرمایا فلاں مقام جاؤ ایک نوجوان تمہیں ملے گا وہی تمہارا وزیر ہے۔ حضرت یوسف وہاں پہنچے اور اس جوان کو دیکھا تو بارگاہ باری میں عرض کی بارالہا۔ میں اس کو نہیں پہچانتا۔ وحی ہوئی اے یوسف تم نے اسے پہچانا نہیں یہ وہی بچہ ہے جس نے خانۂ زلیخا میں تمہاری عصمت کی گواہی دی تھی۔ لہٰذا اس کا ایک حق تم پر ہے۔ (تفسیر کبیر)

بنی اسرائیل نے شموئیل نبی سے درخواست کی تھی کہ وہ خدا سے دعا کریں کہ ان کے لیے ایک بادشاہ کو معین کرے چنانچہ خدا نے طالوت کو ان پر بادشاہت کرنے کے لیے منتخب کیا۔

پس جب سنت الہیہ بادشاہوں تک کے لیے یہ چلی آ رہی تھی تو نبوت کی جانشینی کا تو ذکر ہی کیا۔

کوئی معقول وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی کہ امت محمدیہ میں یہ سنت الہیہ کیوں بدلی گئی حالانکہ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (سورہ الاحزاب ۳۳/۶۲) کی رو سے بدلنی نہ چاہیے۔ اگر اوصیائے انبیاء کا کام بھی وہی ہے جو نبی کا کام ہے تو کوئی وجہ نہیں

کہ نبی کا تقرر تو خدا کرے اور جانشین نبی کا تقرر بندگانِ خدا کریں۔ جبکہ بعض اوقات نبی کا انتخاب صحیح ثابت نہیں ہوتا تو بھلا خطا کار امت کا انتخاب تو کیا ہی صحیح ثابت ہوگا۔

جناب موسیٰ نے کوہ طور پر جانے کے لیے جن ستر آدمیوں کا پوری قوم میں سے انتخاب کیا تھا اور جو ایمان میں سب سے زیادہ پکے نظر آئے تھے طور پر جاکر اس انتخاب کی قلعی کھل گئی جبکہ ان سب نے یک زبان ہو کر کہنا شروع کیا وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً (سورہ البقرہ ۲/۵۵) (ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں اللہ کو کھلم کھلا نہ دکھادو) الغرض جب ایک نبی معصوم کا انتخاب کامیاب نہ ہوا تو بھلا ایک خطا کار امت کا انتخاب کیونکر درست ہوسکتا ہے۔

نبی کے لیے معصوم ہونا ضروری۔ سہو و نسیان سے مبرا ہونا لازم اور عصمت ایک ایسی چیز ہے جس کا علم خدا کے سوا دوسرے کو نہیں ہوسکتا۔ اور جب تک ہادی معصوم نہ ہو ہدایت خلق اس سے متعلق نہیں ہوسکتی۔

دنیا والے جو انتخاب کرتے ہیں چند ہی روز کے بعد ان کو جب اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے تو پھر اس کے مخالف بن کر اس عہدہ سے اس کو ہٹانا چاہتے ہیں جس پر خود ہی معین کیا تھا۔ یہ تماشے آئے دن ملکوں کے سیاسی اسٹیج پر نظر آتے ہیں اسی کا نام جمہوریت رکھ لیا گیا ہے جس کے متعلق علامہ اقبال نے فرمایا ہے۔

گریز از طرز جمہوری غلامے پختہ کارے شو   کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمے آید

شیعوں کے علاوہ اسلام کے تمام فرقے اجماعی خلافت کے قائل ہیں لیکن ع لیکن یہ وہ ہے کہ لفظ شرمندہ معنی نہ ہوا۔ دعویٰ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے مرتے وقت کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا بلکہ یہ کام امت پر چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوگئے۔

چنانچہ سقیفہ میں باجماع امت حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ چن لیا گیا۔ لیکن یہ ایک دھوکا ہے سقیفہ میں اجماعی صورت واقع ہی نہیں ہوئی۔ تین مہاجر اور گیارہ بارہ انصار سقیفہ میں جمع ہوئے تھے ان کو پوری امت کا قائم مقام کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ ماشاء اللہ وقت وفات آنحضرتؐ تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار مسلمان موجود تھے۔ کیا ان میں ارباب حل وعقد کل یہی مٹھی بھر آدمی تھے؟ بنی ہاشم کا پورا قبیلہ جس کو خاص اہمیت حاصل تھی اہتمام دفن رسول میں لگا ہوا تھا ان کا ایک فرد بھی سقیفہ میں موجود نہ تھا اور جو چند نفوس موجود تھے اتفاق ان میں بھی نہ تھا انصار چاہتے تھے خلیفہ ہم میں سے ہو اور مہاجر چاہتے تھے ہم میں سے ہو آخر تو تو میں میں ہوتے ہوتے لات گھونسے کی نوبت آگئی اور تہذیب اسلامی کا بہترین مظاہرہ یہ ہوا کہ سعد ابن عبادہ انصاری غریب بُری طرح کچلے گئے اگر ان کے قبیلہ والے اٹھا کر نہ لے گئے ہوتے تو یقیناً ان کی جان اس اجماع کی نذر ہو ہی جاتی۔

خلافت نبوی جیسا اہم معاملہ یوں چٹکیوں میں تو اڑایا نہیں جا سکتا تھا۔ ضرورت تھی کہ مسلمانوں کے تمام ارباب حل وعقد بلائے جاتے۔ اور ان سب کے سامنے یہ مسئلہ رکھا جاتا اور نہیں تو کم سے کم حرمین شریفین کے سربرآوردہ حضرات تو ہوتے یہ بھی نہ سہی تو بنی ہاشم کا قبیلہ تو ہوتا جو رسول کا قبیلہ تھا۔ کل نہ سہی تو خاص خاص افراد تو بلائے جاتے۔

ہماری سمجھ میں آج تک یہ بات نہ آئی کہ جن لوگوں نے سقیفہ میں بیٹھ کر خلیفہ کا انتخاب کیا ان کو اس کا ذمہ دار بنایا کس نے تھا؟ مدینہ میں اس وقت بہت سے مہاجر موجود تھے یہ ذمہ داری انہوں نے کیوں نہ محسوس کی یہ سارے جہاں کا درد تین چار مہاجروں اور دس بارہ انصار ہی کے دلوں میں کیوں سما کر رہ گیا۔ کیا

رسول مرتے وقت اس کام کا ذمہ داران ہی چند نفوس کو بنا گئے تھے؟ اگر ایسا نہیں تو ان لوگوں کو کیا حق تھا اس بات کا کہ رسول کو بے کفن و دفن چھوڑ کر سقیفہ میں اس مسئلہ کو طے کر لیں۔ ایک دو دن نہیں چند گھنٹے کی تاخیر میں اسلام پر کیا مصیبت نازل ہو جاتی کہ اس کام کو دفن رسول پر مقدم رکھا گیا ہمارے خیال میں اس جلدی کی وجہ یہ تھی کہ علیؑ کو شامل ہونے کا موقع مل جاتا اور پھر جو فضیلت کی نرالی منطق انصار کے مقابل تراشی گئی تھی وہ علیؑ کے استدلال کے مقابل بے معنی ہو کر رہ جاتی۔

اس اجماع کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ سقیفہ میں چند مہاجر و انصار نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ مان لیا تو وہ تو پتھر کی لکیر بن گیا اور تمام بنی ہاشم اور آنحضرتؐ کے خاص خاص مقتدر اصحاب جیسے سلمان، ابوذر، عمار اور مقداد جو خلیفہ برحق حضرت علی کو مانے ہوئے تھے ان کا اجماع قابل قبول کیوں نہ ہوا۔ حالانکہ ان کی تعداد سقیفہ والوں سے زیادہ تھی اور ان سے زیادہ بلند اقتدار ہستیاں بھی تھیں پھر کیا وجہ کہ ان کا اجماع نظر انداز کر دیا جائے۔

اوّل تو نص کے مقابل غیر معصوموں کے اجماع کی وقعت کیا۔ پھر اجماع بھی صحیح معنی میں نہ ہو پایا پھر مزہ کی بات یہ ہے کہ وقتی ضرورت پورا کرنے کے بعد اس اجماع کو بھلا دیا گیا اور وصیت کا اصول چل پڑا۔ رسول کی وصیت ایک لفظ بے معنی تھا کیونکہ نظام اسلام کو جمہوری فرض کر لیا گیا تھا لیکن بعد میں وہی وصیت پھر چارہ سازی کے لیے آ گئی، کاش اسی پر اکتفا کی جاتی لیکن غضب تو یہ آیا کہ نمبر ۲ پر نہ اجماع رہا نہ وصیت بلکہ انکا قائم مقام شوریٰ بن گیا یعنی چھ آدمیوں کی کمیٹی۔

اس کے بعد اجماع کا بھولا ہوا سبق پھر یاد آ گیا۔ پانچویں منزل پر یہ چاروں اصول زینتِ طاق نسیان ہو گئے اور ان کی جگہ قہر و غلبہ نے لے لی اور جس کی لاٹھی اُس

کی بھینس کا مضمون ہوگیا۔ اس کے بعد خلافت خاندانی ورثہ ہوگیا مگر نام اس کا پھر بھی اسلام کی جمہوری حکومت ہی رہا۔ بہر حال خلافت قلابازیاں کھاتی ہوئی چلی آرہی تھی کہ سلطان عبدالحمید بادشاہ ٹرکی کے بعد وہ ایسی غائب ہوئی کہ ڈھونڈے نہیں ملتی۔ گویا خلافتِ رسول کا دور صرف سلطان تک پہنچکر ختم ہوگیا اس کے بعد خلافت کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ اب ذرا اس طریقۂ کار پر ایک تنقیدی نظر ڈالیئے۔

(۱) خلافت کے اصول بار بار بدلے کیوں؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ خلافت علی منہاج النبوہ نہ تھی۔

(۲) رسول کے لیے وصیت کی ضرورت نہ سمجھی گئی لیکن پھر خلیفۂ اوّل نے خلیفۂ ثانی کے لیے وصیت کیوں کی۔

(۳) رسول کے نائب کا تعین جو امت نے اپنے ہاتھ میں لیا تو اس کی اجازت کہاں سے لی۔ کون سی آیت یا حدیث اس اجازت کو ظاہر کرتی ہے۔

(۴) اگر کتاب خدا کافی تھی تو پھر سقیفہ میں خلافت کا فیصلہ از روئے قرآن کیوں نہ کیا گیا۔

(۵) خلافت راشدہ اور غیر راشدہ کی اصطلاح کہاں سے اخذ کی گئی۔

(۶) جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ خلافت کل تیس برس ہوگی اس کے بعد ملک عضوض یعنی درندہ صفت بادشاہ ہوگا تو پھر اس ملک عضوض کو خلیفہ کیوں کہا گیا۔

(۷) اگر تسلط و غلبے سے بادشاہ بن بیٹھنے والا واجب الاطاعت ہے تو کیا یہ اسلام جیسے دین کے لیے جس میں تحفظ حقوق ہے جس میں ظلم و جور کی ممانعت ہے کیا یہ طریقۂ کار ایک بدنما داغ نہ ہوگا۔

(۸) جب خلافت سلاطین کی میراث بن گئی اور باپ کے بعد بیٹا پانے لگا تو پھر

اس میں جمہوریت کہاں باقی رہی۔

(۹) زمانہ شناس لوگوں نے ایک اصول یہ بھی بنالیا تھا کہ نبوت اور حکومت ایک گھر میں جمع نہیں ہوسکتی۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ آخر کیوں۔ سلیمان۔ یوسف۔ ذوالقرنین اور داؤد نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ جب خدا نے ان دونوں چیزوں کو ایک گھر میں کردیا تھا تو پھر مسلمانوں نے کیوں تامل کیا اور جب خلافت نیابت رسول کا نام تھا تو پھر حکومت کو اس کے ساتھ جمع کیوں ہونے دیا۔

(۱۰) متفقہ حدیث رسول ہے۔ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتة جاهلیه لیکن اب امام زمانہ کوئی نہیں وہ جو برائے نام خلیفہ ہوتے آرہے تھے اس کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔ اب بتاؤ یہ موت کیسی موت ہوگی۔ اگر یہ کہو کہ امام زمانہ سے مراد قرآن ہے تو غلط ہے کیونکہ قرآن تو ہر زمانہ میں ایک ہی ہے اور حدیث بتاتی ہے کہ ہر زمانہ کا امام جدا جدا ہوگا۔

(۱۱) ایک وقت میں جس خلافت کو یہ اہمیت حاصل تھی کہ کفن و دفن میں رسول کی بھی پروا نہ کی گئی اور آج وہی ایک بھولی بسری حقیقت بنی ہوئی ہے۔ فاعتبروا یا أولی الابصار

یہ تمام بے قاعدگیاں اور مضحکہ خیز صورتیں اس لیے پیش آئیں کہ حق کو اس کے مرکز سے ہٹا دیا گیا اور جو خدائی منصب تھا وہ بندوں نے اپنے ذمہ لے لیا۔

شیعوں کا جو اصول ہے وہ بطور ایک اٹل قانون کے ہے جو آج تک نہ بدلا گیا ہے اور نہ بدلا جائے گا قیامت تک یہی رہے گا اور وہ امام کا منصوص من اللہ ہونا ہے امام منصوص من اللہ اور امام جماعتی میں یہ فرق ہے کہ امام منصوص من اللہ کبھی اپنے عہدہ سے معزول نہیں کیا جاتا جس طرح نبی ہمیشہ نبی رہتا ہے اسی طرح امام

ہمیشہ امام رہتا ہے پبلک سے غلطی ہو سکتی ہے خدا سے نہیں۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ پبلک جس کو کسی عہدہ کے لیے انتخاب کرتی ہے۔ چند روز بعد اسی کے خلاف نفرت کا ووٹ پاس کر دیتی ہے۔

دور کیوں جائے حضرت عثمان کے حالات پر غور کیجئے ایک وقت وہ تھا کہ پبلک ان سے بیعت کر رہی تھی وہ جانشین رسول تسلیم کیے جا رہے تھے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ وہی لوگ ان کے خون کے پیاسے بن گئے اور آخر کار ان کو قتل کر ہی ڈالا بیعت کرنے والے بھی صحابہ کرام تھے اور قتل کرنے والے بھی ایسی صورت میں اس حدیث پر کیسے ایمان لایا جائے امتی لاتجتمع علی الضلالہ (میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔)

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ آنحضرتؐ نے کسی کو نامزد نہیں کیا۔ ایک بار نہیں اپنی زندگی کے بیشمار مواقع پر حضورؐ نے اپنے اس فرض کو پورا کیا خود غرض نہ سمجھے یہ دوسری بات دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر جبکہ سب سے پہلی بار اعلان رسالت ہوا حضرت علیؑ کی وزارت اور وصایت کا اعلان حضورؐ نے فرما دیا۔

شب ہجرت اپنے فرش پر سلا کر اس کا اظہار کر دیا۔

سورہ براءت کی تبلیغ کے موقعہ پر اس کو واضح کیا گیا۔ جب بحکم خدا حضرت ابوبکرؓ کو واپس بلا لیا گیا اور حضرت علیؑ کو ان کی جگہ تبلیغ کے لیے بھیجا گیا تھا سمجھنے والوں کو سمجھ لینا چاہیے تھا کہ رسول کے بعد یہی ان کے منصوص من اللہ جانشین ہوں گے۔

جنگ تبوک کے موقع پر آنحضرتؐ کا حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا قایم مقام بنا کر چھوڑنا اور یہ فرمانا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لانبی بعدی کھلا ثبوت اس بات کا تھا کہ حضرتؐ کے وزیر علی علیہ السلام اسی طرح ہیں جیسے حضرت

ہارون جناب موسیٰ کے وزیر تھے۔

غدیر خم کے موقع پر تو کوئی دقیقہ اٹھا ہی نہ رکھا صاف لفظوں میں بتا دیا۔ من کنتُ مولاہ فھذا علیؑ مولاہ

یہاں تک جو کچھ ہوا سب زبانی تھا۔ اندیشہ تھا کہ اقتدار پسند جماعت اس سے انکار کر دے کہ ہم نے یہ الفاظ نہیں سُنے لہٰذا آپ نے چاہا کہ اس کے متعلق ایک تحریر بھی اپنی امت میں چھوڑ جائیں۔ اپنی زندگی کے آخری سانسوں میں آپ نے کاغذ اور قلم دوات یہ کہہ کر مانگا میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لیے ایک ایسی تحریر چھوڑ جاؤں کہ تم گمراہ نہ ہو۔

سمجھنے والے سمجھ گئے کہ حضرت کا منشا علیؑ کی خلافت کے متعلق لکھنا ہے لہٰذا اقتدار پسند حضرتؐ کی اس خواہش کو کیسے پورا ہونے دیتے۔ چہ میگوئیاں شروع ہوئیں اور آخر ایک بزرگ نے یہ کہہ ہی دیا۔ حسبنا کتاب اللہ ۔ یہ کہنا کہ ہمیں کتابِ خُدا کافی ہے اس کی دلیل ہے کہ کہنے والے کے دماغ میں کوئی دوسری چیز تھی جس کے متعلق یہ یقین ہو رہا تھا کہ آنحضرتؐ اس کو قرآن کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں ورنہ اس کے سوا اور کوئی امر ایسا ہو ہی نہ سکتا تھا کہ اس پر رسول کے سامنے اور وہ بھی حالت مرض میں اس قدر شور و غل ہوتا کہ آنحضرتؐ کو غصہ میں یہ کہنا پڑتا قوموا عنی (میرے پاس سے ہٹ جاؤ)

یہ سب امور واضح قراین ہیں اس بات کے کہ آنحضرتؐ اپنے بعد حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے اس کے بعد امر اس امر اہم کو امت کے سپرد کر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک طرف قرآن انتخاب الٰہی کو بتاتا چلا آ رہا تھا دوسری طرف رسول کا قول ظاہر کر رہا تھا کہ آنحضرتؐ اپنی جانشینی کے لیے کس کو انتخاب کر رہے ہیں اگر اس پر بھی لوگوں کی سمجھ میں نہ

آئے تو اس کا علاج کیا۔ سمجھ میں تو سب کی آگیا تھا مگر جاہ طلبی اس کی اجازت نہ دیتی تھی کہ منشائے رسول کو پورا کیا جائے۔

کسی نبی کی امت نے امر وصایت و وزارت میں اپنے نبی کی مخالفت نہیں کی اور نبوت، حکمت اور حکومت صرف اولاد انبیاء تک محدود رہی جیسا کہ فرماتا ہے فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا (سورہ النساء ۴/۵۴) کیسی عجیب بات ہے کہ حضرت پیغمبر الزماں کی امت نے اس قانون کو یکسر بدل دیا۔ اور ہر شے کا وارث اپنے کو بنالیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ دین الٰہی کو نقصان پہنچ گیا۔

یاد رکھئے جب تک کتاب الٰہی کے نافذ کرنے والے خدا کے معصوم بندے رہتے ہیں اس کے احکام صحیح طریقے سے لوگوں تک پہنچتے رہتے ہیں اور جب اس نفاذ کا تعلق غیر معصوموں سے ہو جاتا ہے تو پھر حق اپنے مرکز سے ہٹ جاتا ہے یہودیوں اکثر، عیسائیوں میں بہتر اور مسلمانوں میں تہتر فرقے محض اس وجہ سے ہوئے کہ خدائی قانون غیر ذمہ دار لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گیا اور جس کی رائے میں جو کچھ آیا اس نے اسی کو قانون الٰہی بنا کر لوگوں میں رواج دینا شروع کر دیا۔

اگر لوگ اہلبیت علیہم السلام سے تمسک رکھتے اور ان کے اسوۂ حسنہ پر چلتے تو نہ ایک دین کے ۷۳ ٹکڑے ہوتے اور نہ آئے دن فتنہ و فساد کے سیلاب آتے۔

تمت بالخیر